سنہ ۱۹۸۵ء

پچیسویں سال کا پہلا شمارہ

نگران و مدیر

نسیم انہونوی

اخبارات میں روزانہ ہی ایسی خبریں چھپتی رہتی ہیں جن میں عورتوں پر ظلم
کے جبر و استبداد کی تفصیلات ہوتی ہیں۔ پہلے یہ خبریں صرف اغوا [illegible]
وغیرہ کے متعلق ہوا کرتی تھیں جو اس دور میں اس لئے بڑھ گئی ہیں کہ [illegible]
نے اس سلسلے میں مردوں کے لئے آسانیاں پیدا کردی ہیں۔ جب تک عورتیں
بے محابا اور بے تکلف سڑکوں پر نکلتی نہ تھیں، بدمعاشوں کو کم ہی مواقع ملتے تھے کہ
وہ ان کا اغوا کرسکیں یا انھیں اپنی جنسی بھوک مٹانے کے لئے زبردستی سڑکوں پر سے
اٹھا کر فرار ہوجائیں۔ پہلے لڑکیاں گھروں سے نکلتی ہی بہت کم تھیں اور نکلتی بھی
تھیں تو گھر والوں کے ساتھ اور وہ بھی ایسے پردے میں کہ کوئی ان کی جھلک تک نہ
دیکھ سکتا تھا۔ لیکن جب تعلیم نسواں کی تحریک نے زور پکڑا تو لڑکیاں پردے دار
گاڑیوں یا بسوں میں اسکول جانے لگیں۔ یہ بھی محفوظ صورت تھی۔ لیکن جس طرح
رفتہ رفتہ ریل گاڑیوں اور سینما ہالوں وغیرہ سے زنانہ درجے کم ہوتے ہوتے
غائب ہوگئے، اسی طرح اسکولوں تک لڑکیوں کو لے جانے والی گاڑیاں اور بسیں
بھی رفتہ رفتہ کم ہوتے ہوتے اکثر جگہوں پر بالکل ہی ختم ہوگئی ہیں اور جہاں کہیں بڑے
تعلیمی اداروں کی اپنی بسیں چلتی بھی ہیں تو اس طرح کہ لڑکیاں گھروں سے چل کر
سڑکوں پر ان کا انتظار کرنے کے لئے تنہا آتی ہیں۔ ویسے عام طور پر سب طالبات
[illegible] پیدل ہی گھر سے کالج وغیرہ جاتی

[illegible]

[illegible] کے بڑھتے واقعوں کو، جنھیں کم از کم کرنے کا بیڑا اٹھایا جانے کا دعویٰ کیا
جاتا ہے۔ بد قسمتی سے آزادی کے بعد سے حالات کچھ ایسے ہو گئے ہیں کہ جان
مال اور عزت آبرو کسی چیز کی بھی حفاظت نہیں رہ گئی ہے۔ اس لئے اس طرح
کے واقعات اور بھی زیادہ ہونے لگے ہیں۔ ادھر کچھ عرصے سے عورتوں پر
ایک نئے قسم کا ظلم ہونے لگا ہے اور وہ ہے جہیز کم لانے کا، جس کے لئے انھیں زندہ
جلا کر مارا جا رہا ہے۔ صرف دہلی میں ہر سال صدہا معصوم اور بے گناہ دلہنوں کو
بھینٹ چڑھا دیا جاتا ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اس ظلم میں مردوں کے ساتھ
ہی عورتوں کے ہاتھ بھی رنگین ہیں۔ بلکہ میں تو سمجھتا ہوں کہ جہیز کی طلب مردوں
سے زیادہ عورتوں ہی میں ہوتی ہے ـــــ پتہ نہیں۔ مگر غور کیا جانا چاہئے کہ
مخلوق انسانیت کے ساتھ عورت خود عورت کی بہت بڑی دشمن ہے۔ کبھی وہ ساس
بن کر کسی کی زندگی برباد کرتی ہے، کبھی ساس بن کر بہو پر ظلم ڈھاتی ہے اور کبھی بہو
کی شکل میں ساس کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچاتی ہے۔ اگر آپ بھی حقائق سے
اتفاق رکھتی ہوں تو اصلاح کی کوئی ایسی صورت پیدا کریں کہ کم از کم عورت عورت پر ظلم تو
چھوڑ دے۔ اس کے لئے مردوں ہی کے ظلم کیا کم ہیں کہ وہ خود اپنی جنس کے ہاتھوں
بھی دکھ اٹھاتی رہے۔

حریم کا یہ پھولوں سالنامہ آپ کی خدمت میں پیش ہے۔ اس سالنامے سے حریم کا
[illegible] سال شروع ہوتا ہے اور یہ ہمارے لئے فخر کی بات ہے کہ حریم جیسے رسالے نے [illegible]
سال پابندی سے شائع ہوتے ہوئے گزار دئے۔ ویسے بھی اردو رسائل کی عمریں [illegible]
کم ہوتی ہیں۔ ہندوستان میں درجنوں ایسے [illegible] رسائل [illegible]

اعتراف ہے کہ حریم کے لمحات کے ساتھ ہی عفت پھوپی کے ناولوں کو بھی کافی دخل ہے۔ حریمی بہنیں انھیں پڑھنے کے لئے بے چین رہا کرتی ہیں۔ اس لئے ہم حسب سابق عفت پھوپی کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

[illegible] میں ہمیں بہن شہناز کنول صاحبہ کا بھی تعاون حاصل ہو گیا ہے۔ ہمیں موصوفہ کا دلچسپ ترین بحث تاریخی کہانیاں ہیں۔ اب تک جو کہانیاں بہن موصوفہ کی حریم میں چھپی ہیں، انھیں بھی بیحد پسند کیا گیا۔ ہم ان کا بھی شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ بہن موصوفہ اپنے اس تعاون کو آئندہ بھی برقرار رکھیں گی۔

اسی سلسلہ میں ہم ان تمام حریمی بچیوں اور بہنوں کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتے ہیں، جو حریم کی خریدار رہیں اور حقیقی معنوں میں انھیں کے تعاون سے حریم اس پابندی کے ساتھ چھپ رہا ہے۔

شکریہ کے ساتھ ہی کچھ حریمی بچیوں اور بہنوں سے یہ شکوہ بھی ہے کہ وہ حریم نہ ملنے کی صورت میں ہمیں ہی الزام دیتی ہیں۔ وہ کبھی یہ نہیں سوچتیں کہ پرچہ نہ ملنے کا سبب محکمہ پوسٹ کی بدنظمی ہے جو افسوس کہ اب حد سے سوا ہو گئی ہے اور جس کی وجہ سے ہمیں نہ صرف باتیں سننا پڑتی ہیں بلکہ کافی نقصان بھی اٹھانا پڑتا ہے۔ ان حریمی بچیوں اور بہنوں کے ہم شکرگذار ہیں جو پرچہ نہ ملنے کی صورت میں بڑے ہی ہمدردانہ انداز میں ہمیں مخاطب کرتی ہیں۔

آب حیات بھی اور زہر ہلاہل بھی

سائنس نے جہاں انسانی زندگی کو ہزاروں سہولتیں بہم پہنچائی ہیں، وہیں خطرات بھی پیدا کر دئے ہیں جو مختلف قسم کے بموں کی صورت میں تیار کئے جا رہے ہیں [illegible]

[illegible]

یہ معاملہ ساختی جنگی ہتھیاروں کے بعد میں ... کیمیکل کا استعمال ہوگا اور دنیا میں پھیل آجائے گی اور کوئی نہیں بچ سکا کہ اس کے بعد دنیا باقی رہے گی یا نہیں۔ یہ بھی سائنس ہی کی لائی ہوئی ایک قیامت صغریٰ ہی تھی جو ۳-۴ دسمبر کی درمیانی شب بھوپال میں نازل ہوئی تھی اور جس کی تفصیلات کا علم سب ہی کو ہو چکا ہے۔ گیس جس سے کیڑے مارنے والی چیزیں تیار کی جاتی تھیں، جن کا استعمال اب عام ہو گیا ہے یہی گیس جب کسی مشینی خرابی سے نکل کر فضا میں پہنچی تو ہزاروں آدمیوں کو موت سے ہم آغوش کر گئی، ہزاروں مختلف امراض کے شکار ہو کر ایک طرح سے بیکار ہو گئے۔ اور لاکھوں انسانوں کو اس طرح متاثر کیا کہ نہ جانے ان پر مابعد کیسے اثرات ہوں۔

ایسی خطرناک گیس وغیرہ کے کارخانوں کو آبادیوں سے کافی دور ویرانوں میں قائم کرنا چاہیئے اور حادثات کو روکنے کے لئے مؤثر آلات اور ادویات کا ذخیرہ بھی رکھنا چاہیئے۔ اس لئے کہ بہر حال ایسی صنعتوں سے متعلق ہزارہا مزدور اور انجینیر وغیرہ کو بہر حال کارخانے کے حدود ہی میں رہنا پڑے گا۔ ہمیں امید ہے کہ اس غیر معمولی جانی و مالی نقصانات کے بعد حکومت کے ارباب حل اس پر غور کریں گے تاکہ ایسے حادثات دوبارہ رونما نہ ہونے پائیں۔

ہمیں ان تمام خاندانوں اور افراد سے ہمدردی ہے جو اس حادثہ کا شکار ہوئے یا متاثر ہوئے۔

(رحیم اہمونی)

حریم کی پرانی خریدار بہنوں کو معلوم ہے کہ میری صحت ۱۹۸۰ء سے ہی خراب رہنے لگی تھی ... [illegible]

پاک اسے عمر طویل دے اور صاحب نصیب بنائے۔

• بیگم جسٹس نذیر احمد (پٹنہ)
میری بیٹی شگفتہ ناہید سلمہا اور داماد عقیل (آگرہ) کو اللہ تعالیٰ نے پہلی بار ۱۲ دسمبر کی شب میں ۱۰ بجے ایک فرزند عطا فرمایا۔ خداوند کریم سے دعا ہے کہ نومولود دادی، دادا، پھوپھی چچا اور والدین کے زیر سایہ پروان چڑھائے۔ عمر خضر عطا فرمائے اور بلند اقبال کرے۔ آمین

• ثمینہ ابراہیم (راجپوری والے گرادھ) میری باجی قمر جہاں اور دولہا بھائی عبد المجید کو اللہ پاک نے ۷ نومبر ۸۳ء کی صبح ۹ بجے ایک دختر عطا فرمائی۔ نام شمائل قرار پایا۔ اللہ پاک اسے عمر جاوداں بخشے اور صاحب نصیب بنائے۔

پیغامات نشاط

• شاھدہ پروین، عذرا پروین (رحیم آباد کمشی پور) میرے بھیا ارشد رضا (پسر عبد الجبار صاحب مرحوم) کی شادی رخسانہ پروین نگمہ (دختر ڈاکٹر نور الہدیٰ صاحب مرحوم) کے ہمراہ ۲۰ اکتوبر ۸۳ء بمقام حیدری بازبحسن وخوبی انجام پائی۔ اللہ پاک میرے بھیا اور بھابی کو ہمیشہ شاد و خرم رکھے

• فرحت عزیز (بھدرک اڑیسہ) میری بھابی حمیرا یاسمین (دختر عبد الکریم صاحب ریٹائرڈ ڈی، ایس، پی جمشیدپور) کی شادی کام خوشگوار فضل الرحمٰن انصاری (بھاگلپور) کے ہمراہ ۱۸ اکتوبر ۸۳ء بوقت صبح ۱۱ بجے بخیر و خوبی انجام پائی۔ اللہ پاک اس جوڑی کو ہمیشہ شاد و خرم رکھے۔

• نور حجاب بیگم (دوکھا) میری بھتیجی سنجیدہ سلمہا (دختر نیک اختر عبد الحق دنوری صاحب) کی شادی محمد امان اللہ صدیقی (فرزند علی امام صدیقی صاحب بنی گنج جہرہ) کے ہمراہ ۲۳ اکتوبر ۸۳ء کو بخیر و خوبی انجام پائی۔ اللہ پاک ان دونوں کو خوش و خرم رکھے

• عزیزی محمد عارف شمسی سلمہ کی دختر نیک اختر تسنیم سلمہا کی شادی خانہ آبادی عزیزی شکیل سلمہ (فرزند جناب اظہر الزماں صاحب جملانی) کے ہمراہ ۸ دسمبر ۸۳ء کو المالطیفی ہال، صابو صدیق پالی ٹکنک ہائی کالج بمبئی میں بڑے تزک و احتشام سے عمل میں آئی۔ اللہ مبارک کرے۔

• مسز رقیہ خانم (سلمہا دگیٹ ملک گنج لکھنؤ) کی صاحبزادی اور جناب عزوری صاحب کی نواسی شہلا سلمہا کی شادی سہیل سلمہ کے ہمراہ ۱۸ دسمبر ۸۳ء کو دن میں بمقام ریلوے انسٹی ٹیوٹ لکھنؤ بحسن و خوبی انجام پائی۔ اللہ مبارک کرے۔

(نسیم انجم (دوبئی)

"آرڈر روانہ کرتے وقت ان باتوں کا خیال رکھیں"

- نسیم بک ڈپو اور دیگر اداروں کی اپنی منتخب کتابوں کے نام علیحدہ علیحدہ صفحات پر لکھ کر روانہ کریں۔
- دونوں قسم کی کتابیں ایک ساتھ منگوانے پر اگر ان کا وزن ۵ کلو کے اندر ہوگا تو وہ ایک ساتھ ورنہ الگ الگ وی پی پیکٹوں کے ذریعے روانہ کی جائیں گی۔
- آرڈر میں چند فاضل کتابوں کے نام ضرور لکھ دیں کیونکہ اکثر کتب ختم ہو جاتی ہیں۔ فاضل کتاب کے نام لکھے ہوں تو مطلوبہ ختم کتب کے بجائے انہیں سے کتابیں روانہ کی جاسکتی ہیں ورنہ خط وکتابت میں وقت ضائع ہوتا ہے۔
- فری کتاب نسیم بک ڈپو کی مطبوعات سے ہی منتخب کریں۔
- درج ذیل کوپن آرڈر کے ہمراہ آنا ضروری ہے۔
- اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیں، اگر آپ نئے خریدار ہیں اور آپ کو خریداری نمبر نہیں ملا ہے تو "جدید خریداری" لکھیں۔
- پتہ خوب صاف صاف لکھیں انگریزی میں لکھنا زیادہ بہتر ہوگا۔

نام و پتہ :   نمبر خریداری [ ]

پ ________________

____

____

"نسیم بک ڈپو کی مطبوعات پر رعائتی شرح"

آرڈر کی مالیت	رعایت	محصول	خصوصی رعایت
40/= سے 60/=	20% فی صدی	مکمل	————
61/= سے 100/-	20 فی صدی	نصف فری	————
101/= سے 150/-	20 فی صدی	فری	————
151/= سے 250/=	25 فی صدی	فری	12/= کی کتاب مفت
251/= سے 400/=	25 فی صدی	فری	8/= کی کتاب اور ماہنامہ سرخیاں ایک سال کیلئے مفت

• فری کتاب کی قیمت اگر زیادہ ہوئی تو زائد رقم بل میں جوڑلی جائے گی۔ فری کتاب درسالہ کے عوض نقد رعایت نہ ہوگی۔

• فری کتاب نسیم بکڈپو کی مطبوعہ ہونی چاہیئے۔ فاضل کتب کے نام ضرور لکھیں

400/= روپئے سے زائد ہر دوسو روپئے کے آرڈر پر مزید 12/= روپے کی کتاب فری

دیگر اداروں کی مطبوعات پر رعائتی شرح

آرڈر کی مالیت	رعایت	شرح محصول
40/= سے 60/=	10%	مکمل
61/= سے 100/-	12 ½%	نصف فری
101/= سے 150/=	15%	" "
151/= سے 225/=	15%	فری
225/= سے زائد پر	20%	فری

رومانی سیریز کے ناول

ایک نظر	عفت موہانی	١٠/-
بھنور	،	١٨/-
پرائی آگ	،	١٢/-
پھول کا دل	،	١٥/-
تقدیر	،	٢٥/-
تشنہ کام	،	٢١/-
چبھن	،	١٢/-
خواب پریشاں	،	١٥/-
خواب در خواب	،	٢٥/-
درد آشنا	،	١٥/-
راز	،	١٨/-
زود پشیماں	،	١٥/-
سویرے	،	١٦/-
سزا	،	١٨/-
شام تمنا	،	١٥/
شرارت	،	١٢/-
گناہ گار	،	١٨/-
محبت نام ہے غم کا	،	١٢/-

مداوا	عفت موہانی	٢١/-
موم کی زنجیریں	"	١٣/-
نقاب	"	١٢/-
ہم سفر	"	٢٢/-
ہار جیت	"	١٨/-
ایک شمع رہ گئی ہے	عطیہ پروین	٣/-
اگر اور جیتے رہتے	"	١٥/-
بہاریں پھر بھی آتی ہیں	"	١٨/-
تیری آنکھوں کے دیئے	"	١٩/٥٠
چندا	"	٣٠/-
خوشنما	"	١٨/-
ڈھل گئی شام غم	"	٢٠/-
راحتیں اور بھی ہیں	"	١٣/-
شہلا	"	١٨/-
کسی کے ہوگئے جب تم	"	١٣/-
مرلقا	"	١٥/-
ناظمہ	"	٢٢/٥٠
نمود سحر	ہاجرہ نازلی	٢٢/-
انتظار سحر	"	٢٢/-
بتوں کے سائے	"	١٥/-

بادل کا سایہ — شہناز کنول — ۲۰/-
شہابی ۔ " " — ۲۵/-

پیار کی خوشبو — سرور جہاں — ۱۲/۵۰
تزئین " " — ۲۰/-
شہوار " " — ۱۵/-
گردشیں " " — ۱۵/-
نئی صبح " " — ۱۸/-
ہم نشیں " " — ۱۴/-

چارہ گر — بشریٰ رحمٰن — ۲۴/-
سارے جہاں کا درد ۔ رفیعہ منظور الامین — ۲۱/-
آتش خاموش — صالحہ عابد حسین — ۲۵/-

اس دیوانگی میں — سلمیٰ کنول — ۳۰/-
چپکے سے بہار آجائے " " — ۲۵/-
اکیلی " " — ۱۸/-
عندلیب " " — ۳۰/-
لالہ " " — ۲۵/-

ایلا — رضیہ بٹ — ۲۲/۵۰
روپ " " — ۲۴/-
نائلہ " " — ۲۵/-
نجمہ " " — ۱۹/-

صباحت — مسرت تبریز — ۱۴/-

بجھتے اندھیرے ۔ وسیم بانو قدوائی — ۱۲/۵۰
غبار کے پیچھے " " — ۹/-
نفرت کی آندھی " " — ۱۵/-
معصوم گناہ " " — ۱۴/-

کنوارا دامن — نکہت شاہجہاں پوری — ۱۲/۵۰
نوبہار — زہرہ جبیں — ۱۵/-
چشمہ — اے آر خاتون — ۳۶/-
افشاں " " — ۳۶/-
ترنم — زبیدہ خاتون — ۱۶/-
نادرہ " " — ۱۵/-
نیلوفر — شاہدہ بانو بلگرامی — ۱۲/-
بہار جاوداں ۔ زبیدہ خاتون صدیقی — ۹/-
سیما — بلقیس ظفر — ۱۲/-
حسرت ان غنچوں پہ ہے ۔ سیدہ جمیل — ۱۲/-
سیما — حسنیٰ سرور — ۵/-
مسیحا — عذرا جمال — ۹/-
شعلہ و شبنم — نوشابہ سعید ناز — ۵/-
ایک خواب دو تعبیریں " " — ۵/-

ایک خوبصورت رومانی تصوفی ناول
سدھارتھ
ترجمہ: یعقوب یاور کوٹی — ۱۰/-

نسیم انہونوی کے ناول

آخری تمنا	۱۲/-
تمنا	۱۶/-
شبنم	۷/-
شگفتہ	۱۲/-
خاتون	۲۰/-
طرز زندگی	۸/-
کشور	۱۲/-
گلرو	۱۲/-
مس طلعت	۱۶/-
مہتاب	۱۸/-
نجم السحر	۲۵/-

اور عرصہ سے نایاب اردو کے مقبول ترین ناولوں میں سے ایک یعنی نسیم انہونوی کا شاہکار

کہکشاں

کا دیدہ زیب مصور آفسٹ اڈیشن ملاکہبار نینی تال کے پس منظر میں لکھی گئی محبت و زندگی اور مشرقی و مغربی تہذیب کی ایک نہایت دلچسپ، سبق آموز اور عبرتناک کہانی ہے۔ قیمت ۳۲/- روپیہ (امید ہے آخر جنوری تک شائع ہو لہذا فاضل کتاب کا نام بھی لکھدیں۔

سماجی ناول

عورت	رئیس احمد جعفری	۱۰/-
تاجور	جی۔ ایس عالم	۱۰/-
کسک	مجاہد لکھنوی	۸/-
شباب	وحشی محمود آبادی	۶/۵۰
نوید	جمیل الرحمٰن	۷/-
سیدانی	ہادی عابدی	۶/-
احسان فراموش	مظفر گنجوی	۵/-
جو نہ کرنا تھا	برق آشیانوی	۶/-
انجمن	خان محبوب طرزی	۵/-
کردی رقاصہ	" "	۴/-
یہ زندگی کے میلے	مائل ملیح آبادی	۴/۵۰

مزاحیہ کتابیں

شوکت تھانوی — مونڈی کاٹے ۵/-

مسماۃ خاتون ۸/- ، سسرال ۶/- ، بڑھیس ۹/-

اکبر الہ آبادی کے لطیفے		۳/۵۰
حساب دوستاں	وجاہت علی	۷/-
پتے کی بات	برق آشیانوی	۶/-
دنیا میں جہنم	ابن سلولی	۴/-
ظرافت و ظریف ہستیاں	تمنا	۴/۵۰
مرزا پھسلے گئے	عبد المجید سہالوی	۴/-

ہیجانی، جاسوسی اور آسیبی ناولیں

آسیب	منظر الحق علوی	۳۰/-
ابوالہول	"	۳۰/-
ابابیل	"	۳۰/-
پراسرار جزیرہ	"	۱۵/-
تار عنکبوت	"	۲۰/-
خانقاہ	"	۲۶/-
ڈراکیولا کی واپسی	"	۱۵/-
خون ریز	"	۳۰/-
ریگ رواں	"	۳۲/
دختر ڈراکیولا	"	۱۰/-
قفس رنگ	"	۲۵/-
سورج کا لہو	"	۲۶/-
لرزیدہ جہاں	"	۲۸/-
نیل کی ساحرہ	"	۲۶/-
شہر میں صحرا	"	۲۴/-
زمرد	سلامت علی مہدی	۲۷/-
زبیدہ	خان محبوب طرزی	۵/-
شیطانی ٹولی	پرنام رفعی	۴/-
دغاباز حسینہ	"	۳/-
اعتراف جرم	محمد آفاق	۱۵/-
آتش انتقام	ایم جے عالم	۲۲/۵۰
آتشی تحریر	"	۱۹/-
خوفناک قبیلہ	"	۲۲/-
مخفی دنیا	"	۴/-
مریخی حسینہ	"	۴/-
مریخی جانباز	"	۵/-
خونخوار دنیا	"	۵/-

جیمس ہیڈلے چیز کے شہرہ آفاق جاسوسی ناول

ہوشمند پاگل	اختر حسین	۱۵/-
دولت کا جال	"	۹/-
بلعجب حسینہ	محمد آفاق	۸/-
اجنبی لڑکی	متین الرحمٰن	۶/-
موت کے منصوبے	ایس آئی شاہد	۱۰/۵۰
صدا الصحرا	رشید انجم	۱۲/-
ایک بیٹی شاہراہ پر	"	۶/۵۰
ٹھگوں کا چکر	رمیش شرما	۱۲/-
دولت کے بھی شکاری	"	۱۰/-

فاضل کتابوں کا نام ضرور ضرور لکھ دیں تاکہ اگر کوئی کتاب ختم ہو گئی ہو تو ان میں سے شامل کی جاسکے۔

تاریخی ناول

آفتاب عالم	صادق سردھنوی	۲۴/-
ایران کی حسینہ	″	۳۰/-
اندلس کے دو چاند	″	۲۴/-
بہادر عرب	″	۲۷/-
پہلی صلیبی جنگ	″	۲۵/-
جوش اسلام	″	۲۴/-
جوش جہاد	″	۲۰/-
شریف مجاہد	″	۲۰/-
شہزادی عباسہ	″	۲۵/-
طارق	″	۲۱/-
فتوح الشام	″	۳۶/
فتح یرموک	″	۱۲/۵۰
عرب کا چاند	″	۲۲/۵۰
عروس بغداد	″	۲۰/-
محبوبہ آذر خان	″	۱۴/-
معرکہ کربلا	″	۲۲/-
محمود درودہ	″	۱۷/-
محمد قاسم	″	۲۶/
مشرق کی حور	″	۲۲/۵۰
نازنین عرب	″	۱۸/-

انسان دیوتا	نسیم حجازی	۲۴/-
مرگ یزید	مائل ملیح آبادی	۱۰/
بہادر خاں جنگجو	اختر ملیح آبادی	۸/-
تاریخ عصر قدیم	عبدالحلیم شرر	۱۰/-

"بچوں کیلئے خوبصورت کہانیاں"

مجرم ا، ع، ا، ز کے جاسوسی ناول / موت کا لمر ۲/۵۰

پراسرار قیدی	۵/-	پراسرار قتل	۱/-
پراسرار گروہ	۱/۴۰	پراسرار قاتل	۱/۵۰
گھاس کا سمندر	۲/-	اجنبی دنیا	۲/-

ایم یوسف انصاری کے مہماتی ناول

سندباد کے آٹھ سفر	۹/۵۰
زہرہ کا سفر	۲/-
تین قلندر	۷/-

مظہر الحق علوی کے لاجواب ناول

موت کی منزل ۵/- • دوسری دنیا	۴/-
تین دن ایک کہانی	۴/-
خفیہ خزانہ	۷/-

ملاتا ایلغ	مناظر عاشق ہرگانوی	۲/-
کمرہ کے پنچے	″	۱/۹۰
مونگے کے جزیرے	سیدی اعجاز	۲/۸۰

الیاس سیتا پوری کی کہانیاں

کبڑا فرشتہ ۱/۵۰ ۔ ہیبت خاں ۱/۵۰
شاہ صاحب کی ابّا ۱/۵۰ ۔ جادوگر سے لڑائی ۱/۵۰
خونی پجاری ۱/۵۰ ۔ جن پکڑا گیا ۱/۵۰

اے۔ آر خاتون سیمیں ۳/- ۔ بھائی بہن ۳/-
شہزادی ماہ رخ ۳/- ۔ سائنس کے عجوبے ۵/-

"انوکھی و حیرت انگیز کہانیاں"

سفید ہرنی	انصار علی	۱/۲۰
عقلمند سیار	آصف بختیار سعید	-/۸۰
سفید مرغی	"	-/۸۰
جنت کی تلاش	عطیہ پروین	-/۸۰
کالا گلاب	ایم یوسف	-/۷۵
پری بیگم	پری سیما خاتون	-/۸۰
سنہری چڑیا	مقبول احمد دہلوی	-/۹۰
پریوں کی کرامات	شمیم انہولوی	-/۸۰
جن سے مقابلہ	مظہر الحق علوی	۱/۵۰
جادوگر کا انتقام	"	۲/-
سانپوں کی ملکہ	محمود نیازی	۱/-
جادو کی کھجور	"	۱/-
پیتل کا شہر	"	۱/۵۰
شوخ جوتے	آصف بختیار سعید	-/۸۰

نانی اماں کے مزیدار قصے ۔ عفت موہانی

نانی اور بھوت ۱/- ۔ نانی نے بہادری دکھائی ۱/-
نانی نے بھینس پالی ۱/- ۔ نانی کی دور اندیشی ۱/۴۰
نانا نانی کی جنگ ۱/- ۔ نانی نے ندی کی سیر کی ۱/-

شہزادی و شہزادوں کے قصے

زلفی شہزادی	ایم یوسف انصاری	۲/۲
ناگن شہزادہ	"	۱/۲
شہزادی زرنگار	شمیم انہولوی	۱/۵۰
جنگلی شہزادہ	پری سیما خاتون	-/۸۰

مزاحیہ کتابیں و پہیلیاں

مزاحیہ کتابیں و پہیلیاں		-/۷۵
سفر کے لطیفے	نجم السحر انصاری	-/۸۰
دوستوں کے لطیفے	"	-/۸۰
رشتے داروں کے لطیفے	"	-/۸۰
الہ دین کا بیٹا	محمود نیازی	۱/۵۰
شیخ چلی دہلی گئے	محمود نیازی	-/۸۰

ٹارزن کے کارنامے ۔ از ایم یوسف انصاری

ٹارزن دا سنگر ۱/۲۵ ۔ ٹارزن دکھ اٹھا ۱/۵۰
ٹارزن وحشی طوفان ۱/۷۵
ٹارزن اور بندر کی اولاد ۱/۲۰
ٹارزن و شکاری ۱/۹۰
ٹارزن و چچا بھتیجا -/۸۰

دوسرے اداروں کی مطبوعات

رومانی ناول

آگ	رضیہ بٹ	۵۰/=
نورینہ	" "	۴۰/=
گل بانو	" "	۳۰/-
ناجیہ	" "	۲۵/-
فاصلے	" "	۳۰/-
لغزش	" "	۴۰/-
ثمینہ	" "	۱۸/=
اجنبی	سلمیٰ کنول	۵۰/-
بے نام	" "	۳۵/-
بے درد	" "	۲۵/-
پناہ گاہ	" "	۴۵/-
دکھ سکھ	" "	۳۵/-
پیاسی	بشریٰ رحمٰن	۶۰/-
لازوال	" "	۸۰/-
پھول	مشرف تمیز	۴۰/-
عالم پناہ	رضیہ منظور الامین	۳۰/-
آنگن	خدیجہ مستور	۳۰/-
زمین	" "	۲۰/-

جب یاد تیری آئی	ماہ ناز صبرینا	۲۳/-
چلمن چلمن تیری تجلی	دیبا خانم	۲۴/-
انتظار کا موسم	" "	۱۵/=
سدا بہار	" "	۲۵/-
چاہت	" "	۱۸/-
پیاسے کو شبنم	" "	۱۵/-
سپنوں کی شہنائی	" "	۱۶/-
آخری شب کے ہم سفر	قرۃ العین حیدر	۴۵/-
آگ کا دریا	" "	۸۰/-
بے نشان راستے	بلقیس ظفر	۳۰/-
ساتواں آنگن	صالحہ عابد حسین	۸/=
بہار آنے تک	نسیمہ منظر	۲۰/-
آہ	شہلا نرگس	۲۵/-
بدلتا ہے رنگ آسماں	ایم سلطانہ فخر	۲۵/-
صبرین	" "	۳۰/-
گوری	روحی معظم	۲۵/-
تمہارے لئے	عطیہ پروین	۳۰/-
دل کے دروازے	" "	۲۵/-
تیرے کوچے سے ہم نکلے	" "	۲۵/-
گھر	ماریہ رحمٰن	۶/=

کتاب	مصنف	قیمت
بھیگے ہوئے رخسار	ناظمہ طالب	۲۵/-
جھوٹے سچے لوگ	سعیدہ افضل	۲۵/-
انگارے	شبنم سحر	۲۵/-
درد کی دہلیز	" "	۲۵/-
سیپ	بلقیس کنول	۶۰/-
پیاسا	اسما حجاز	۲۵/-
گرہن	" "	۳۵/-
فانوس	بدر انجم خاتون	۲۵/-
شہنیلا	" "	۲۲/-
شام و سحر	سرور جہاں	۱۶/-
اجالے	" "	۲۵/-
اچانک	" "	۱۵/-
دل آویز	نگار زریں	۲۵/-
عائشہ	فرخندہ نگار	۲۲/-
گردش دوراں	بیگم رقیہ سلیم	۲۵/-
اشک مژگاں	" "	۱۴/-
پیار کا ساگر	فردوس حیدر	۴۰/-
راز داں	" "	۲۵/-
نقش قدم	" "	۱۰/-
تم آئے بہار آئی	فرحت جبیں	۲۰/-
سہناز	" "	۲۲/-
کالے کنول	سلمیٰ رضا	۲۵/-
تعبیر	ثریا ملک شمع	۲۰/-
اندھی راہیں	تنویر زہرہ بخاری	۲۵/-
سوز دروں	سعادت نسرین	۲۲/-
کیوں روئے شہنائی	ناز کفیل گیلانی	۳۰/-
گرفتار وفا	پروین اشرف	۲۵/-
لیزا	" "	۲۰/-
غزل	" "	۱۴/-
رفاقت یہ ذرا سی	صفیہ فرحت	۲۲/-
رشتے ہیں پیار کے	" "	۳۰/-
پونم کا چاند	" "	۲۰/-
فرینہ	فریدہ نزہت	۱۲/-
تصویر	اے آر خاتون	۲۵/-
فرحانہ	" "	۱۵/-
ضدی	عصمت چغتائی	۱۲/-
دوسری منزل	امرتا پریتم	۳۰/-
شرافت	ثروت ذکی	۲۵/-
کنول	نادرہ خاتون	۲۰/-
آگ	نعیمہ نقوی	۲۰/-
نیرا	" "	۲۲/-
نسیمہ	بیگم معشوق علی	۲۴/-

کتاب	مصنفہ	قیمت
برہنہ پا	عفت افضل	۱۲/-
نخل بیاباں	صفیہ انجم	۲۰/۰
سوچ نگر کی رانی	رضیہ جمیل	۳۲/-
دل ایک گلشن	" "	۴۰/-
بےنام سی خلش	" "	۴۵/-
المیہ	یاسمین صوفی	۲۴/-
دنیا	" "	۴۱/-
ایک کعبہ اور سہی	" "	۴۵/-
درد آئے گا دبے پاؤں	مینا ناز	۲۵/-
رومیلہ	" "	۲۸/-
بول رے دوزخ	" "	۲۰/-
طلاق	" "	۱۲/-
صنم	" "	۱۲/-
لیلیٰ تری گلی میں	" "	۲۴/-
بدنام	" "	۱۳/-
شب بخیر	" "	۱۴/-
السبدر	" "	۱۹/-
پنچھی	" "	۲۵/-
مہرو	" "	۲۵/-
ایک طوفان اور	" "	۱۶/۵۰
[illegible]	" "	۲۵/-

کتاب	مصنفہ	قیمت
انتظار	مینا ناز	۴۰/-
عاشی	" "	۱۴/-
وفا کیسی	" "	۱۸/-
نازیہ	نیلوفر راجہ	۳۵/-
گیت	بیگم نسیم آصف	۴۰/-
ہمسفر	شمع عندلیب	۲۵/-
گوہر	رخشانہ محمود	۲۵/-
یہ چاہتیں یہ فاصلے	این شاہ	۳۰/-
منزل وفا کی	بلقیس ملک	۳۲/-
خواب سلونے	فرزانہ یاسمین	۲۲/-
زخمی کلیاں	ریحانہ رضوی تبسم	۲۸/-
ایک لڑکی	وحیدہ نسیم	۳۵/-
سوز جاوداں	بیگم رقیہ سلیم	۱۴/-
زخم تمنا	فریدہ انیس	۲۰/-
سوکھا ساحل	" "	۲۱/-
اور تمنا بےتاب	زہرہ رضویہ	۲۵/-
یادوں کے نقوش	سعیدہ ناز	۲۵/-
نورس	ثریا محمود ندرت	۸/-
نگارینہ	" "	۲۵/-
عفرا	طاہرہ نسرین	۲۰/-
[illegible]	عقیلہ ہما	۲۴/-

غم کے سائے	بیگم محمود بشیر	۲۵/-
سپنے کب اپنے	فرخندہ شمیم	۲۲/-
رشتے کا روگ	زلیخا حسین	۱۲/-
آسمان کے تلے	" "	۱۸/-
اپنے اور پرائے	" "	۱۰/-
دشوار ہوا جینا	" "	۱۶/-
ایک ہی ڈگر		۱۲/-
نصیب نصیب کی بات	" "	۲۰/-
حسرت ساحل	" "	۱۰/-
ایک خواب ایک حقیقت	" "	۱۸/-
حوریہ	بلقیس ہاشمی	۲۰/-
رانگ نمبر	انجم ممتاز	۱۸/-
جہاں سے دور	نورجہاں سلیم	۱۲/-
رنگین کانٹے	" "	۱۴/-
پیار کا خون	" "	۱۲/-
عنبرینہ	مس رافیہ	۱۶/-
کھلونا اور ساحل	ماہ منیر عروج	۱۰/-
شرافت	اوشا بالا	۲۵/-
ارونا	نعیمہ ملک	۶/۵۰
عروج	ستی کنول	۳۰/=

سماجی ناول

انور	منشی فیاض علی	۵۵/-
شمیم	" "	۳۵/-
لرزتے آنسو	عادل رشید	۱۵/-
سرتاج	" "	۱۸/-
سپنوں کی راکھ	" "	۲۲/-
گونگی لڑکی	" "	۱۴/-
خدا کی بستی	شوکت صدیقی	۲۵/-
ساحل نہیں ملتا	انیس مرزا	۲۵/-
گھرانہ	" "	۲۲/=
ڈولی	" "	۸/-
شبنم	سراج انور	۸/-
پتھر کا گلاب	کوثر چاندپوری	۱۴/-
بازار حسن	پریم چند	۲۵/-
آوارہ	شرت چند چٹرجی	۲۱/=
دیہاتی سماج	" "	۸/-
پتھر بولتے ہیں	مسافر	۲۲/-
چھلکتے آنسو	" "	۲۲/=
عداوت	بالا دیبے	۲۵/-
آوارہ سورج	" "	۲۵/-

وہی بات	کملیشور	۲۰/=
شری کانت	شرت چندر چٹرجی	۲۲/=
دیوار کے پیچھے	ارشاد امروہوی	۱۸/-
درد آہٹوں کے	ہارون ایوب	۱۸/-
یادوں کے سائے	عارف مارہروی	۲۴/-
تاریکیاں	" "	۲۰/-
پنکھڑیاں	" "	۱۸/-
معصوم گناہ	مضطر ہاشمی	۱۲/-
خدا کہاں ہے	اسلم راہی	۲۰/-
جلتے بجھتے لوگ	" "	۱۲/
زمیں زاد	شاہد پرویز	۲۰/-
ادیب	ایک بنگلہ ناول کا ترجمہ	۲۰/-
رات و زلف	کرن کشمیری	۲۵/-
مظلوم	جی ایس عالم	۱۶/-
انگڑائی	ضیا عظیم آبادی	۱۶/-
گرداب	" "	۱۰/-
کورا آنچل	" "	۱۲/-
بہت دیر کر دی	علیم مسرور	۹/-
چھلکتے زخم	جمیل انجم	۱۲/-
انجو	ظفر ادیم	۱۳/-
خون کا رشتہ	اشونی چاولہ	۱۲/-
بھٹکے ہوئے لوگ	ہرچرن چاولہ	۳۵/-
سمندر صلیب اور وہ	کشمیری لال ذاکر	۳۲/=
کرماں والی	" "	۱۸/-
جاگتی ہوئی رُت	" "	۲۵/-
کرم دھرم	رتن ناتھ سرشار	۱۲/=
ذہین	عظمت رضا	۱۶/-
راکھی	" "	۱۰/-
تسکین	" "	۱۶/-
کرشمہ	" "	۱۵/-
دامن	" "	۲۶/-
ضمیر	" "	۲۴/-
تم کیا جانو	ریاض ارشد	۲۵/-
گریز	عزیز احمد	۳۵/-

افسانوی مجموعے

ڈارلنگ	رضیہ بٹ	۳۰/-
چوٹیں	عصمت چغتائی	۲۰/=
روشنی کی رفتار	قرۃ العین حیدر	۲۰/-
بڑھاپو کلپش	سرور جہاں	۲۵/-
دھوپ دھوپ سلمیہ	" "	۱۵/-
ٹکڑے ٹکڑے آئینہ	بشیر ادیب	۱۴/-
عشق کا چاند ادھورا	بیکر ناتھ	۲۰/-

پیتل کا گھنٹہ — قاضی عبدالستار — ۱۵/-
رات کا سورج — کوثر چاند پوری — ۱۴/-
کانچ کی دنیا — پشکر ناتھ — ۲۵/-
وہ اور دوسرے افسانے ۔ رشید جہاں — ۱۵/-
ڈوبتے سورج کا کرب ۔ عابد ضمیر — ۱۵/-
آخری تحفہ — پریم چند — ۱۵/-
فردوس خیال — " " — ۲۰/-
دیہاتی افسانے — " " — ۱۴/-

مزاحیہ کتابیں

رقص تماشائی — وجاہت علی سندیلوی — ۱۵/-
فکر تونسوی — چھلکے ہی چھلکے — ۲۵/-
فکریات ۱۲/- • پیاز کے چھلکے — ۱۵/-
نیکی کر تھانے جا — ابراہیم جلیس — ۱۱/-
اوپر شیروانی اندر پریشانی — " " — ۱۱/-
بالوں کا بادشاہ — عبدالمجید سہالوی — ۸/-
ہم سے چھنے — " " — ۱۲/-
مجتبیٰ حسین — جاپان چلو جاپان چلو — ۱۴/-
قطع کلام ۱۲/- • قصہ مختصر ۱۲/- • تکلف برطرف ۱۲/-
رسوا سر بازار — شفیق حسین — ۸/-
چشم غزال بستہ (شاعری) نواب چشم — ۱۴/-
مطلع عرض ہے ۱۰/- • دلدار نگار — ۱۴/-

جاسوسی ناول

• چھلاوہ جیمز ہالی کی لاجواب سرگزشت — ۵۰/-
• آقابا افریقہ کا جاسوسی ناول ۔ جابر یوسف — ۵۰/-
• غلام روحیں — شاہد علی — ۱۵/-
• ناگر تین حصے — ایم اے قریشی
(پاکستان کا مقبول ترین ناول) — ۹۰/-
• ابن صفی کے ناولوں کے مجموعے
• خلیفہ ۲۵/- • خمار قلب ۲۵/- • نقش صفی — ۲۰/-
• حصار سراج انور کا ناول — ۲۴/-
• غبار " " " — ۲۴/-
• ناول دیوتا کے پہلے چند حصے شائع ہوگئے
ہیں ۔ فی حصہ ۳۵/-

تاریخی ناول

نسیم حجازی کے ناول ۔ قیصر و کسریٰ — ۳۰/-
اور تلوار ٹوٹ گئی ۲۴/- • یوسف بن تاشفین — ۲۰/-
آخری چٹان ۲۵/- • قافلہ حجاز — ۲۵/-
کلیسا و آگ ۲۵/- • معظم علی — ۲۰/-
شاہین ۲۴/- • محمد بن قاسم — ۲۵/-
اندھیری رات کے مسافر — ۲۰/-
پاکستان سے دیار حرم تک (سفرنامہ) — ۱۰/-
داستان مجاہد — ۱۲/-

تاریخی افسانوں اور ناولوں کے مقبول ترین

مصنف الیاس سیتاپوری کی کتابیں

درویش زادی -/۲۵ • آبلہ پا -/۲۵
بلاطہ -/۱۸ • تلاش بہشت -/۱۲
شمع پروانہ -/۲۵ • آتش خاموش -/۲۵
سکندر نامہ -/۲۵ • جہاں آرا -/۲۵
غلام بادشاہ -/۲۵ • شعلہ و شبنم -/۲۵
پرواز خیال -/۲۵ • دیوتا کی بیٹی -/۲۰
شبستان ناز -/۲۵ • سازش -/۲۰

داستان ایمان فروشوں کی ۔ از التمش
صلاح الدین کے دور کی معرکۃ الآرا کہانیاں
کل ۵ حصے۔ اول -/۳۰ بقیہ چار حصے فی -/۲۵

دوسری تاریخی کتابیں

ہندوستان اسلام کے سائے میں
مولانا ماجد الحسینی -/۳۰
بارہ بنکی ۔ چودھری علی محمد زیدی -/۲۵
نواب صدیق حسن خاں ۔ جسمیں نہ صرف نواب صدیق حسن خاں کی سوانح و خدمات بلکہ بھوپال کے ثقافتی و تاریخی حالات بھی دیئے ہیں۔
رضیہ حامد کی گراں قدر معیاری کتاب -/۶۰
محاربہ کابل و قندھار -/۱۵

بچوں کی نئی کہانیاں

سراج انور تیس مار خاں -/۲ • بوتل کا قیدی -/۲
جادو کی آنکھیں -/۲ • بھیانک آنکھیں -/۲
ٹارزن کے دس نئے کارناموں کا سیٹ
پلاسٹک پیکٹ میں (کل -/۱۰)
بچوں کی کہانیوں کا پہلا سیٹ "غیبی امداد"
دس کہانیاں ۔ پلاسٹک پیکٹ میں ۔ -/۱۰
بچوں کی کہانیوں کا دوسرا سیٹ "شرارتی بندر"
دس کہانیاں ۔ پلاسٹک پیکٹ میں -/۱۰

چند منتخب شعری مجموعے

جاناں جاناں	احمد فراز	۹/۵۰
رقص مے	خمار بارہ بنکوی	-/۱۸
غزل	مجروح سلطانپوری	-/۱۰
آتش و نم	نشور واحدی	-/۳۰
ہبط جبریل (نعتیہ کلام)	مقصود لکھنوی	-/۳۰
خواب و خمار	سلام سندیلوی	-/۱۵
کلام فیض	فیض احمد فیض	-/۲۰
کلیات اقبال	———	-/۲۵
دیوان غالب	———	-/۴
تلخیاں	ساحر لدھیانوی	[illegible]
متاع سخن (انتخاب)	عبد الحق	[illegible]

عفّت موہانی

کے قلم سے ایک اور بے مثال ناول

"بے زبان"

ناشر

نسیم بک ڈپو۔ ۲۵ لاٹوش روڈ لکھنؤ

فون نمبر رہائش۔ ۲۳۳۵۴۔ آفس۔ ۲۴۵۵۹

ناشر:۔ نسیم انہونوی (بار اول [illegible]) طالع تامی پریس لکھنؤ

نہایت ہی پیار اور خلوص کے ساتھ

فہیم انہونوی

کے نام

جس کی سادگی، خلوص اور محبت
اور جس سے وابستہ لکھنؤ کی رفاقتیں
مجھے زندگی بھر یاد آتی رہیں گی۔

عفت موہانی

نویرہ کو اپنے کرایہ داروں کے رہن سہن میں ایسی کوئی خاص بات نظر نہیں آتی تھی کہ وہ ان سے بدظن ہو جاتی۔ وہ تو صرف یہی دیکھتی تھی کہ پڑوسن خالہ بہت زیادہ زندہ دل، خوش مزاج اور مجلس پسند ہیں! تنہائی انھیں کاٹنے کھاتی تھی۔ ان کے گھر میں ہمیشہ نوجوان لڑکوں اور نوخیز لڑکیوں کا جمگھٹا رہتا۔ ہنسی مذاق کی آوازوں کے ساتھ ساتھ کبھی کبھی ترقی پسند سازوں پر کسی صحت مند گلے سے نکلا ہوا چلتا قسم کا نغمہ بھی سنائی دے جاتا! نویرہ بھی ایسی ہی صحبتوں کو پسند کرتی تھی۔ زندگی میں ہنسی قہقہے اور خوش مزاجی نہ ہو تو وہ زندگی بھی کس کام کی۔ جیسے جی مرے ہوتے ہیں! وہ اپنی امی بیگم جعفری کی سنجیدگی، متانت، مُردہ دلی اور تنہائی پسندی کو قطعی اچھا نہیں سمجھتی تھی۔ امی نے نجانے کہاں کہاں کے غم سمیٹ کر اپنی ذات میں اکٹھا کر لئے تھے۔ تنہا مسکرانا تو انھیں آتا ہی نہ تھا۔ بلکہ وہ کسی ملنے جلنے والے سے بات تک کرنا نہیں چاہتی تھیں۔ اگر کبھی کبھار کوئی آجاتا تو وہ گودام کے کمرے میں چھپ کر ملازم سے کہلوا دیتیں کہ بیگم صاحبہ کہیں گئی ہوئی ہیں! نویرہ کو بھی اجازت نہیں تھی کہ وہ ترقی پسندی یا جدیدیت کا لیبل اپنی شخصیت پر چسپاں کر سکے! نویرہ میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ اس انتہا پسندی کی وجہ پوچھتی۔ ویسے بیگم جعفری نے کہا بھی تھا کہ وہ اس کی ماں ہیں اور نویرہ ان کی اولاد

بچی ہے۔ لہٰذا وہ جو کچھ کریں گی جو کچھ سوچیں گی۔ نویرہ کے حق میں بہتر ہوگا۔ ویسے
نویرہ اپنی ماں سے ڈرتی بھی تھی۔ دل ہی دل میں جھلستی رہی۔ مگر ماں سے پوچھنے
کی ہمت نہ کر سکی لیکن وہ اپنی ہمسایہ خالہ کو پسند بہت کرتی تھی۔ وہ تھیں بھی
ایسی ہی۔ عمر کے لحاظ سے وہ بڑھاپے کی طرف رواں دواں تھیں لیکن چہرے
کے اعتبار سے پرکشش، سرخ و سفید چکنی جلد، بڑی بڑی آنکھیں۔ باریک لب،
خضاب نے سر سیاہ کر کے ان کی عمر میں سے دس بارہ سال گھٹا دئے تھے!۔
اور جب وہ نوجوان قہقہہ باز لڑکوں لڑکیوں کے ساتھ بیٹھ کر خود بھی کسی
لطیفے پر قہقہہ لگاتیں تو ہرگز پتہ نہ چلتا یہ قہقہہ پینتالیس برس پرانے حلق
سے ابھرا ہے۔ نویرہ کو انھوں نے بہتیری بار اپنی طرف بلایا تھا لیکن وہ ماں
کے خوف سے جا نہ سکی۔ جعفری صاحب اس کے بہت بچپن میں ختم ہو چکے تھے
اسے اپنے باپ کی دھندلی سی شکل یاد تھی۔ اس کے بعد بیگم جعفری نے اسے
ماں باپ بن کر پالا تھا۔ ان کی مالی حالت بہت زیادہ بہتر نہ تھی۔ بس یہی
ایک دو منزلہ مکان ان کی گزر بسر کا ضامن تھا۔ جس کی اوپری منزل میں وہ
خود رہتی تھیں اور نیچے کی منزل جو خاصی کشادہ اور کئی کمروں پر مشتمل تھی۔
انہوں نے کرایہ پر دے رکھی تھی۔ ہر ماہ پانچ سو روپے کرایہ مل جاتا تھا
کبھی اس کے علاوہ وہ گھر پر بڑی جماعتوں کے طالب علموں کا ٹیوشن لیتیں
اور اس طرح مزید آمدنی ہو جاتی۔ وہ ایک ماہر دستکار بھی تھیں۔ ان کی
بنائی ہوئی دیدہ زیب باسکٹیں، پردے، گلدستے اور کشن وغیرہ بہت
اچھی قیمتوں پر فروخت ہو جاتے تھے۔ ان کا رہن سہن بہت سادہ تھا۔ وہ
نہایت سادہ اور معمولی لباس پہنتیں۔ سیدھا سادھا لباس بیٹی کو بھی پہناتیں
خوراک بھی پُر تکلف نہ ہوتی۔ وہ لڑکی کے جہیز کے لئے اعلیٰ سے اعلیٰ سامان

جوڑ رہی تھیں اور فی الحال عمدہ رشتے کی تلاش میں تھیں۔

نویرہ نے پندرہ سال کی عمر ہی میں میٹرک کر لیا تھا پھر وہ ہزار ضد کرتی رہ گئی کہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرے گی لیکن انہوں نے اسکی ایک نہ سُنی۔ بولیں۔

"بیٹی میں نہیں چاہتی کہ کالج کے زہریلے جراثیم لڑکیوں کی گفتگو کے ذریعہ تم میں بھی سرایت کر جائیں۔ تم میری ایک اولاد ہو تمہی کو اچھا بننا ہے۔ لڑکیوں کے لئے گھر کی چار دیواری سے بڑھ کر محفوظ جگہ اور دوسری کوئی نہیں ہے۔"

"امی آپ کی بھی باتیں" وہ تنک اُٹھی۔ "آخر لڑکیوں کے کالج پھر کس مرض کی دوا ہیں کیا ساری ہی لڑکیوں میں زہریلے جراثیم سرایت کر جاتے ہیں!"

"کسی لڑکی سے مجھے کیا سروکار بیٹی۔ میں تو سب کے لئے دُعا گو رہتی ہوں۔ لڑکی خاندان کی ناک ہوتی ہے۔ اسے کسی حال میں کٹنا نہیں چاہئے۔ بھیں تو وہ ہونقوں کی طرح ان کا منھ تکتی رہی۔ وہ مسکرائیں۔

"تم کالج جاؤ گی، تمہاری سہیلیاں بنیں گی، تم نہیں جانوگی کون سی سہیلی اچھی ہے کون سی بُری۔ پھر وہ تمہیں اپنے ساتھ پکچر لے جائیں گی تم وہاں نہایت مخرب اخلاق سبق سیکھو گی یاد رکھو نوی۔ دنیا بھر کے گناہوں کا سرچشمہ فلم ہے!۔ فلم سے دُور رہو گی۔ ہر بُرائی سے محفوظ رہو گی!!"

اس نے ایک لمبی سی سانس لی تھی اور سوچا تھا کہ خدا نہ کرے کہ کوئی امی کا سا قدامت پرست اور دقیانوسی ہو۔

اس قفس نما گھر میں اسے خالہ رباب کی ذات نعمت غیر مترقبہ لگتی۔ وہ اگر نہ ہوتیں یا پھر کسی ایسے ہی غائب دماغ آدمی نے یہاں بسیرا کر لیا ہوتا جیسی امی ہیں تو پھر کیا ہوتا۔ دماغ پر پھپھوندی جم جاتی!۔

جب گلی سے نیچے سے ہاؤ ہو کے نعرے سنائی دیتے وہ بے چین ہو جاتی۔

اگر گانے بجانے کی محفلیں ہوتیں تو وہ مچھلی کی طرح تڑپتی۔ کیسے جائے نیچے کیونکر شریک ہو ان محفلوں میں جو زندگی سے لبالب ہیں!۔
اس وقت بیگم جعفری کے بارعب اور پاکیزہ چہرے پر بڑے کرب کے آثار نظر آتے۔ ان کے لب تنفر آمیز انداز میں کھنچ جاتے، پیشانی پر شکنیں پڑ جاتیں اور وہ ایک بیقرار روح کی طرح کمرہ کمرہ پھرا کرتیں اور کبھی کبھار نویرہ ان کی خود کلامی صاف سنتی "کاش مجھے پہلے سے پتہ ہوتا۔ میں انھیں کیسے نکالوں۔ میرے گھر میں بچی ہے۔ میں اکیلی ہوں۔ خدا ہم پر رحم کرے۔ خدا ان لوگوں سے نجات دے!"
اگر نویرہ پوچھتی "کیوں امی۔ آخر کیا کیا ہے خالہ رباب نے۔ وہ ہم سے کتنی دور رہتی ہیں۔ آپ انھیں پسند کیوں نہیں کرتیں" تب وہ زیادہ بے چین ہو جاتیں۔
"تم نہیں جانتیں۔ نوتی۔ میں تمہیں کیا بتاؤں۔ وہ کس قماش کی عورت ہیں۔ کیا ان کے ہاں کے لگنے والے بے باک جمگھٹوں اور گانے بجانے کی محفلوں سے بھی تم کوئی اندازہ نہیں لگا سکتیں؟"
"کیوں نہیں امی!"
"بتاؤ!"
"خالہ رباب مجلس پسند اور بے حد زندہ دل ہیں۔"
اور بیگم جعفری کے چہرے پر طنز آمیز مسکراہٹ بکھر جاتی۔ وہ کچھ نہ بولتیں۔ ایک بات البتہ نویرہ کے لئے حیرت کا باعث تھی کہ یہ بات بیگم جعفری کو معلوم نہ ہو۔ وہ اس قسم کی تاکید بھی تو کرتی تھیں۔
"چپکی چلی آؤ" خالہ رباب کہتیں "تمہاری امی کو پتہ نہ چلے۔

خواہ مخواہ روڑے اٹکاتی تھی گی۔ بڑی مُردہ دل ہیں چاہتی ہی نہیں کہ تم کہیں گھومو پھرو۔ اپنے ہم عمر ساتھیوں سے مِل جُل کر ہنسو بولو۔ یہ تو بڑا ظلم ہے۔"

"امی کو پتہ ضرور چلے گا۔" وہ بس یہی کہہ دیتی۔

"جب وہ بازار سے اپنی صنعت کاری کا سامان لینے جائیں۔ تم چلی آیا کرو۔"

"آپ ان سے اجازت کیوں نہ دلوا دیں۔"

"ہزار بار درخواست کی۔ انھوں نے میری بات ٹال دی۔"

"کیوں۔"

"میں کیا جانوں۔!"

نویرہ اپنی امی کو ظالم اور سخت گیر سمجھنے لگی۔ بھلا خالہ رباب کے ہاں کون سے شیر بھیڑیئے تھے جو دن دہاڑے اسے چٹ کر جاتے!

ویسے دونوں خواتین میں خاصی رسم و راہ تھی۔ خالہ رباب اوپر آتیں اور دیر تک بیگم جعفری سے باتیں کیا کرتیں۔ نویرہ اتنا تو بخوبی پہچانتی تھی کہ خالہ رباب کے انداز میں خلوص ہوتا تھا جبکہ وہ ماں کا مصنوعی اخلاق صاف تاڑ جاتی۔ اسے افسوس ہوتا۔ امی اتنی کم آمیز، کم سخن اور مردم بیزار کیوں تھیں؟

رفتہ رفتہ اس کے دل و ذہن میں باغیانہ اور جارحانہ خیالات سر اٹھانے لگے! وہ بیس سال کی پڑھی لکھی ہوشمند لڑکی تھی۔ ناسمجھ بچی نہ تھی۔ امی آخر کب تک اُسے بھونرے میں رکھیں گی؟

اس کی عمر ایسی ہی تھی کہ ہر تفریح، ہر نغمہ، ہر قہقہہ ــــ اور ہر

پرکشش چہرہ اسے پہروں متاثر رکھتا تھا! وہ اپنے گھر، ماحول اور ماں سے بیزار رہنے لگی تھی!۔

اب وہ کتابیں اس کا دل نہ بہلا سکتیں جو اسے بے حد عزیز تھیں! وہ اپنے کمرے میں تنہا پڑی نجانے کیا کچھ سوچا کرتی!

اس سہ پہر موسم بے حد سرد تھا! آسمان گہرے بھورے بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ سرد ہوائیں برفیلے تیر بن کر جسموں میں پیوست ہو رہی تھیں۔ چھوٹے سے باغ پر خزاں منڈھ گئی تھی۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے ایک ٹھنڈا دن کائنات پر منجمد ہو کر رہ گیا ہو۔ وہ بے حد اداس اور افسردہ سی اپنی چوڑی کھڑکی کے سامنے بیٹھی تھی اور سوچ رہی تھی کہ جلد سے جلد یہ زرد دھوپ بھی غائب ہو جائے۔ جو بادلوں کے رخنے سے زمین پر چھن رہی ہے اور موسم کی اداسی میں اضافے کا باعث بن رہی ہے۔ تب وہ رات کا کھانا کھائے اور لحاف میں گھس کر میٹھی بے خبر نیند سو جائے! لیکن اچانک بادلوں کا گہرا غبار ہواؤں میں تحلیل ہو گیا اور ایک بار پھر سنہری دھوپ ٹھنڈے ٹھنڈے در و دیوار پر لرزنے لگی!

دروازہ کھلا۔ بیگم جعفری اپنی قیمتی اونی شال کندھوں سے لپیٹے کمرے میں آئیں! اپنے سفید لباس اور ہلکی آسمانی شال میں وہ بے حد مغموم اور تھکی ہوئی لگ رہی تھیں۔ نویرہ اٹھ کھڑی ہوئی وہ جانتی تھی کہ ان کے شال لپیٹنے کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ وہ کہیں باہر جانے والی ہیں! انہوں نے غیر ضروری تمہید کے بغیر کہا: "میں کچھ سامان لانے سلطان بازار تک جا رہی ہوں۔ جلد ہی چلی آؤں گی۔ تم میرے جانے کے بعد زینے کا دروازہ ٹھیک طرح بند کر لینا کہیں؟"

"جی۔ !"

"اگر ماما آئے تو کہہ دینا کہ صبح کو آئے۔ دوپہر کا قورمہ رکھا ہے۔ ہم کھانے کے وقت خود ہی روٹیاں ڈال لیں گے۔"

"جی !"

"آؤ۔ دروازہ بند کرلو۔ !"

وہ اپنے گرم کارڈیگن کی آستینیں کلائیوں پر کھینچتی ہوئی ان کے پیچھے پیچھے چلی گئی۔ عجیب سی بے حسی اس پر طاری تھی۔ اس نے بیگم جعفری کو زینے اترتے سُنا۔ مگر یہ نہیں دیکھا کہ وہ کب چلی گئیں۔ سب سے اوپری زینے پر پر کھڑی آس پاس چوکھٹ پر ہاتھ ٹیکے وہ یہ دیکھ رہی تھی کہ چھوٹے سے کمپاؤنڈ میں متواتر اسکوٹر، رکشے اور آٹو آرہے تھے! کیا بات تھی آج کیا مسز رباب کے ہاں کوئی تقریب تھی۔ مگر انھوں نے کوئی تذکرہ نہیں کیا تھا۔ صبح ہی کو کرایہ دینے آئی تھیں اور دیر تک بیٹھی اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہی تھیں ـــ!

دفعتۃً اس نے چونک کر پلکیں جھپکائیں۔ صدر دروازے سے ایک خوبصورت کار کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہی تھی !۔

وہ دروازے کے پیچھے ہو گئی اور آہستہ سے جھانکا۔ کار علین زینوں کے سامنے رک گئی تھی۔ پھر دروازہ کھلا اور ایک آدمی نیچے اُترا۔

"اُو۔ !" بے ساختہ نویرہ کے لب کھل گئے۔

کیسا شاندار آدمی تھا۔ اونچا قد، چوڑی پشت، پرکشش چہرہ، کتھئی رنگ کے گرم سوٹ میں وہ زیادہ بھاری بھرکم لگ رہا تھا!۔

کتنا حسین آدمی ہے! نویرہ کا دل دھڑکا لگا مگر ... دو کو ...

مسز رباب سے اس کا کیا رشتہ ہے؟۔
دفعتہً اس شخص کی نظر زینے کی طرف اٹھ گئی۔ حالانکہ نویرہ اوٹ میں تھی مگر سہم گئی اس نے جلدی سے پیچھے ہٹ کر دروازہ بولٹ کر دیا اور بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں آگئی ــــ اسے یقین تھا کہ اس آدمی نے اسے ضرور دیکھ لیا تھا۔ اس کا دل طوفان میل بنا ہوا تھا!
نجانے کون سا وقت تھا۔ دروازے پر کسی نے گھنٹی بجائی۔ امی اتنی جلدی چلی آئی ہیں۔ اس نے بھاگ کر بولٹ گرایا۔ مگر کھلے دروازے میں مسز رباب کو دیکھ کر سہم گئی۔
وہ مسکرا رہی تھیں "مسز جعفری مجھ سے کہہ گئی ہیں کہ دو ڈھائی گھنٹے سے پہلے نہیں آئیں گی! بڑا اچھا موقعہ ہے۔ آؤ۔ میرے ساتھ چلو۔ میں تمہیں سب سے ملاؤں۔ اچھی کمپنی میں اٹھنا بیٹھنا تمہارا بھی حق ہے۔ مسز جعفری تمہیں اس عمر میں بوڑھی کر دیں گی۔ چلو ڈرو مت۔ اگر وہ کچھ کہیں گی تو میں انہیں جواب دے لوں گی۔ ارے۔ یہ تمہاری امی کیسی مسلمان ہیں اتنا بھی نہیں جانتیں کہ پڑوسیوں کے حقوق کیا ہیں؟"
"لیکن!"
"کچھ نہیں" مسز رباب نے کہا اور اپنی کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالی۔
"اب سوا پانچ بجے ہیں۔ تمہاری امی سات بجے تک آئیں گی۔ میں تمہیں جلد ہی یہاں پہونچا دوں گی۔ جلدی سے لباس بدل لو۔ ویسے یہ بھی نامناسب نہیں۔ تم ہر لباس میں حسین لگتی ہو۔ گلاب کی ادھ کھلی کلی!"
وہ مسکرا بھی تک نہیں۔ دوگونہ عذاب اس پر مسلط تھا۔ ماں کا خوف، خالہ کی حسین محفل میں شرکت کی خواہشیں۔

پھر وہ خود کو روک نہ سکی چپکے سے بولی "آپ صدر دروازہ بند کرا دیجئے جیسے ہی امی آئیں گی میں یہاں بھاگ آؤں گی۔ میں امی کو ناراض کرنا پسند نہیں کرتی ۔۔۔ !"

مسز رباب کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ انھوں نے اپنے ملازم کو آواز دے کر صدر گیٹ بند کرنے کا حکم دیا اور نویرہ کا ہاتھ تھام کر زینے اترتی چلی گئیں۔ نیچے ہال میں پہونچ کر نویرا چکرا گئی۔ یہاں کا ماحول عجیب سا تھا۔ اس بڑے ہال میں کئی کرسیاں بکھری ہوئی تھیں۔ ان پر مرد اور عورتیں سب ہی بیٹھے تھے۔ ہال میں سگریٹ کی مہک چکراتی پھر رہی تھیں۔ مختلف قسم کے عطر کی مہک رچ رہے تھے۔ نجانے کس بات پر وہاں سریلے اور گونجدار قہقہے لگ رہے تھے۔ مسز رباب اور نویرہ کو دیکھ کر سب یکبارگی چپ ہوگئے!

نویرہ جو اس قسم کی محفل کی عادی نہ تھی مسز رباب کے پہلو سے چپک گئی۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں وہ حیرت و خوف کے مارے بیہوش ہوکر گر نہ پڑے!

"اوہ ۔۔۔ مسز رباب۔ یہ نئی فاختہ آپ کہاں سے پکڑ لائی ہیں!" نجانے کس لڑکی نے بڑا بیباک قہقہہ لگایا۔

"فاختہ !" نویرہ کا دل دھک سے رہ گیا "کتنی بدتمیز لڑکی ہے"

"نان سنس!" مسز رباب نے جھڑک کر کہا۔ "یہ کیا بیہودگی ہے۔ ارے یہ میری بھانجی ہے۔ مس نویرہ جعفری۔!" اور پھر اس سے بولیں۔

"بیٹی۔ تم برا نہ ماننا!" انھوں نے اس کی پیٹھ تھپکی۔ "یہ بے تکلفوں کا مجمع ہے۔ جب تم سب میں گھل مل جاؤگی تو ایسے فقروں پر کان نہ دھروگی آؤ۔ بیٹھ جاؤ۔ تھوڑی دیر میں گانا بجانا ہوگا۔ وہ سن کے چلا جانا ہے"

"جی !" اس نے بمشکل حلق سے آواز ابھاری۔

سنجانے کس لڑکی نے اس کا ہاتھ تھاما اور اسے اپنے پاس بٹھالیا جب وہ لوگ اپنی باتوں میں مشغول ہوگئے اور رہال مچھلی بازار بن گیا تب ڈرتے ڈرتے نویرہ نے پلکیں اٹھائیں۔ یہاں وہاں کتنی لڑکیاں تھیں۔ نویرہ حیران تھی اسے شرم بھی محسوس ہو رہی تھی۔ ان لڑکیوں نے کیسا بیہودہ لباس پہن رکھا تھا۔ کسی کے اسکرٹ میں آستینیں ہی نہ تھیں اور پنڈلیاں عریاں تھیں۔ کسی کے بالائی جسم پر چار انگل کا بلاؤز تھا اور ساڑی کمر کے آخری جوڑ پر ٹکی ہوئی تھی۔ کسی نے تھا گھرا اور بدن پر بالشت بھر کی چٹ لپیٹ رکھی تھی! وہ کپکپا گئی۔ کسی جسم پر بھی پورا لباس اور گرم کپڑا نہیں۔ کیا ان کے اندر آگ جل رہی تھی؟ موسم کی زیادتی ان پر اثر انداز نہیں ہو رہی یہ وہ تو گرم کارڈیگن میں بھی کانپ رہی تھی!۔

اس نے ان سبھوں کے ہاتھ میں نرم و نازک خوبصورت کانچ کے پیمانے دیکھے ان میں غالباً سادہ چائے تھی۔ نویرہ نے سوچا یا پھر کافی ہوگی۔ مسز رباب نے دودھ کے بغیر کافی اور چائے کا انتظام کیا ہے۔ ارے۔ وہ اس سے کہتیں۔ وہ کنڈنسڈ ملک کا پورا بھرا ڈبہ انھیں دے دیتی۔ آخر پڑوس کا اتنا سا حق تو ہوتا ہی ہے!۔

اس کی نظر ایک ایک پر سے ہوتی بے ارادہ اس گوشے کی طرف چلی گئی۔ اسے برقی جھٹکا سا لگا!

وہ آدمی وہی تو تھا جو اس کے سامنے گاڑی سے اترا تھا اور اُدھر چپ چاپ بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا اس نے یوں آنکھیں سمیٹ رکھی تھیں جیسے سگریٹ کا دھواں لگ رہا ہو۔۔ لیکن نویرہ کو یہ انداز بڑا خوفناک لگا۔ اس نے ایک مرتبہ چڑیا گھر میں ایک شیر ببر دیکھا تھا جیسے بہت سے

لوگ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر گھور رہے تھے۔ لیکن وہ ان تماشبینوں کو یونہی بالکل اسی طرح اپنی خونخوار آنکھیں نیم باز کر کے دیکھ رہا تھا۔

وہ شیر قید تھا۔

یہ آزاد ہے۔

اس نے ایک دفعہ پھر اُدھر دیکھا اور دم بخود رہ گئی۔ وہ اسی کو گھور رہا تھا اس کی گرم نگاہیں اُسے جھلسے دیتی تھی۔ یکبارگی وہ نروس ہو گئی اسے یوں لگا جیسے وہ اس کرسی پر سے اب ہل بھی نہ سکے گی۔

"کافی!" مسز رباب کی آواز سن کر وہ ہوش میں آئی اور ان کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ مسکرا رہی تھیں۔

"مم۔ مجھے۔ اب جانے دیجئے!" وہ ہکلائی۔

"ہائیں۔ ابھی سے کیسے؟" وہ بولیں "گانا تو تم نے سنا ہی نہیں۔ لو کافی پی لو!"

کافی کی پیالی ان کے ہاتھ سے لیتے ہوئے اسنے کہا "یہ کیا۔ آپ نے ان سبھوں کو بے دودھ کی کافی دی ہے مگر میری کافی میں دودھ ــــ!"

"وہ اسی کے عادی ہیں" مسز رباب نے خشک لہجے میں کہا اور پھر وہاں سے ہٹ کر ہال کے گوشے میں چلی گئیں۔

پیانو کی دلکش صدا پر مُڑ کر نویرہ نے دیکھا۔ مسز رباب پیانو بجا رہی تھی۔ ایک خوبصورت دُبلی پتلی سی لڑکی جس نے جینز اور جرکن پہن رکھی تھی۔ اُٹھ کر خواہ مخواہ ہال میں تھرکنے لگی۔ دوسری پیانو سے ٹک کر کھڑی ہو گئی۔ اور کوئی انگریزی سونیٹ عجیب سے لہجے میں گانے لگی جس کا ایک لفظ بھی نویرہ کے پلے نہ پڑا۔

فضا کا دیر میں کوئی اور ساز بھی تھے۔ کورس تھا شاید عجیب سا ہو حق تھا
کہ نویرہ کے ہوش گم ہونے لگے!

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ طوفان بے تمیزی دیکھ رہی تھی۔ دفعتاً اس نے
اُس لمبے تڑنگے خونخوار سے آدمی کو اپنی جگہ سے اٹھتے دیکھا۔ ایک بار پھر سردی
کی لہر نویرہ کے جسم میں پھر گئی!

وہ اس کے پاس پڑی کرسی پر آبیٹھا۔ اس کے حواس گم ہونے لگے۔ یہ
پہلا اتفاق تھا کہ ایک اجنبی مَرد اس طرح اس کے پاس بیٹھا تھا کہ اس کے
لباس سے اُٹھنے والی مہک نویرہ کے نتھنوں میں جلن پیدا کر رہی تھی۔ اس
کے ہونٹوں سے آتی ہوئی سگریٹ کی خوشبو نویرہ برابر محسوس کر رہی تھی!
اگر وہ ذرا آگے سرکتی تو اس کے زانو اجنبی کے زانوؤں سے ٹکرا جاتے ـــــ
پھر آتشبازی سی اس کی آنکھوں کے آگے چھوٹنے لگی۔ ایسی تیز روشنی تھی کہ
جیسے گہرا اندھیرا چھا گیا ہو ـــ! اس کا دل پورے جسم میں ٹھوکریں کھاتا
پھر رہا تھا ـــ!

"کیا نام بتایا تھا تمہارا مسز رباب نے؟" اجنبی کی بھاری گونجدار
آواز نویرہ کے کانوں سے ٹکرائی اور اُسے غصّہ آگیا۔ ارے یہ ہوتا کون
ہے اسے "تم" کہہ کر مخاطب کرنے والا ـــ؟ کیا وہ کوئی گری پڑی لڑکی ہے؟
یک بیک اس میں کوئی ہمّت آگئی۔ اس نے چہرہ پھیر لیا۔

"لڑکی! میں کیا پوچھ رہا ہوں؟" لہجہ اب کی دفعہ اور خراب تھا۔
اچانک نویرہ چیخی "مسز رباب۔ میں جا رہی ہوں۔ مجھے کسی کی بدتمیزی،
بد اخلاقی پسند نہیں ہے۔ یہ ہوتے کون ہیں مجھے لڑکی کہہ کر مخاطب کرنے
والے ـــ یہ کیا آپ کے ملنے والے ایسے ہی بدتمیز ہیں؟" وہ کھڑی ہو گئی۔

ساز بند ہو گئے اور سناٹا چھا گیا۔ مسز رباب بھاگتی ہوئی آئیں۔ لڑکیوں اور مردوں نے ہال میں نیم دائرہ سا بنا لیا۔ سب کی نظریں اسی پر تھیں۔

"کیا ہوا۔ کیا بات ہے؟" مسز رباب بوکھلائی ہوئی پوچھ رہی تھیں۔

"مسٹر عاطر پلیز بتائیے! کیا ہوا ہے؟"

"کچھ نہیں!" مسٹر عاطر نے سگریٹ کا ٹکڑا فرش پر پھینک کر اس پر اپنا بھاری بھرکم بوٹ رکھ دیا اور بے حد بھاری آواز میں کہا: "تعجب ہے آپکی کمپنی میں یہ بھڑکی ہوئی ہرنی کہاں سے گھس آئی ہے۔ ویری انٹرسٹنگ نے سیدھی سادی جلدی سے لڑ دینے والی مخلوق سے تو روزانہ سابقہ پڑتا رہتا ہے۔ لیکن یہ جانور، دلچسپ ہے۔!" وہ بہت زور سے ہنسا۔ مسز رباب کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

"مسٹر عاطر۔ آپ سمجھے نہیں۔ یہ میری مکاندار کی لڑکی ہے اور آپ یقین کیجیے کہ اس قسم کی سوسائٹی سے قطعی ناواقف ہے اگر اس نے کوئی بات نامناسب کی ہو تو میں اس کی طرف سے معافی مانگتی ہوں۔"

"نہیں نہیں۔!" وہ مسکرانے لگا۔ "معافی وغیرہ کی کوئی بات نہیں۔ ان کی یہ ادائے بے خبری بہت ہوشربا ہے۔ میں یہ سوچ رہا ہوں کہ اکیلے میں یہ کس قدر مزیدار اور پُرلطف ثابت ہوگی!"

نویرہ یہ عجیب سی گفتگو سُن رہی تھی اور دم بخود تھی۔ اُسے تو اُمید تھی کہ اس کا نام نہاد خالہ رباب اس بدتمیز شخص کو سرزنش کریں گی۔ نہ کہ وہ تو اُلٹے معافی مانگنے لگیں؟ یہ بات نویرہ کی سمجھ میں نہ آئی۔

"تو جنگلی قسم کی لڑکیاں مجھے بہت پسند ہیں۔" وہ کہہ رہا تھا۔

"مسز رباب آپ کی یہ جنگلی بلی مجھے بہت پیاری لگی ہے!"

وہاں جتنے لوگ موجود تھے۔ وہ سب ہنسنے لگے۔ نویرہ کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔ "جنگلی بلی" کتنی توہین آمیز بات تھی۔ وہ رو پڑی "مسز عاطر میں آپ سے پھر بات کروں گی!" گویا کہ بوکھلا کر مسز رباب نے کہا اور نویرہ کا ہاتھ پکڑ کر بولیں۔ "آؤ۔ بیٹی۔ چلیں۔ شاید تمہاری امی بھی آتی ہوں ___ !"

ان کے جانے کے بعد ایک لمحہ کی خاموشی رہی پھر ایک لڑکی ہنسنے لگی۔ اور بڑے مزے لے لے کر بولی۔ "سچ مچ۔ عجیب تھی۔ جیسے بُدھ کے تہہ خانے میں پلی ہو۔ میں نے سُنا تھا۔ وہ مسز رباب سے پوچھ رہی تھی۔ ہم سب سادی چائے کیوں پی رہے ہیں؟ پور لٹل گرل ___ !"

"واقعی ___ ؟"

"ہاں ___ !" وہ سب پھر ہنسنے لگے!!!

بیس سال کی عمر میں بیگم جعفری بیوہ ہو گئی تھیں۔ نویرہ بمشکل چار برس کی تھی۔ اُن دنوں بیگم جعفری اتنی ہی دلکش تھیں کہ ان کے لئے کئی پیغام آئے۔ لوگ ان کی بچی کو قبول کرنے پر بھی تیار تھے لیکن انہوں نے گوارا نہ کیا۔ کئی ہمدردوں نے خیر خواہی کے پردے میں بدخواہی بھی کرنی چاہی۔ مگر وہ اتنی سوجھ بوجھ تو رکھتی ہی تھیں کہ خلوص اور منافقت میں تمیز کر سکیں۔ اپنا خلوص انہوں نے اتنا خشک اور الگ تھلگ رکھا تھا کہ اکثر

رشتہ دار ان کے مخالف ہو گئے تھے۔ اب ان کا اپنا کوئی دکھ سکھ برے
بھلے میں کام آتا۔ سسرال والے برسوں سے علیٰحدہ ہو چکے تھے۔ اب بھی
[illegible] ضعیف ساس سسر زندہ تھے۔ نندیں تھیں۔ دیور تھے! لیکن کوئی
ان سے یا یہ کسی سے ایسا خاص ربط ضبط نہیں رکھتی تھیں۔ وجہ یہ تھی
کہ ایک زمانے میں ان کی ساس نے ان پر زور دیا تھا کہ وہ جعفری صاحب
کے بعد ان کے دوسرے بیٹے عرفانی سے نکاح کر لیں۔ اس طرح انھیں
جائداد کا بٹوارہ نہ کرنا پڑتا اور وہ بڑا مکان بھی انھیں دینا نہ پڑتا
جو زندگی میں جعفری صاحب نے بیوی کے نام کر دیا تھا! لیکن جعفری
صاحب کے بعد ان کی بیوی کا دل دنیا سے ایسا سرد ہوا کہ پھر وہ نکاح پر
کسی طرح آمادہ نہ ہوئیں۔ اس سلسلے میں کچھ جھگڑا بھی ہو گیا۔ بیگم جعفری
اپنی بچی کو لے کر الگ ہو گئیں پھر انہوں نے کوئی واسطہ کسی سے نہ رکھا۔
یہی وجہ تھی کہ ان کی سسرال میں نہ ان کا نام لیا جاتا نہ پھر انہوں نے اپنے
کسی سسرالی عزیز کو یاد کیا۔ نویرہ جانتی تھی کہ اس کا ددھیالی کنبہ بہت
بڑا ہے۔ لیکن سوائے کسی خاص روز کے وہ جاتی نہیں تھی۔ بیگم جعفری
ڈرتی تھیں کہ کہیں کوئی نند یا دیور وغیرہ اسے اپنے بیٹے کے لئے نہ مانگ
لیں اور پھر نویرہ سے وہ ماں کا انتقام لیں۔ ایسے واقعات انھیں
معلوم تھے۔ انھیں اندیشہ لگا ہی رہتا تھا۔ کوئی دن جاتا ہے کہ کوئی نہ
کوئی نویرہ کا رشتہ لے کر آئے گا اور پھر پرانا جھگڑا تازہ ہو جائے گا۔!
ویسے ان کی بڑی نند کا لڑکا اکثر ان کے ہاں آنکلتا تھا۔ نویرہ
سے کئی سال بڑا تھا۔ اسے خاندانی چپقلش کا اچھی طرح پتہ تھا۔ لیکن
اس نے ان معمولی باتوں پر کبھی دھیان نہیں دیا۔ بیگم جعفری جانتی تھیں کہ

اس کا منہ چڑھا کیا تھا۔ اس نے باتوں باتوں میں بہتیری دفعہ کہا تھا کہ معمولی اختلافات کو سنجیدہ کر کے آپس میں اس طرح کا قطع تعلق کر لینا دانشمندی نہیں۔ اپنے پھر اپنے ہوتے ہیں! پتہ نہیں کس پر کیسا وقت کب پڑ جائے! لہٰذا سب کا مل جل کے ساتھ ساتھ رہنا اچھا۔ بیگم جعفری اس کا مطلب سمجھتی تھیں۔ وہ نویرہ کو اپنانا چاہتا تھا۔ اس کا مطلب یہی تھا پھر بیگم جعفری بھی اپنے سسرال چلی جاتیں۔ گویا ماں بیٹی کی سسرال ایک ہی ہوتی ہے!

جب بھی وہ آتا بیگم جعفری نہایت پرتپاک خیر مقدم کرتیں۔ کھلانے پلانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتیں۔ لیکن جب تک وہ بیٹھتا خود بھی پاس بیٹھی رہتیں اور ہرگز اس کا موقعہ نہ دیتیں کہ نویرہ اور ثاقب آپس میں بات چیت کر سکیں۔ بیگم جعفری کی یہ حرکت ثاقب کو بہت ناگوار گزرتی۔! لیکن اس نے کبھی ظاہر نہیں کیا تھا کہ وہ صرف نویرہ کی خاطر آتا تھا۔! نویرہ خوب سمجھتی تھی۔ ثاقب کو اپنی مامی سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ وہ اسی کی وجہ سے آتے ہیں۔ لیکن اس کی اتنی سی مجال بھی نہ تھی کہ ثاقب کے رہنے تک ان کے سامنے بیٹھ سکتی۔! لیکن اپنے کمرے میں چھپ کر ثاقب کو دیکھنے سے اُسے کس نے روکا تھا!

ثاقب کی نشست مخصوص تھی! وہ ہمیشہ ریڈیو کے پاس والی کرسی پر بیٹھتے اور یہ کرسی نویرہ کے کمرے کے عین سامنے تھی! ثاقب نے کبھی نہیں سوچا کہ نویرہ انہیں چھپ چھپ کر جھانکتی ہوگی لیکن وہ جب بھی سامنے آتی کبھی پانی لے کر کبھی چائے لے کر۔ تب ان کا دل تیز تر رفتار سے دھڑکنے لگتا! کیسی پیاری لڑکی ہے۔ جیسے کوئی ننھا مہتاب

پودا ہو جیسے آفتاب کی حرارت بخش دھوپ اور تازہ ہوا سے محروم رکھ کر کسی
اندرونی کمرے میں پروان چڑھایا ہو۔ جہاں نہ تو دھوپ ہے نہ ہوا پودے
کی نشوونما متاثر ہو رہی ہو! زرد چہرہ، مایوس انداز، لبوں پر خاموشی کی
مہر، سہمی سہمی سی عجیب لڑکی ہے۔ ماں نے اس پر کتنا ظلم کر رکھا ہے!
مگر وہ دل ہی دل میں گھٹ گھٹ کر رہ جاتے۔ کچھ کہہ نہ سکتے۔

بیگم جعفری نے اپنی انتہا پسندی کے نقصانات پر کبھی غور نہ کیا۔ لڑکی کو
انہوں نے احتیاط سے ایک آہنی خول میں بند کر رکھا تھا۔ اسے دنیا کی ہوا
نہ لگنے دی تھی۔ یہ نہ سوچا تھا کہ اسے بھی دنیا کی اونچ نیچ سے باخبر کرنا چاہئے
تو یہ صرف ان اچھائیوں کو جانتی تھی جو اس میں اور اس کی ماں کی
فطرت میں پائی جاتی تھیں ان برائیوں سے وہ بالکل ناواقف تھی جو
دنیا کے لوگوں میں پائی جاتی تھیں وہ دنیا والوں کو فرشتے اور حوریں
سمجھے ہوئے تھی۔۔!

لیکن اچانک اس کی دنیا میں ایک بڑا سنسنی خیز انقلاب آیا۔ ایک
غیر مرد کے قرب کا حادثہ ایسا معمولی نہیں تھا جسے نویرہ فراموش کر سکتی! وہ
مبہوت تھی۔ رہ رہ کر اس کے جسم میں سردی سی بھر جاتی اور ساتھ ہی چہرہ
جلنے لگتا!۔ وہ کیسی عجیب سی محفل تھی۔ کیسے لوگ تھے وہ۔ کیسا بے باک
تھا وہ آدمی جس نے اسے جنگلی بلی کہا تھا۔ اسے یک بیک غصہ آجاتا
کاش وہ اس بدتمیز انسان سے بدلہ لے سکتی۔ کم سے کم اسے بھیڑیا کہہ سکتی!
اور یہ کہہ سکتی کہ اسے [illegible] آخر تم نے ایک شریف
لڑکی کو سمجھا کیا ہے؟ لیکن یہ کچھ [illegible]۔ اپنی بے بسی اور انتقام نہ
لے سکنے [illegible]
[illegible]

پڑھتا۔ آخر انھوں نے اُس بد اخلاق بد تمیز آدمی کو بُرا بھلا کہنے کی بجائے
اس سے معافی کیوں مانگی تھی؟
اس کے بعد سے خالہ رباب کبھی کسی کام سے اوپر نہیں آئی تھیں۔ تاکہ
وہ کسی طرح ان کے نامناسب رویے کی وجہ دریافت کرسکتی! بس وہ
چپ چاپ غم کھانے لگی! اور زیادہ گم صم ہوتی گئی!
دو ایک دن بیگم جعفری نے اس کی یہ نئی گمشدگی برداشت کی اور
پھر ایک روز وجہ پوچھی ــــ! نویرہ یوں ہڑبڑا سی گئی جیسے ناقابل
معافی جرم کرتی پکڑی گئی ہو۔ چہرہ سفید ہوگیا اور وہ ماں کو اس طرح
دیکھنے لگی جیسے اپنے لئے تعزیر وہاں دیکھنا چاہتی ہو۔
"گھنٹوں کھڑکی میں بیٹھی رہتی ہو۔ آخر یا الامارے باغ نامراد میں
ہے کیا؟ میں تمہارے لئے شوکت تھانوی اور شفیق الرحمٰن کی کتابیں
لائی تھی۔ تم نے غالباً وہ بھی نہیں پڑھیں۔ بتاؤ مجھے کیا سوچا کرتی ہو؟"
"کک ــــ کچھ بھی تو نہیں امی" وہ بمشکل بولی "میں کیا سوچوں گی۔
ایسے دن مجھے اُداس لگتے ہیں۔ سردی، نمی سی، دل خواہ مخواہ پریشان
رہتا ہے۔ آپ کی لائی ہوئی کتابیں اب میں پڑھوں گی امی۔ رات کو۔
جی ہاں۔"
لیکن جعفری کی نظروں سے نہ تو اس کی بوکھلاہٹ چھپ سکی اور
نہ اس کا گھبرایا ہوا انداز ــــ وہ کچھ سوچنے پر مجبور ہوگئیں۔ آزاد فضاؤں
میں پرواز کرنے والے طائر کو اگر قفس میں قید کرکے سونے چاندی کی
کٹوریوں میں پانی دیا جائے تب بھی وہ خوش نہیں رہ سکتا۔ یہ فطرت ہے۔
یہ عمر ایک ساتھی چاہتی ہے اگر وہ اپنے منھ سے نہ کہے تب بھی کیا ـ؟

ان کی نظروں میں بہت سے لڑکے تھے۔ اچھے اچھے کھاتے پیتے گھرانوں کے تعلیم یافتہ لڑکے لیکن نویرہ ہی ان کے قابل نہ تھی۔ گھریلو سی احمق جھینپو لڑکی۔ آج کل کے لڑکے تیز طرار، اعلیٰ تعلیم یافتہ اور شوخ زندہ دل لڑکیاں پسند کرتے ہیں۔ کوئی تو ایسا ہوگا جو اسے اپنا سکے۔! ان کے خیال بھٹکنے لگے۔ شاید مسز ہاشم کا لڑکا نویرہ کا اچھا ساتھی ثابت ہو سکے کتنا خاموش طبع سنجیدہ سا لڑکا ہے۔ ابھی حال ہی میں تعلیم پوری کر کے آئرن فیکٹری میں کام شروع کیا ہے۔ یوں بھی ان کے پاس دولت کی کمی نہیں۔! بیگم ہاشم نویرہ کو پسند بھی کرتی ہیں۔ تو پھر ــــ سلسلہ جنبانی کیسے کی جائے؟

وہ دیر سے آرام کرسی پر پڑی سوچ رہی تھیں۔ اور تپائی پر رکھی کافی پالا ہو چکی تھی۔ ایک گھونٹ بھی انہوں نے نہیں لیا تھا! تخت پر کچھ سامان کارچوبی کا رکھا تھا! شاید کسی آرڈر کا کشن بنانا تھا!

نویرہ انھیں دیکھ رہی تھی۔ جب ضبط نہ ہو سکا تو اس نے انہیں مخاطب کیا۔ "امی۔ آپ کی کافی۔ میں پھر سے گرم کر لاؤں ــ؟"

"ہاں۔" انھوں نے سیدھے بیٹھ کر تخت پر ایک نظر ڈالی اور نہایت ناگوار انداز میں بڑبڑائیں۔ "مرنے والے بے مروت لوگوں پر خدا کا قہر نازل ہو۔ کس عذاب میں میری جان پھنسی ہے۔ کنواں کھوداؤ تو پانی پیو ــــ خدا غارت کرے۔ وہ عورتیں نجانے کون جو آرام سے بیٹھ کر مردوں کی کمائی کھاتی ہیں۔ یہاں کیا ہے۔ خدا کی مار ــ لعنت ــ"

نویرہ ان کی ان باتوں کی عادی ہو گئی تھی۔ وہ انہیں قابل رحم سمجھتی تھی۔ وہ خوب سمجھتی تھی کہ یہ ساری محنت امی صرف اس کے لئے کرتی ہیں۔

...نہ امی کی دو وقت کی روٹی اور موٹے جھوٹے کپڑوں کے لئے جعفری صاحب
چھوڑا ہوا اثاثہ کافی سے زاید تھا۔ نویرہ جب سوچتی بے حد شرمندہ ہو
اتی۔ اس کی دانست میں وہ اپنی امی کی تکالیف کا باعث تھی!

بیگم جعفری نے فریم پر سرخ مخمل مڈھا اور تخت پر آبیٹھیں۔ کارچوبی
سامان اپنی باسکٹ میں رکھ کر پاس رکھ لیا۔ !

نویرہ کافی لائی اور خود بھی کرسی پر بیٹھ کر کپڑے سے تار کھینچنے لگی۔ پھر
لی "امی۔ یہ زاید کام آپ کیوں کرتی ہیں۔ کیا ہم دو نفوس کے لئے ابا جان
کی آمدنی پوری نہیں پڑتی ــــ؟"

"تم بے خبری کے تہہ خانے میں رہتی ہو۔ نویرہ تمہیں پتہ نہیں آج کل
لڑکیوں کے لئے کیا کیا خاک پھانکنی پڑتی ہے۔ ورنہ سسرال میں لڑکیاں
ہمیشہ نکو بنی رہتی ہیں۔ اخبار میں تم پڑھتی نہیں۔ کیسے کیسے لرزہ خیز ظلم
ان بے گناہ لڑکیوں پر ہوتے ہیں۔ جو سسرال کے کتوں کے سامنے پسندیدہ
جہیز کی ہڈیاں نہیں پھینک دیتے! یہ محنت میں تمہارے لئے کرتی ہوں
میری بچی۔ میں نے تمہارے باپ کی روح کے سامنے قسم کھائی ہے۔ ایسی
ہی باوقار شادی کروں گی جیسی کہ وہ زندہ ہوتے تو کرتے!"

"ابا جان کی روح کے سامنے۔" متحیرانہ لہجے میں نویرہ نے دہرایا۔

"ہاں بیٹی۔ وہ ہمیشہ میرے سامنے رہتی ہے!" انہوں نے ٹھنڈی
سانس لی۔

دفعتہً کال بیل بجی! انہوں نے کہا۔ "دیکھو تو کون آیا ہے۔ خدا کرے
کہ مسز رباب نہ ہوں۔ عورت ہو لسی کے جی جاتی ہے!"

نویرہ نے دیکھا کہ نیچے زینے پر ثاقب کھڑے تھے! ایک بیگ وہ خوش

ہوگئی اور بولی: "ارے چلے آئیے۔ آپ گھنٹی بجانے کا تکلف کیوں کرتے ہیں۔
"کون ہے ؟" بیگم جعفری نے پوچھا۔
"ثاقب صاحب۔ آنٹی۔ !"
"ارے کمی ہوش میں رہ ۔۔ یہ صاحب کیا معنے۔ بھائی کہا کر۔"
ثاقب اوپر آئے اور بڑی تمیز سے جھک کر مؤدبانہ سلام کیا۔ !
"جیتے رہو میاں۔ کیسے آئے۔ چھٹی تھی کوئی؟" بیگم جعفری نے پوچھا۔ اور نویرہ سے بولیں۔ "کافی سموسے بنے رکھے ہیں۔ دو چار تل لینا۔ الماری میں چیپس ہوں گے۔ نکال لو۔"

"اوہ۔ مامی۔ آپ تو اس طرح میری پُر تکلف دعوت فرماتی ہیں جیسے میں کوئی نیا آدمی ہوں آپ کے پاس پہلی مرتبہ آیا ہوں۔ میرے لئے بس کافی ہی ٹھیک ہے اور تکلفات رہنے دیجئے ۔۔! نویرہ! بس کافی ہی لے آؤ !"
"امی کا حکم مانوں کہ آپ کا ؟" نویرہ ہنسنے لگی اور ہنستی ہوئی بھاگ گئی !
بیگم جعفری نے ثاقب پر نظریں دوڑائیں۔ دل ہی دل میں تعریف کی۔ ابھی کل تک جیسے دبلا پتلا لڑکا تھا۔ اب تو نظر ہی نہیں ٹھہر رہا ہے کتنا صحت مند پر کشش اور خوبرو لگ رہا ہے !
"مامی۔ ! ایک مہم سر کرنے میں آپ کی مدد درکار ہے !" ثاقب نے کہا
ان کی عادت تھی وہ ہمیشہ ہنستے ہوئے بات کیا کرتے۔ کبھی کسی نے انہیں مشکلوں میں بھی منہ بناتے یا بسورتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔
"کونسی مہم ؟" بیگم جعفری نے [illegible] اور سوزن کا ڈبہ الگ رکھ کے ان کی طرف متوجہ ہوگئیں۔
"مامی۔ وہ۔ دراصل۔ ہماری والدہ صاحبہ بھی انہی عورتوں میں نکلیں

جو کو بیٹے کی ملازمت کے ساتھ ہی اس کی گھر بسائی یا یوں کہیئے کہ گھر اجڑائی کی فکر پڑ جاتی ہے۔" ثاقب نے مدھم سا قہقہہ لگایا۔" میں نے دیکھا ہے کس طرح امی اور دادی اماں میں لڑائیاں ہوا کرتی تھیں۔ بیچ میں بے چارے بابا جان چنے کی دلیول کی طرح پسا کرتے تھے۔ اب امی ایک بار پھر ایسا ہی ناٹک اور کرنا چاہتی ہیں جس میں ان کی بہو اور ان کے درمیان میں بے چارہ پسا کروں گا۔ منع کیا۔ مانیں نہیں سینکڑوں باتیں سنا کر رکھ دیں۔ مجبور ہو کر آپ کے پاس بھاگا آیا ہوں۔ براہ کرم گھر آیئے اور امی کو سمجھایئے کہ ابھی کچھ توقف کریں میں ذرا مستقل ہو لوں اور خود کو ایک جنگ عظیم سے نبرد آزما ہونے کے قابل بھی بنا لوں ۔۔۔!"

" اُئے۔ ہئے! ثاقی میاں !" وہ ہنسنے لگیں۔" شادی بیاہ کو اتنا بھیانک کام سمجھتے ہو۔ آخر آپا جان کو آرزو ہو گی۔ تمہارا بیاہ کریں پوتے کھلائیں۔ ہر ماں کی یہ تمنا ہوتی ہے!"

" ہوگی۔ مامی۔ تو پھر آپ چلیں گی ؟"

"کب ؟"

"آج یا کل کسی وقت! امی نے تو دادی اماں کے بقول پاؤں میں پہیئے باندھ رکھے ہیں۔ نجانے کیا کیا اُلٹے سیدھے کام کیا کرتی ہیں۔ ایک الو کی پٹھی مشاطہ آتی ہے۔ اسے میری تصویر دی تھی۔ اب اس نے کسی صاحبزادی کی نشاندہی کی ہے۔ امی مُصر ہیں کہ اسے دیکھ آئے دم لیں گی۔ میں کہتا رہا کہ ابھی نہیں ابھی ٹھہریئے لیکن وہ کہے ... [illegible] ...

[illegible] ... رہتی ہیں [illegible] ... بات نہ کی!"

"آہا۔۔۔ اس دن۔" ثاقب پھر ہنس پڑے۔ "خوب یاد دلایا آپ نے۔ اس دن بابا جان سے کچھ چلی ہوئی تھی نا۔ امی نے کہا کہ ہو گی مردوں کی کوئی دشمنی۔ مجھ سے تو بہن نعمہ کا خوب بہنایا ہے۔ بھلا ایسی مقدس محفل میں کیوں نہ جاؤں۔ بس بابا جان سے لڑ جھگڑ کر چلی گئی تھیں۔ یہی وجہ ہو گی کہ آپ سے بھی نہ بولیں۔"

"اچھا بھیا۔ تمہارا اصرار ہے تو میں ضرور آؤں گی مگر اب یہ بتاؤ کہ اُن سے میں کہوں گی کیا وہ پوچھیں گی نہیں کہ تم ہوتی کون ہو۔ خواہ مخواہ ایک نیک کام میں روڑے کیوں اٹکا رہی ہو؟"

"نہیں مامی۔ ہرگز نہیں۔ آپ صرف یہی کہیئے کہ آپ لڑکی والوں کو جانتی ہیں۔ وہ خاندان اچھا نہیں ہے۔ بس"

"یا خدا۔ میں کسی بے گناہ لڑکی پر ایسی تہمت کیونکر رکھوں گی ثاقب۔ میرے آگے بھی لڑکی ہے۔ اللہ کوئی عذاب نازل کر دے گا مجھ پر!" انہوں نے دل تھام لیا۔

"میں نے دوستوں سے تحقیق کروائی تھی مامی۔ یہ درست ہے کہ لڑکی کے والد سٹے کا کاروبار کرتے ہیں اسی سے وہ بن گئے ہیں اور ان کے صاحبزادے بھی بہت عمدہ شاہراہ پر ہیں۔ قمار بازوں سے کمیشن وصول کر کے وہ بھی خاصے دولت مند ہو چکے ہیں۔ میں نے ان کے کوائف امی کو سنائے تھے۔ وہ کہتی ہیں کہ آج کل کون ہے جو رشوت نہیں لے رہا۔ اس قسم کے دھندے نہیں کر رہا۔ لہٰذا یہ حضرات جو کچھ کرتے ہیں وہ کچھ ایسا بڑا کام نہیں۔۔۔ لاحول ولا قوۃ۔۔۔!"

"آپا جان کو پتا کیا ہے؟"

"وہ بس اپنی بہو لا رہی ہیں اور بس۔ بہو کا خاندان [illegible]

ں سے انکو کوئی مطلب نہیں ہے !"

"اچھا میں کہوں گی !"

اتنے میں نویرہ ایک بڑی کشتی میں کھانے پینے کے لوازمات سجا کر لے آئی۔ ثاقب نے جھٹ سے اٹھ کر اس کے ہاتھ سے ٹرے لی اور نویرہ نے بڑی میز سرکا دی۔ ثاقب نے میز پر کشتی رکھ دی ! اور بڑی اپنائیت سے بیگم جعفری کو دعوت دی۔ اور مسکرا کر نویرہ سے کہا۔ "آؤ تم بھی بیٹھ جاؤ ! بھئی یوں مجھ سے بھاگا مت کرو۔ میں کوئی خوفناک جانور تو ہوں نہیں کہ خدانخواستہ پنجے ماروں گا۔ بھنبھوڑ کھاؤں گا۔ دراصل تم بھول گئی ہو کہ ایک زمانہ تھا جب ہم ایک گھر میں ساتھ کھیلا کرتے تھے ! یاد آیا کچھ ؟"

"جی !" وہ گلابی ہو گئی !

"تو پھر آؤ۔ بیٹھ جاؤ !"

"آپ کھائیے۔ میں کافی لے آؤں !"

"مامی کیا بات ہے" ثاقب نے کہا "آپ مجھے بہت مضمحل اور تھکی تھکی لگ رہی ہیں۔ کچھ طبیعت خراب ہے خدانخواستہ ؟"

انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس لی "ہاں بہت دنوں سے کمر کے نیچے کے حصے میں درد رہنے لگا ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ یہ جو بیٹھے بیٹھے میں سوئی کا کام کیا کرتی ہوں۔ اس کا نتیجہ ہے !"

مگر یہ کام آپ نے خود پر کیوں مسلط کر رکھا ہے۔ مامی !" ثاقب نے احتجاجاً کہا "خواہ مخواہ کا بار ہے نا آپ پر۔ میں کہتا ہوں۔ آپ دو آدمیوں کے لئے مزدوری ہی کیا ہے ؟ آپ کسی کی خدمت سے مستفید ہونا بھی پسند نہیں کرتیں۔ ورنہ کیا میں بھی آپ کا بیٹا نہیں۔ آپ کی خدمت

نہیں کر سکتا ؟ ؟ ۔۔"

"تمہیں اللہ بہت دے بیٹا ۔ !" وہ متاثر ہو کر بولیں "بس تم نے کہہ تو دیا۔ مجھے اطمینان ہو گیا۔ جب بھی ضرورت ہو گی۔ تم سے کہہ دوں گی۔ مگر میرا تو یہ ہے کہ جب تک ہاتھ پیر چلتے ہیں کیوں نہ کچھ کرتی رہا کروں۔ کاہلوں کی طرح بیٹھا بھی تو نہیں جاتا ! "

نویرہ کافی لے آئی ! اور ان کے ساتھ بیٹھ گئی۔ ثاقب نے انکھیوں سے اُسے دیکھا اور اس کے دل میں پسندیدگی کا جذبہ اُبھر آیا۔ فیروزی لباس میں کتنی اچھی لگ رہی تھی۔ انھیں اس کے خوبصورت بال بے حد پسند تھے۔ کمر سے نیچے جھومتے ہوئے سیاہ دلکش بال جن میں ہلکی ہلکی لہریں پڑی تھیں پیشانی پر خوشنما سی لٹیں جھولا کرتیں۔ گوری گوری پیشانی پر وہ لٹیں عجیب سی حسین لگتیں اور وہ سیاہ و دراز پلکوں سے آراستہ آنکھیں جن میں قدرتی کاجل لگا تھا۔ جن سے معصومیت اور بے خبری کا بھولا پن چھلکا کرتا۔ وہ گلابی گلابی رسیلے لب۔ جیسے انہیں چھوتے ہی شہد ٹپک پڑے گا ! ثاقب نے سوچا۔ کیا یہ اپنے حسن و شباب اور دلکشی سے بے خبر ہے ؟ کیا اسے یہ شعور ہے کہ ثاقب کے دل میں اس کی طرف سے کتنے اچھے خیال پل رہے ہیں۔ کیا یہ کچھ بھی نہیں جانتی !

"کافی بے حد لذیذ ہے !" ثاقب نے کہا۔ "کبھی اپنے ہاتھ کا پکا کھانا بھی کھلاؤ۔ مجھے یہ معلوم ہی نہیں کہ تم نرگسی قورمہ میں کتنی شکر ڈالتی ہو اور کھیر میں نمک کتنا جھونکتی ہو ؟ کیوں ماں ؟"

نویرہ ہنسنے لگی اور بولی "کیوں امی ۔۔ میں نے کبھی قورمہ میں شکر ڈالی ہے۔ اچھا میں پوچھتی ہوں آپ نے میرا پکا ہوا کھانا کھایا ہی کب ہے ؟

ایک دفعہ کھلائیے تو پھر آپ کہیئے کہ ہاں یہ بھی ایک کھانا ہے!"

"اچھا تو آج ہی تر کا جاتا ہوں۔ پکاؤ رات کا کھانا؟" ثاقب نے کہا۔

"ہاں ہاں ضرور" بیگم جعفری خوش ہو گئیں۔ "مجھے تو یہ ارمان ہی رہ گیا کہ کوئی میرے پاس آئے۔ مہمان بن رہے۔ میں سب سے الگ کیا ہوئی کہ تم سب نے مجھے اپنے دلوں سے بھی نکال پھینکا۔"

"ارے نہیں مامی۔ واللہ ایسا نہیں ہے"۔ وہ کچھ جھینپے جھینپے سے نظر آنے لگے۔ "یقین کیجئے کہ ہمارے ہاں برابر آپ کا تذکرہ ہوتا رہتا ہے۔ نانی اماں تو ہمیشہ ہی یہی کہتی ہیں کہ اگر اس نے تا بھی سے الگ ہونا چاہا تھا تو ہم ہی نے کیوں اس کی بات مان لی اب وہ آپ کو اپنے ہاں بلانے سے اس لئے احتراز کرتی ہیں کہ کبھی آپ آئیں گی نہیں"۔

"میاں دیکھو۔ سچی بات تو یہ ہے کہ پچھتاوا اب مجھے بھی ہے۔" بیگم جعفری نے کہا۔ پھر کچھ رک کر نویرہ سے بولیں۔ "تم یہ برتن اٹھا لے جاؤ۔ اگر ماما آگئی ہو تو اس سے کہنا کہ سودے کے پیسے لے جائے!" نویرہ خاموشی سے برتن اٹھا کر چلی گئی۔ کچھ دور جا کر اس نے مڑ کر دیکھا۔ ثاقب سے نظریں چار ہوئیں کچھ ایسی بے بسی اس کی آنکھوں میں تھی کہ ثاقب کا دل لرز گیا۔ کیسی بولتی ہوئی نظریں تھیں۔ یکایک نویرہ نے انہیں سر سے کوئی اشارہ بھی کیا تھا! اور پھر کچن کے دروازے میں گھس گئی تھی!

بیگم جعفری نے پان بنا کر ثاقب کی طرف بڑھایا۔ "کھاتے ہو پان؟"

"جی۔ جی ہاں۔ جی نہیں۔ کھاتا تو نہیں ہوں مگر آپ دے رہی ہیں اس لئے کھا لوں گا! تمباکو تو نہیں ڈالی۔۔۔؟" انہوں نے سلام کر کے پان لے لیا!

"توبہ کرو!"

ثاقب کا ذہن اس موہوم سے اشارے کو معنے پہنانے کی کوشش کر رہا تھا اور سب طلسم ٹوٹتے ہوئے لگا تھا!

"میں۔ کہہ رہا تھا کہ زمانہ ایسا بُرا آن لگا ہے۔ پل بھر کا بھروسہ نہیں کب کیا ہو جائے۔ اِدھر اُدھر فساد ہوتے ہیں اور میری جان سُولی پر اٹک جاتی ہے اب میں دعائیں مانگا کرتی ہوں۔ مولی اپنی جناب سے میری بچی کے لئے رشتہ بھیجے میں اس فرض سے سبکدوش ہو جاؤں تبھی چین کی نیند سوؤں گی۔ کوئی اچھا رشتہ ملتا نہیں یا تو گھٹیا ملتے ہیں یا پھر بہت اعلیٰ۔ ہم اتنے متمول کہاں کہ انکو پچاس ساٹھ ہزار میں خرید سکیں اور نہ اتنے گرے پڑے ہیں کہ لڑکی کو ایسے ویسے گھر میں جھونک دیں۔ یہی سب باتیں ہیں جو میں اب پچھتاتی ہوں کہ ناحق اماں جان سے بگاڑ کر کے الگ ہوئی۔ وہاں کچھ نہ کچھ صورت تو نکلتی یہاں یہ حال ہے بیٹھے کہ فکریں دس ہیں۔ میرا دماغ ایک ہے وہاں فکر صرف ایک ہوتی اور دماغ دس ہوتے! بھاری بوجھ میں بھی کئی ہاتھ لگیں تو وہ ہلکا معلوم ہوتا ہے۔ اچھا۔ ہاں سلیمہ، شمی، اور عزالہ وغیرہ کا کیا ہوا۔ کوئی پیام سلام ان کا ہوا؟"

ثاقب جو گہری سوچ میں تھے اور کچھ سُن نہ رہے تھے۔ چونک کر بولے۔

"مجھے پتہ نہیں۔ مامی۔ دراصل میں زیادہ تر باہر رہتا ہوں۔ ویسے بھی شادی بیاہ کی باتوں سے مجھے اُلجھن بہت ہوتی ہے! آپ اب آرہی ہیں نا۔ معلوم کر لیجئے گا!"

دفعتہً زینے کے نیچے سے کئی ایک بھاری اور ہلکے قہقہوں کی آوازیں آئیں۔ ثاقب کی پیشانی پر ناگواری کی شکنیں پڑ گئیں۔ انہوں نے مستفسرانہ

انداز میں بیگم جعفری کی طرف دیکھا۔ وہ کچھ مجل ہو کر بولیں۔" کرایہ دار ہیں۔"
معاف کیجئے گا مادام۔ آپ نے انتخاب میں کچھ غلطی کی ہے۔ ابھی جب
میں نیچے کھڑا تھا۔ مجھے ایک صاحبزادی نہایت نامناسب طریقہ پر گھور
رہی تھیں۔ یہ کون لوگ ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی خاندان یہاں رہتے ہیں!"
"اب میں تم سے کیا کہوں ثاقب۔ تمہارا خیال صحیح ہے۔ میں نے کرایہ داروں
کے انتخاب میں بڑا دھوکا کھایا ہے۔"
"کیا بات ہے۔ مجھ سے کہئے۔ آپ اور نویرہ تنہا رہتی ہیں۔ اگر یہ لوگ
شریف اور تہذیب یافتہ نہیں ہیں تو مجھے اس بات کا علم ہونا ضروری ہے۔"
"میاں۔ میں جان گئی ہوں۔ وہ بڑھیا کرایہ دار مسز رباب۔ بہت غلط
کام کرتی ہے۔ بظاہر تو یہ ہے کہ اس کے پاس اونچے درجے کے طلباء
ٹیوشن پڑھنے آتے ہیں۔ مگر باطن۔ میں نے معلوم کرلیا ہے۔ وہ پیشہ کراتی
ہے ___!"
"واقعی؟" ثاقب سنبھل کر سیدھے ہو بیٹھے۔
"ہاں۔!" بیگم جعفری نے آواز نیچی کر لی۔" ارے طالب علم آئیں۔ چپ
چاپ پڑھیں اور چل دیں۔ یہ کیا کہ ڈھول دھپا ہوتا ہے۔ گانا بجانا
رقص و سرود کے جلسے۔ گئی رات تک لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔ میں پڑے
پڑے سنتی ہوں۔ آہستہ سے دروازہ کھلتا بند ہوتا ہے۔ اعقل چکر میں
ہے۔ کیا ساری رات لوگ پڑھنے آتے رہتے ہیں۔"
"آپ نے اس بڑھیا کو دھمکی نہیں دی فوراً دفع ہو جائے یہاں سے
ورنہ پولیس کے ذریعہ ___!" ثاقب نے کہا۔
بیگم جعفری نے بات کاٹ کر کہا۔" ایک بار کہا تھا کہ آپ کے ہاں یہ

کیا ناگوار ہو سکتی ہے۔ بولی کہ میرے بھانجے بھانجیاں فائن آرٹس کے
طالب علم ہیں۔ یہاں پریکٹس کرتے ہیں۔ بری بات کیا ہے؟ دراصل میرے
پاس ثبوت کیا ہے ایسا نہ ہو کہ پولیس آئے اسے ثبوت نہ ملے اور میں الٹی
شرمندہ ہوں۔ تب تو وہ عورت میری دشمن ہو جائے گی!"
"اگر یہ حقیقت ہے مامی تو سمجھ لیجئے کہ وہ اپنی ناپاک کمائی سے آپ کو
کرایہ دیتی ہے!" ثاقب نے کہا۔ "اس قسم کا تصور ہی بڑا گھناؤنا ہے۔
آپ کہیئے تو میں کسی طرح اسے نکال باہر کردوں کیا آپ کو اچھے کرایہ دار
نہیں مل سکتے؟"
وہ سر جھکا کر کچھ سوچنے لگیں!
دفعتہً ایک ننھی سی کنکری ثاقب کے سر پر گری اور سر سے ڈھلک
کر گریبان میں چلی گئی۔ انہوں نے سر اٹھایا دوسرے کمرے کی کھڑکی میں
نویرہ کھڑی تھی اس نے فوراً بڑی تیزی سے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ جیسے کہتی
ہو۔ پچھلی طرف باغ میں آیئے۔ اس نے بڑی عجلت میں ہاتھ گھمایا تھا اور
اور کھڑکی سے ہٹ گئی تھی!
ثاقب کا دل دھڑکا۔ وہ نویرہ کو بہت معصوم بے حد بھولی بھالی اور
دنیا کے نشیب و فراز سے ناواقف ایک ناسمجھ اور احمق لڑکی سمجھتے تھے۔
یہ اشارے بازی ان کی دانست میں بڑا غلط فعل تھا جس کی توقع کم از
کم انہیں بیگم جعفری سی ثقہ متین اور شریف خاتون کی بیٹی سے نہ تھی۔!
پھر بھی وہ جاننا چاہتے تھے کہ نویرہ کا مقصد کیا تھا! انہوں نے اپنی کلائی
پر نظر ڈالی پھر دیوار گیر کلاک کو دیکھ کر کہا: "اچھا تو پھر میں چلتا ہوں۔
مامی۔ انشاءاللہ پھر کبھی آؤں گا یا تو پھر آپ ہی آیئے۔ میں نانی اماں اور

امی سے کہہ دوں گا کہ آپ تشریف لا رہی ہیں۔"

"نہ کہنا۔ ورنہ پھر۔ تمہارے رشتے کے بارے میں میری مخالفت بیکار ہو جائے گی۔ وہ سمجھ جائیں گی کہ یہ سب تم نے مجھے پہلے ہی سے سکھا پڑھا دیا ہے۔"

"مانتا ہوں مامی۔" وہ ہنسنے لگے۔ "آپ بے حد سمجھدار ہیں۔ مگر امی آپ سے پوچھیں گی ضرور کہ آپ کو اس خاندان کے حالات کا علم کیونکر ہوا ہے۔"

"کوئی بڑی بات نہیں۔ رشتے ناطوں کی بات نکلے گی۔ آپا جان ضرور اس قسم کا تذکرہ کریں گی تبھی میں کہہ دوں گی۔ مگر تم بھیا قسم کھا کے یقین دلاؤ کہ لڑکی والوں کے حالات جو تم نے بتائے ہیں وہ سچ مچ صحیح ہیں کہ میں خواہ مخواہ گناہ میں پڑ رہی ہوں گی؟"

"بخدا سچ ہیں۔ مامی میں جھوٹ بہت کم بولتا ہوں یقین مانیئے۔ کبھی مارے باندھے جھوٹ بولنا پڑے تو یوں لگتا ہے کہ جیسے میں نے جان بوجھ کر مکھی نگل لی ہو۔ دیر تک ضمیر کی ملامت چین لینے نہیں دیتی۔" وہ کھڑے ہو گئے۔

"اجازت دیجئے مامی!"

"جاؤ بھیا۔ سدھارو۔ ہماری خیر خبر لیتے رہنا۔ اللہ تم کو سلامت رکھے۔ میرے حالات کے اندھیرے میں تم روشنی کا مینار ہو! اچھا میں کل یا پرسوں کسی روز ضرور آؤں گی!"

"سلام مامی ۔۔۔!" وہ جھکے

"خدا حافظ بیٹے ۔۔۔!"

بیگم جعفری پھر سوزن کاری میں مصروف ہو گئیں!

نویرہ باغ کی بالکونی میں نکلی۔ یہاں بہت سا بیکار سامان پڑا رہتا تھا۔ ٹوٹی ہوئی کرسی، پرانا صندوق، بڑے ٹاٹ کے تھیلے میں ردی کاغذ، پرانے کپڑے اور نہ جانے کیا کچھ۔ اس ڈھیر کے پیچھے چھپ کے بیٹھ رہنے کی بڑی عمدہ جگہ تھی۔ نویرہ بھی اٹھ کر باغ میں جھانکتی کبھی اس انبار کے پیچھے بیٹھ جاتی۔ ابھی اس نے جھانکا تو ثاقب کو عین منڈیر کے نیچے کھڑے دیکھا دن کے بارہ بجنے والے تھے ایک ٹھٹھرا ہوا دن باغ پہ منڈھا ہوا تھا۔ کہیں آس پاس کوئی نہ تھا۔

"کیا بات ہے؟" ثاقب نے پوچھا۔

جواب میں نویرہ نے ایک چھوٹی سی پڑیا نیچے پھینک دی۔ ثاقب نے پڑیا کھولی۔ اس میں ایک ننھا سا پتھر رکھا ہوا تھا وہ الگ پھینکا اور کاغذ پر نظر ڈالی۔ لکھا تھا۔

"ایک بہت ضروری بات آپ سے کہنی ہے۔ کیسے کہوں؟ کہاں ملوں؟ خدارا ٹالیئے نہیں۔ میں بہت پریشان ہوں!!!"

مسز رباب کے گھر میں اس وقت کامل سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ایک ملازم کچن میں مصروف تھا جس کے ذمہ لنچ کی تیاری تھی اور کچن ہی سے کبھی کبھار برتنوں کے دھرنے اٹھانے کی آوازیں آجاتی تھیں اگرچہ بند تھے پھر تو بڑ ھکن منڈھا ہوا تھا۔ بڑا ہال سنسان تھا! یوں لگ رہا تھا جیسے یہ

ان سالہا سال سے غیر آباد اور ویران ہو ۔

اندرونی کمرے سے ملحق بڑی کشادہ اور شاندار خواب گاہ تھی یہاں ایک مسہری کی پائینتی مسز رباب بیٹھی تھیں۔ ان کی انگلیوں میں بڑا قیمتی سگریٹ سلگ رہا تھا۔ ایک عمدہ اور مخملی صوفہ پر ان کے شناسا مسٹر عاطر براجمان تھے ان کے سامنے اخروٹ کی لکڑی کی بڑی نفیس اور نازک تپائی رکھی تھی۔ جس پر اعلیٰ قسم کی شراب کی خوبصورت شیشی اور خوشنما پیمانہ رکھا ہوا تھا ایک پلیٹ میں تلے ہوئے کاجو تھے۔ دوسری پلیٹ میں روسٹ کیا ہوا گوشت تھا کچھ اور بلا تھی !

مسز رباب پر تشویش نظروں سے انہیں گھور رہی تھیں اور رہ رہ کر یوں سگریٹ کے کش لگاتیں جیسے اپنے الجھے ہوئے خیالوں کو سلجھانا چاہتی ہوں ___ !

" آپ نے جواب نہیں دیا۔ مسز رباب ! " دفعتہً عاطر نے اپنی غیر معمولی بھاری آواز میں کہا۔

" میں نے آپ سے کہا ہے مسٹر عاطر۔ مجھے سوچنے کا موقع دیجئے۔" مسز رباب چیں بجبیں ہو کر بولیں " آپ تو سچ مچ ہتھیلی پر سرسوں جمانا چاہتے ہیں۔"

" تعجب ہے کہ آپ اس طرح ہچکچا رہی ہیں۔" عاطر نے کہا۔ " حالانکہ آپ نے ایک ماہ قبل اس سیلز گرل کا انتظام صرف ایک دن میں کر دیا تھا۔ خوب یاد آیا۔ بڑی پُر لطف تھی وہ لڑکی بھی۔ اب کہاں ہے۔ سلاتھ ایمپوریم میں پھر دکھائی ہی نہ دی! کیا اس نے سروس چھوڑ دی ؟ "

" اس نے دنیا چھوڑ دی ___ ! "

"کیا۔؟" عاطر یکا یک سیدھے ہو بیٹھے۔

"جی ہاں!"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا!"

"آپ نے خواہ مخواہ اس سے شادی کا وعدہ کر رکھا تھا! اور وہ!"
عاطر نے یوں قہقہہ لگایا جیسے بڑا دلچسپ لطیفہ سُنا ہو۔" شادی کا وعدہ۔ ایسے ایسے وعدے ایفا کئے جائیں تو میں سمجھتا ہوں کہ میرے حرموں کی تعداد بھی سینکڑوں تک پہونچ جائے۔ ارے۔ انہیں مارئیے گولی۔ آپ کہہ رہی تھیں کہ اس کمبخت نے دنیا چھوڑ دی۔ آپ کا مطلب ہے کہ وہ مر گئی؟"

"جی۔"!

"کیوں!؟"

"آپ نے اس کے ساتھ دلچسپی کا ایک کھیل کھیلا تھا۔ مگر اس نے اسے کھیل نہیں سمجھا۔ وہ آپ کے وعدے پر ایمان لے آئی تھی اور آپ کو اپنے وعدے میں سچا سمجھ کر بدستور آپ کے پاس آتی رہی تھی پھر اس نے آپ سے کہا تھا کہ وہ آپ کے ناجائز بچے کی ماں بننے والی ہے آپ نے یہ کہہ کر اس کے منھ پر طمانچہ مار دیا تھا کہ اس کی سی آبرو باختہ لڑکی کا کوئی اعتبار نہیں۔ نجانے وہ کس کی غلاظت آپ کے سر لگانا چاہتی ہے۔ مسٹر عاطر ——
آپ کی اس بیدردی نے اسے اتنا دل شکستہ کیا کہ پھر وہ کسی کی تسلی دلاسے سے بہل نہ سکی۔ اچھے گھر کی لڑکی تھی، اپنے اندھے باپ اور بیمار ماں کی خاطر ملازمت کرنے پر مجبور ہوئی تھی وہ ایسی آبرو باختہ تھی بھی نہیں۔ میں آپ کی بے تابی کے پیش نظر اسے یہاں دھوکے سے لائی تھی! آپ سمجھے!"

"سمجھا!" عاطر نے جھک کر شیشی سے شراب پیمانے میں انڈیلی ایک

گھونٹ پیا اور کا جو کا پھلکا مار کر مسکراتے ہوئے بولے "جب میں نے اس کی غلاظت سمیٹنے سے انکار کر دیا تو اس نے مایوس ہو کر خودکشی کر لی یہی کہنا چاہتی ہیں نا آپ ؟"

مسز رباب نے ایک گہری لیا اور سگریٹ ایش ٹرے میں ڈال کر خاموشی سے دیوار پر لگے اسنیپ کو دیکھنے لگیں !

عاطر نے دوسرے گھونٹ میں پیمانہ خالی کر دیا اور اسے میز پر رکھنے کی بجائے فرش پر اچھال دیا۔ پھر صوفے پر نیم دراز ہوتے ہوئے کہا لیکن مسز رباب — وہ — لپکتا ہوا شعلہ — جس نے میرے ہوش و حواس جھلسا دیئے ہیں۔ وہ مجھے فی الفور چاہیئے! میں کئی راتوں سے سو نہیں سکا ہوں۔ اس کے تصور کے آگے اب حسین سے حسین لڑکی مجھے اپیل نہیں کر رہی — آپ کہتی ہیں وہ بیوہ غریب عورت کی لڑکی ہے۔ میں سمجھتا ہوں۔ وہ بیوہ غریب اور ضرورت مند عورت دس بیس ہزار میں آسانی سے خریدی جا سکتی ہے — "

"مسٹر عاطر — پلیز — اس کا خیال چھوڑ دیجئے! وہ بہت شریف، بیحد معصوم لڑکی ہے۔ مجھے خالہ کہتی ہے۔ میں اسے دھوکا دے کر آپ کے پاس نہیں لا سکتی۔ آج تک میں نے گناہ ہی کے کاروبار سے اپنے ہاتھ رنگے ہیں۔ لیکن اس معصوم بچی کی آبرو ریزی قتل کے مترادف ہے مسٹر عاطر۔ خدارا مجھے اس گناہ پر مجبور نہ کیجئے!" قریب تھا کہ وہ رو پڑتیں۔ ان کے گھگھیانے پر عاطر نے ایک قہقہہ لگایا "گناہ کی بات اور آپ کے منھ سے! مزہ آ گیا۔ مسز رباب۔ مجھے یہ بتائیے کہ آپ نے اپنی عمر میں کبھی کوئی بات ایسی بھی کی ہے جو نیکی کی لسٹ پر آتی ہو۔ ارے آپ نے

سُنا نہیں۔ بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست۔ مزید برآں۔ اس فعل پر تو میں آپ کو مجبور کر رہا ہوں آپ خود سے کچھ نہیں کر رہی ہیں لہٰذا اس سلسلے میں بقول آپ کے جو گناہ ہوگا۔ وہ فرشتے میرے کھاتے میں لکھ دیں گے آپ مطمئن رہئیے! بات اصل میں یہ ہے مسز رباب کہ اس شعلۂ رو کے بغیر اب میں رہ نہیں سکتا! اگر آپ نے اس کے حصول میں میری مدد نہ کی تو پھر کیا ہوگا۔ آپ کو معلوم ہے؟"

"کیا ہوگا ۔۔۔؟" نیا سُلگا ہوا سگریٹ مسز رباب کی انگلیوں سے گرنے لگا ۔۔۔!

"میں خود اسے اغوا کر لوں گا" عاطر سانپ کی سی پھنکار میں بولے "آپ کا کاروبار ہی ایسا ہے۔ پولیس آپ کو پکڑے گی۔ آپ حوالات کی سیر کریں گی۔ تمام میں بدنام ہوں گی۔ شہر بھر میں کسی کو منھ نہ دکھا سکیں گی۔ ہو سکتا ہے کہ خودکشی آپ کا مقدر ہو جائے! آپ اچھی طرح سوچ لیجئے۔ اتنا آپ بخوبی جانتی ہیں کہ میں جو کچھ چاہتا ہوں وہ بہرحال حاصل کر لیتا ہوں۔"

مسز رباب کی انگلیوں سے سگریٹ چھوٹ گیا۔ ان کی جھرّیوں پڑی پیشانی پر پسینہ چھلکنے لگا اور جسم یوں کانپنے لگا جیسے جاڑا دیکر بخار آرہا ہو۔ "رحم کیجئے اس پر اور مجھ پر۔ مسٹر عاطر" وہ جانکنی کے عالم میں گڑگڑائیں۔ "وہ بہت معصوم ہے۔ حوروں کا سا اس کا تقدّس برباد نہ کیجئے وہ بے چاری مجھے خالہ کہتی ہے۔ خالہ مجھتی ہے۔ او۔ خداوندا کیا میری اس کی تباہی کے دن نزدیک آگئے ہیں۔ میں اسے اس غلاظت کے کنڈ میں لائی ہی کیوں تھی ۔۔۔؟" انھوں نے دل تھام لیا اور کراہنے لگیں۔

"حوروں سا تقدس، کلیوں کی سی معصومیت، اوہ ۔ مسز رباب آپ میری آتش شوق بھڑکا رہی ہیں! ایسا نہ ہو کہ کہیں میں بے قابو ہو کر اوپر دوڑ جاؤں!"

"نہیں نہیں ___ ہرگز نہیں" مسز رباب حواس باختہ ہو کر کھڑی ہو گئیں "آپ ایسا نہیں کر سکتے!"

"کر تو سکتا ہوں۔ لیکن کروں گا نہیں!" عاطر نے گہری مسکراہٹ سے جواب دیا۔ اور پھر بولے "ہاں تو۔ آپ کا اندازہ کیا ہے۔ وہ عورت اپنی لڑکی کی قیمت کیا لگائے گی۔ دس ہزار، بیس ہزار، پچاس ہزار! کیوں ...؟"

"دنیا کی ہر چیز پیسے سے نہیں خریدی جا سکتی!" مسز رباب نے زیر لب کہا۔ پھر بولیں "مسٹر عاطر ___ مجھے آپ ایک ہفتے کی مہلت دیجئے میں اس کی ماں کو سب سمجھاؤں گی۔ آپ اس سے شادی کرنا چاہتے ہیں!"

"بہانہ خوب ہے" عاطر نے پھر طنزیہ قہقہہ لگایا "اس ایک ہفتے میں آدمی ہندوستان سے انگلستان جا سکتا ہے۔ بہرحال۔ آپ جو چاہے کیجئے۔ آپ میرے اختیار سے باہر کب جا سکتی ہیں۔ میں آپ کو ایک ہفتہ کی مہلت دیتا ہوں! آپ نے اگلے اتوار کو اسے میرے پہلو میں پہونچا دیا تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ پورے دس ہزار نقد آپ کی نذر کروں گا! اور اب مجھے بھی مہلت دیجئے۔ انتظار اور لذت انتظار کی مہلت!"

"مسٹر عاطر ___ ؟!"

"فرمائیے ___ !"

بے زبان

"آپ اسی قیمت میں دوسری کوئی لڑکی
"اچھی قیمت میں چیز بھی اچھی ملنی چاہیئے۔ آپ اس بحث کو بند کیجئے
اور جو میں نے کہا ہے وہ کیجئے۔ ورنہ ـــــ!" ایک خونخوار اور خوف
ناک نگاہ کے بعد وہ اُٹھے اور اپنی گاڑی کی کنجیاں انگلیوں پر زور
زور سے گھماتے لپیٹتے ہوئے ہال سے نکل گئے۔ ان کے بھاری قدموں
کی دھمک مسز رباب کے دماغ میں گونج رہی تھی! وہ بے سُدھ
ہو کر مسہری پر گر گئیں اور سوکھی سوکھی سسکیاں لینے لگیں۔ ان کا
دماغ بیکار ہوا جا رہا تھا۔ ہزار سوچنے پر بھی کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں
آرہی تھی کہ اس کرب و عذاب سے کیونکر گلو خلاصی ممکن ہے!!۔

وہ دیر تک مُردوں کی طرح پڑی رہیں۔ وقت سرکتا رہا!

مسز رباب کسی زمانے میں ایک اسکول کی ہیڈ مسٹریس تھیں۔ ماں
کے مرنے کے بعد باپ نے سوتیلی ماں ان کے سینے پر لا بٹھائی تھی۔
اس کے روز روز کے مظالم سے تنگ آکر مسز رباب نے ایک اسکول
میں ٹیچری کر لی۔ اس زمانے میں وہ بے چاری سیدھی سادی ساجدہ بیگم
کہلاتی تھیں! اور اپنی ٹیچری اور اس کی تنخواہ کے صرف ڈیڑھ سو روپے
پر پوری طرح قانع تھیں۔ انہیں اس کی بھی پرواہ نہیں تھی کہ ہر ماہ
زبردستی سو روپے سوتیلی ماں رکھوا لیتی تھی۔ بہر حال وہ پچاس ہی
روپلی پر اس لئے مگن تھیں کہ سوتیلی ماں کے طعن تشنیع اور ظلم سے
دن بھر محفوظ رہتی تھیں۔ باپ کو اپنی بیٹی کے مستقبل کی کوئی فکر نہ تھی۔
وہ اپنے نئے بچوں میں گم تھا۔ ان دنوں ایک صاحب اپنے ناز پروردہ
صاحبزادے کی گورنس کی تلاش میں اسکول میں آنکلے۔ انہیں پتہ

تھا کہ اسکول کی استانی اچھی اتالیق ثابت ہو سکتی ہے۔ تقدیر یہی تو تھی کہ ان صاحب سے ساجدہ ملیں۔ رسمی سی بات چیت اور تنخواہ اور قیام طعام کے دشوار مسائل طے ہوئے۔ ان صاحب نے ساجدہ کو اپنی تحصیل پر آنے کی ہدایت دی! تنخواہ اتنی معقول تھی کہ ساجدہ کے منھ میں پانی بھر آیا۔ زیادہ لالچ یہ کہ قیام و طعام تنخواہ کے علاوہ قطعی مفت۔ مزید یہ خیال کہ وہ شہر ہی سے اُڑنچھو ہو جائیں گی تو ان سخت گیر والدین سے ہمیشہ کیلئے نجات مل جائے گی وہ ان مذکورہ صاحب کے ہمراہ ان کی تحصیل پر جانے کے لئے آمادہ ہو گئیں۔ انہیں ضروری اخراجات کے لئے یکمشت پانچ سو روپے مل گئے۔ اتنی رقم ساجدہ نے اپنی بائیس سالہ عمر میں پہلی مرتبہ دیکھی تھی۔ سناٹے میں رہ گئیں۔ آگا پیچھا سوچنے کی ضرورت ہی نہ تھی! انہوں نے چند کپڑے خریدے ایک سوٹ کیس مول لیا اور کسی سے کہے سُنے بغیر ان صاحب کے ساتھ چل دیں۔ یہ نہ سوچا کہ ان کے رفو چکر ہو جانے کے بعد گھر والوں پر کیا گزرے گی! وہ اپنا سنہرا مستقبل بنانے چلی گئیں!

وہ لوگ محبوب نگر کے رئیس تھے۔ لاریاں چلتی تھیں کھیت اور باغات تھے۔ بڑی سی حویلی تھی اندر باہر درجنوں خدمتگار تھے انہیں بھی رہنے کے لئے ایک عمدہ سا کمرہ ملا۔ بیگم سے ملاقات ہوئی۔ انہیں دیکھ کر ساجدہ دنگ رہ گئیں کیسی حسین عورت تھی جیسے کرنوں کو گوندھ کر بنائی گئی ہو اور گلابی میں ڈوب کر نکلی ہو! اسی کے تین سال کے بچے کی یہ کہلائی تھیں بیگم کی صحت متاثر تھی! وہ بچے کی دیکھ بھال سے تھک جاتی تھیں۔ ساجدہ نے سوچا۔ ضرور تھک جاتی ہوں گی۔ یہ تو اپنی سانسوں کی آمد و شد سے بھی تھک جاتی ہوں گی! ساجدہ نے دل لگا کے بچے کی دیکھ بھال کی۔ بیگم بہت خوش تھیں۔ ان پر نوازشات کی

بارش برسادی۔ پھر یہ ہوا کہ مالک صاحب بھی اپنے بچے کی گورنرس پہ مائل بہ کرم ہو گئے پہلے پہل تو مالک صاحب کی نوازشیں نظری رہیں۔ پھر جب عملی ہو گئیں تو ساجدہ کو پتہ چلا۔ وہ مالک صاحب کے لطف و کرم کا کتنا بھیانک تاوان دے چکی ہے۔ اب اس کے آگے اندھیرا تھا۔ پیچھے سناٹا۔ اس کے اطوار بدلے دیکھ کر بیگم کا ماتھا ٹھنکا ــــ!

انہوں نے مالک صاحب سے سارا ماجرا کہہ سنایا۔

"آپ کی لائی ہوئی اتالیق بد چلن ہے۔ میں اب اپنے بچے کو اس کی گود میں نہیں دوں گی!"

"ہائیں۔ کیا واقعی؟" مالک صاحب نے نہایت تعجب ظاہر کیا۔

"دیکھتے نہیں۔ کلموہی چلتے پھرتے اُبکائیاں لیا کرتی ہے۔ چھی چھی چھی۔" بیگم کو گھن کے مارے خود اُبکائی آ گئی۔

"لاحول ولا قوۃ۔ نکال باہر کرو۔" مالک صاحب نے نہایت بُرا سا منہ بنایا۔ "نجانے کہاں کی غلاظت سمیٹے چلی آئی ہے۔ آج ہی مالزادی کو نکال دو۔"

چنانچہ مالزادی نکال دی گئی۔ چلتے ہوئے موقعہ دیکھ کر ساجدہ نے رو رو کر مالک صاحب سے انصاف طلب کیا! انہوں نے دلاسہ دیا۔ "ہم تمہیں برائے چندے اپنے ایک دوست چودھری صاحب کے ہاں بھجوائے دیتے ہیں وہاں آرام سے رہو۔ یہاں تو بیگم ناطقے میں دم کر دیں گی۔ ہم تمہارے پاس آتے رہیں گے اور اپنے بچے کے لئے معقول رقم دیں گے۔ گھبراؤ نہیں ــــ!"

ساجدہ چودھری صاحب کے ہاتھ پڑیں۔ مالک صاحب نے ان سے اکیلے میں کہہ دیا تھا۔ بہتی گنگا ہے مگر یار اُلٹی نہ بہے کہ پھر میری حویلی کا رُخ کرے۔ تم اس کے دام کھرے کرو اور یہاں سے چلتا کر دو۔ سمجھے! تمہارا اور ہمارا نام

خبردار خبردار نہ آئے۔ اگر یہ لونڈیا کچھ ہاتھ پاؤں مارے تو تاکید کر دینا اپنے میر شکاری شیر خاں کو ۔۔ سالی کے ٹکڑے کر کے جوہڑ کے کنارے داب دے!

چنانچہ یہی ہوا پہلی ہی رات چودھری خان جابر نے اپنی فیاضی اور غریب پروری کا خراج وصول کیا۔ احتجاج پر اپنے پہاڑی جوتوں سے ہڈی پسلی برابر کر دی۔ اور پھر اپنے دوست لالہ جیا رام کے حوالے کر دیا انہوں نے غیر ذات کی مشتعل ہستی سے اتنی کھن کھائی کہ پھر چودھری کے میر شکاری شیر خاں کو بلایا اور ساجدہ کو ان کے حوالے کر دیا۔ شیر خاں کا کام ہی شکاریوں کو شکار کھلانا تھا۔ چنانچہ اس نے ایک سودمند شکار سے خوب فائدہ حاصل کیا۔ ساجدہ کو کبھی سوچنے سنبھلنے کا موقعہ نہ ملا۔

بکھی اور تیرے میرے ہاتھ سے ہوتی وہ جانے کہاں پہونچی تھی اس اثناء میں اس کے ہاں ایک لیچڑ ایسا دُبلا پتلا لڑکا ہوا تھا وہ اپنے نئے خریدار کے ہاں تھی وہ ایک خرانٹ اور سفاک دلال تھا جس کا کام ہی بردہ فروشی تھا۔ وہ بھلا کیسے برداشت کرتا اس کا سودا گھاٹے میں پڑا رہے۔ اُدھر اس نے ایک بازاری عورت سے مول بھاؤ کیا اور اِدھر ساجدہ کو اس کے جانے کا حکم سنانے کے لئے اس کے تاریک اور گندے حجرے میں داخل ہوا۔

پہلی صدا کانوں میں پڑی۔ ساجدہ کی سسکیاں، نوزائیدہ کی کمزور سی چیں چیں جیسے بیمار بلی کراہ رہی ہو!

دلال آگ بگولہ ہو گیا۔ ایک منھ میں ہزار مغلظات بکتے ہوئے اس نے ساجدہ کا کمزور بانہہ جکڑی اور اسے اٹھا کر کھڑا کر دیا۔

"رحم کرو ۔ میرا بچہ ۔۔۔ میں مر جاؤں گی۔" وہ بکھری جا رہی تھی۔
ایک فحش گالی دے کر وہ بولا "شیطان کی رنڈی، قحبہ کہیں کی، بدذات کیا

میں تجھے کیڑے مکوڑے پیدا کرانے کے لئے لایا ہوں۔ عیش کرے گی۔ سالی۔
بچے پالے گی۔ تجھے کیا کر کون کھلائے گا۔ یہاں تیرے کتنے باپ بیٹھے ہیں؟ چل
اٹھ کتیا کی بچی۔ باہر مولان تیرا انتظار کر رہی ہے۔ اٹھتی ہے کہ ایک کراری
لات جماؤں؟"

"رحم کرو۔ میرے ابھی کلیجے میں دم کہاں ہے۔" ساجدہ گڑگڑاتی رہ گئی۔
اسی اثنا میں اس کا بچہ بھوک سے بلبلا کر پھر رونے لگا۔ دلال کا پارہ آسمان پر
چڑھ گیا۔ اس نے غصّے سے پاگل ہو کر وہ غلیظ چیتھڑے پاؤں سے بکھیر دیئے
جنمیں اس کا دھجّی کا لڑکا پڑا ریں ریں کر رہا تھا!

"اچھا تو یہ ہے وہ کیڑا جو تیرے بھیجے میں کلبلا رہا ہے۔" وہ باچھیں پھاڑ
کر خوفناک آواز میں بولا۔ "تو تواب شریف زادیوں کی طرح بچے پالے گی۔۔۔
صورت حرام۔ تجھے معلوم نہیں رنڈیوں کے لڑکے کسی کام کے نہیں ہوتے۔
ہاں اگر تو لڑکی پیدا کر دیتی تو میں اسے بڑے چاؤ سے پالتا۔ بارہ تیرہ برس
بعد وہ بھی سونے کی کان بن جاتی۔ لیکن یہ۔۔۔" اس نے بچہ پر تھوک دیا۔

"خدا سے ڈرو۔ بھیڑیئے۔ درندے کی اولاد۔" ساجدہ چیخی۔ "کیا تم
اتنے شیطان ہو گئے ہو۔ تمہیں ایک بیمار عورت، کمزور بچے پر بھی ترس نہیں
آتا۔ تمہاری ماں بہن اس حال میں ہوتیں تو کیا تم ان سے بھی یہ کام۔۔!"

ایک زبردست تھپڑ اس کے منھ پر پڑا اور وہ دیوار کی جڑ میں لڑھک گئی۔
منھ سے خون کی دھار بہہ نکلی۔ اس کی سماعت سے شرمناک گالیاں ٹکرا رہی تھیں
پھر اس کے ہڈیوں کے ڈھانچے پر زبردست پیروں کی ٹھوکریں پڑیں۔ پل بھر
کے لئے وہ ہوش کھو بیٹھی! دفعتہً کسی نے حجرے کے در پر کرخت آواز میں کہا۔
"ارے کیا تم عبادت کرنے اندر بیٹھ گئے لال خاں۔ ہم کب تک تمہارا دروازہ

تھا میں بیٹھے رہیں۔ دو میرا دھندا نہیں ہے کیا!"

"سن لیا تو نے۔ بکی، ذلیل، اب بھی سر کہتی ہے اپنی جگہ سے کہ بال پکڑ کھینچتا ہوا باہر نکال دوں!"

"میرے بچے کا کیا ہوگا" وہ اس طرح روئی کہ سنگدل سے سنگدل آدمی پسیج جاتا۔ لیکن لال خان وہ پتھر تھا جو پسیجنا نہیں جانتا تھا۔ وہ بھیانک آواز میں ہنسا اور بولا۔

"میں بتاؤں۔ تیرے دس یاروں کی اولاد کا کیا ہوگا۔ لے دیکھ۔ میں اس کا انتظام کرتا ہوں!"

ساجدہ کے دل کی گہرائی سے ایک بھیانک چیخ نکلی۔ لیکن جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔ لال خان نے آگے بڑھ کر بچے کی حلق پر اپنا زبردست پاؤں رکھ دیا۔ بچے نے یکبارگی ہاتھ پیر تان دیئے! اور پھر ختم ہوگیا!

لال خان نے جھک کر اسے دیکھا اپنا اطمینان کر لیا کہ وہ ختم ہو چکا تھا۔ اس نے چیتھڑوں کا ڈھیر بچے کو سمیٹ کر ہاتھوں میں سنبھالا اور باہر نکلتا ہوا بولا "مولا ماں تم اندر جاؤ اور سور کی بچی کو اپنے ساتھ لوا لے جاؤ۔ میں ذرا یہ گھورا کچرا جوہڑ کے تل میں دبانے جا رہا ہوں!

اور پھر ہوا یوں کہ ساجدہ بیچی اور خریدی جاتی رہی۔ اسے اپنے گاہکوں کی تعداد بھی یاد نہ رہی تھی! پھر وہ ٹھوکریں کھاتی یہاں وہاں پھرتی اپنے شہر میں آگئی۔ اب اسے پہچاننے والا یہاں کوئی نہ تھا۔ نہ وہ گھر تھا نہ ماں باپ تھے، نہ وہ چھوٹا سا مدرسہ تھا کچھ بھی باقی نہ رہا تھا! یہاں وہ ایک بڑی عورت ہی کے ساتھ آئی تھی۔ جس کا کاروبار بہت پھیلا ہوا اور نہایت پوشیدہ تھا۔ وہ عورت جو ساجدہ کو اپنے ساتھ لائی تھی، تعلیم یافتہ تھی لہٰذا

اس کے بڑے دھندے میں بھی سلیقہ تھا۔ بڑے بڑے لوگوں سے اس کی شناسائی تھی۔ اونچے گھرانوں کے لوگ اس سے ٹکراتے تھے۔ وہ خود پیشے سے الگ ہو چکی تھی۔ "نیکی کن دلالی" اس کا اصول تھا۔ اس نے ساجدہ کی ہیئت ہی بدل دی۔ پڑھی لکھی تو ساجدہ بھی تھی۔ اس نے اسے سلیقہ اور طریقہ سکھایا کس طرح کوئی کام کرنا چاہیئے کہ اپنا دھندہ بھی بنا رہے اور دھندے پر کوئی حرف بھی نہ آئے۔ تھوڑے ہی عرصے میں نام نہاد "ٹیوشن کارنر" چل نکلا۔ محترمہ افسری خانم اس ٹیوشن کارنر کی مختار کل اور بانی تھیں۔ محترمہ مسز رباب مددگار۔ اب کون تھا جو اس ٹیوشن کارنر کیطرف انگلی بھی اٹھا سکتا۔ بے خبر لوگوں کے لئے یہ واقعی لکھنے پڑھنے کا مرکز تھا۔ اور یہی بے خبر لوگ جب اپنے لڑکے لڑکیوں کو یہاں داخل کرا دیتے تب بے چارے طلبا پر اندرونی حقیقت کھلتی۔ لیکن تب تک دیر ہو چکی ہوتی۔ بدنامی، رسوائی، اور جگ ہنسائی کا خوف لبوں پر تالے ڈال دیتا!

ان عورتوں کا کاروبار زوروں پر چل رہا تھا۔ لیکن اچانک مدرسہ کی بانی کسی ناقابل فہم مرض میں مبتلا ہو کر جہنم واصل ہوئیں۔ ان کی موت سے گاہکوں کا ایک بڑا حلقہ بکھر گیا۔ جو مجبور لڑکے لڑکیاں کسی دباؤ کی بناء پر ان کے پنجۂ ستم سے آزاد نہ ہو سکتے تھے وہ آزاد ہو گئے۔ اب صرف گنے چنے افراد تھے۔ جن کا کوئی ٹھکانہ کہیں نہ تھا۔ لہٰذا مسز رباب نے پرانے ٹھکانے کو خیرباد کہا۔ کسی عمدہ جگہ کی تلاش میں تھیں۔ قسمت کی خوبی کہ انھیں ایک محفوظ گھر مل گیا۔ جہاں کسی قسم کا کوئی اندیشہ نہ تھا۔ انہوں نے صدر دروازے پر نہایت شاندار سائن بورڈ آویزاں کرایا۔۔ "اِرسٹوکریٹک ٹیوٹوریل کالج" اور نہایت اطمینان و فراغت سے

بڑی ہوشیاری اور پردہ پوشی سے اپنا کام کرنے لگیں۔ یہ بھی حقیقت تھی کہ انہوں نے دو تین ریٹائرڈ ٹیچروں اور لکچراروں کا بھی انتظام کر رکھا تھا۔ اکثر اونچی کلاسوں کے طلبا طالبات پڑھنے آتے بھی تھے انہیں اپنی پرنسپل کی خفیہ کارروائی کا قطعی کوئی علم نہ تھا! استانیوں کو باقاعدہ تنخواہ ملتی تھی اور طلباء کو پہلی مرتبہ ہی میں پاس ہونے کی گارنٹی بھی دی جاتی تھی!

چند ہی ماہ میں مسز رباب نے اپنا گھر بھر لیا۔

بڑے بڑے عیاش ان کے ہاں آنے لگے تھے۔ اونچے خاندان کی لڑکیاں! اور اسی سلسلے میں ایک مرتبہ بہت دولت مند بزنس مین اسٹیل پرنس مسٹر عاطر بھی ان سے آ ٹکرائے۔ بہت دنوں تک مسز رباب نے انہیں خوب نچوڑا۔ ان کے لئے نہایت "عمدہ تفریح" کا اہتمام کیا گیا۔ تھوڑے دنوں تک گاہک اور تاجر دونوں خوش رہے۔ لیکن جب ایک دولت مند امیر کا دائرہ ہوس بڑھا تو مسز رباب گھبرائیں ان کا منشاء یہی ہوتا تھا کہ جس "مال" کی طرف وہ اشارہ کر دیں مسز رباب بہرحال وہ مال حاصل کر کے انہیں پہونچا دیں۔ ان کی نظر اونچی تھی۔ ان کی پسند اعلیٰ تھی۔ ان کی جیب وزنی تھی۔ ان کا مزاج شاہانہ تھا۔ لہٰذا مسز رباب بے چاری وہی کیا کرتیں۔ بلکہ کرنے پر مجبور تھیں۔ جو مسٹر عاطر کی مرضی ہوتی تھی!

وہ بہت زیادہ پرانے گاہک نہ تھے۔ لیکن بڑی جلدی سب پر چھا گئے۔ تھوڑے ہی عرصے میں یہ ہو گیا کہ کوئی لڑکی ان کی دستبرد سے بچ نہ سکی! وہ بڑی جلدی سب سے اکتا جاتے تھے۔ ہر دم ان کی

خوش رنگ چھتیاں تھیں!"

"بدشگونی۔ خیرن بی۔ برے دن آ رہے ہیں" وہ کر پکڑے کرا...

"مالکن۔ کہیئے تو کھانا لاؤں۔ تین بج رہے ہیں جہانگیر بھی ابھی تک نہیں آیا۔ وہ یہ سب صاف کر دیتا!"

"میں نہیں کھاؤں گی۔ دل بیٹھا جا رہا ہے جہانگیر آئے گا۔ فرش صاف کر دے گا۔ تمہیں دیر ہو رہی ہے کھانا لے لو۔ چلی جاؤ!"

وہ وہیں تخت پر گریں اور چہرے پر پنکھیا جھلنے لگیں!

کچن سے باورچن نے خوب جی بھر کے کھانا اپنے کنستر میں لیا اور مالکن پر لعنت بھیج کر گھر چلی دی!

تھوڑی دیر میں ان کا ملازم لڑکا جہانگیر آ گیا۔ اور پھر کچھ دیر بعد اکّادکّا لٹ کے لڑکیاں بھی آئے ان کا دل کچھ بہل گیا۔ اٹھ کر بیٹھیں لیکن جی سے وہ کانٹا نہ نکلا۔ کیا ہوگا۔ کیا ہوگا؟ کیا یہ سارا اسامان ایک دن ان کا اپنا نہ رہے گا۔ یہ اونچی اونچی الماریاں قیمتی ملبوسات اور وہ روپیہ جو انہوں نے آہنی الماری کے خفیہ خانے میں چادر کی تہہ کی طرح بچھا رکھا تھا اور جس کی اجازت میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا! پھر ان کے دماغ میں وہ رقم پھر پھڑائی۔ جو نویرہ کی حوالگی پر حامد سے ملنے والی تھی۔ وہ ایک حسرت بھری آہ بھر کر رہ گئیں۔ ڈائن بھی سات گھر چھوڑ دیتی ہے۔ یہ تو بھانجے کا معاملہ تھا۔ منہ بولی بھانجی کا معاملہ ہوتا پھر وہ اللہ سے کنوئیں میں گر پڑیں!!! ۔

ثاقب کی خوشنودی بیگم جعفری کو اتنی ہی عزیز تھی کہ وہ انکی دعوت ٹال نہ سکیں! حالانکہ انہیں اپنی سسرال سے قطع تعلق کئے ہوئے کافی مدّت ہو چکی تھی لیکن نویرہ کی ذات کے تعلق سے سسرال سے بھی تعلق برقرار تھا! آخر وہ اس کا دَدِیہال تھا اس کے دادا دادی زندہ تھے چچا اور پھوپھیاں موجود تھیں پورا کنبہ تھا! اور اب بیگم جعفری کو اپنی زوال پذیر صحت کو دیکھتے ہوئے یہ موقعہ بڑا غنیمت لگ رہا تھا اچھا ہی تو ہوا۔ ثاقب کے بلانے پر ہی سہی۔ اگر ان کی آمد ورفت سسرال میں ایک دفعہ پھر شروع ہو گئی تو ان کے بعد نویرہ بے سہارا اور بے وارث تو نہ رہے گی! آخر انہی کے خاندان کی ہے۔ بٹوارے کے سلسلے میں زیادتی اگر کی تھی تو بڑوں نے کی تھی نویرہ بے قصور تھی۔ اس سے کوئی دشمنی نہیں کرے گا! یہ خیال بیگم جعفری کی ہمت کی مضبوطی کا باعث بن گیا تھا! وہ بہت دنوں بعد آسودہ انداز میں مسکرائی تھیں اور ان کے چہرے سے غم کا دبیز نقاب اُتر گیا تھا! ماں کو خوش دیکھ کر بھولی بھالی نویرہ بھی خوش ہو گئی۔

"کپڑے بدل لو۔" انھوں نے کہا۔ "میں امّاں جان سے ملنے جا رہی ہوں۔ مزدوری کا کام ہے۔ سفید بدرنگ کپڑے نہ پہننا۔ وہ لباس نکال لو۔ جو میں نے ربیع الاوّل شریف کی محفل میں پہننے کے لئے سلوایا تھا۔"

نویرہ مسرور تھی۔ یہ لباس اسے بے حد پسند تھا۔ وہ کئی بار کہہ چکی تھی کہ یہ لباس پہنے گی لیکن بیگم جعفری جو جُزرس اور کفایت شعار تھیں

اس کی اجازت شدت سے رکھتی تھیں۔ اب ان کے منہ سے اپنے دل کی آواز کوشش کر نویرہ پھولی نہ سمائی۔ اس کی خوشیاں، جذبات اور محسوسات اتنے ہی طفلانہ اور سطحی تھے! پھر بھی اس نے پوچھا۔

"امی میں اس مقدس تقریب میں کیا پہنوں گی آپ کو پھر نئے کپڑے بنوانے پڑیں گے!"

"بنوا دیں گے بیٹی۔ تم بڈھوں کی طرح نہ سوچا کرو!" بیگم جعفری بولیں "میں دیکھتی ہوں تم میں کم عمر بچیوں کی سی کوئی بات ہی نہیں ہے۔ ضد، شوخی، شرارت، کسی بات پر مچل جانا۔ اپنی بات منوانے کے لئے رونا چلانا۔ یہ کچھ بھی نہیں ہے تم میں۔ کیسا مردہ سا دل تمہارے سینے میں ہے جو میں کھلاؤں کھا لیتی ہو۔ جیسا پہناؤں چپ چاپ پہن لیتی ہو نہ کسی چیز کی خواہش نہ فرمائش۔ نہ کہیں آنے جانے۔ گھومنے پھرنے تفریح کرنے کا خیال۔ تم ایسی کیوں ہو بیٹی۔ کیا ڈرتی ہو مجھ سے؟"

نویرہ کی معصوم آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ دو منٹ چپ چاپ رہ کر خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتی رہی پھر گلوگرفتہ لہجے میں بولی "امی میں بھی تو دیکھتی ہوں کہ آپ دن بھر محنت کرتی ہیں۔ نوکریاں بناتی ہیں دوسروں کے کپڑے سیتی ہیں۔ آپ آرام نہیں کرتیں آپ کے سر میں درد ہوتا ہے آپ تب بھی کام کرتی رہتی ہیں۔ صرف اسی لئے نا امی کہ آپ تھوڑے سے پیسے جمع کرلیں۔ اگر میرے ابا اتنی جلدی آپ کا ساتھ نہ چھوڑ جاتے تو آپ بھی دوسری عورتوں کی طرح ابا کی کمائی پر چین سے گزر بسر کرتیں آپ کو یہ محنت نہ کرنی پڑتی۔ امی۔ یہ سب دیکھتے سمجھتے میں آپ سے کیسے فرمائش کروں کہ امی مجھے سونے کا کنٹھا لے دیجئے مجھے قیمتی کپڑے

[illegible] بچئے۔ مجھے کھانے پہننے کا یہ۔ آپ کی محنت کے پیسے [illegible]
[illegible] برباد کرتے مجھے دکھ ہوتا ہے امی۔ میں بہت مجبور ہوں آپ کے
لئے کچھ نہیں کر سکتی۔ اگر میں بہت زیادہ پڑھی لکھی ہوتی تو کہیں ملازمت
کرتی اور آپ کو آرام سے بٹھاتی آپ کی خدمت کرتی۔ امی۔ میری امی میں
آپ کے لئے کچھ بھی تو نہیں کر سکتی!"

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی!

بیگم جعفری کو سکتہ سا ہو گیا۔ نویرہ کے اس طرح بے ساختہ رونے
سے ان کا دل بھر آیا۔ بے چاری بچی جو ہمیشہ چپ چاپ رہتی ہے۔ شاید
یہ سب کچھ سوچا کرتی ہے انہوں نے اُسے اپنے سینے سے بھینچ لیا اور
خود بھی رونے لگیں۔ پھر وہی دیر تک آنسو بہاتی رہی تھی۔ نویرہ تو ماں
کے سینے سے لگ کر جیسے جنت میں پہنچ گئی آنکھیں بند کر لیں۔ رونا
بھول گئی کیسا سکون تھا ماں کے سینے میں۔ سارے دکھ پگھل گئے تھے۔
وہ تو کوثر و تسنیم کی ٹھنڈی میٹھی لہروں میں بہی جا رہی تھی!

"میری بچی۔ اس طرح مت سوچا کر۔" بیگم جعفری کہہ رہی تھیں۔
"آج تو تو نے میرے سینے سے دل نکال لیا۔ یہ سب کچھ تیرا ہی ہے میری
بٹیا۔ یہ گھربار، سامان، روپیہ پیسہ، کھانا پانی سب تیرے ہی دم
کا اُجالا ہے۔ نوی۔ میرے مرحوم شوہر کی پیاری نشانی تو نہ ہوتی تو یہ کچھ
نہ ہوتا۔ میں کسی درگاہ کا گوشہ سنبھالتی اور ساری عمر گزار دیتی۔ نوی۔
اب اس طرح بڑوں کی مانند نہ سوچا بیٹی۔ جو تیرا جی چاہے۔ کھانے
کے لئے، پہننے کے لئے، مجھ سے ضد کر کے، مچل کے، [illegible] لیا
کر میری بچی میری اب یہی خوشی ہے

وہ ان کی مہک بھی سانسوں سے چکھتی رہی۔ کچھ نہ بولی۔

"اچھا بیٹی۔ اب جا کے کپڑے پہن لے۔" وہ اس کا منھ چوم کے بولیں۔ "پھر میں اپنے ہاتھ سے تیرے بال گوندھوں گی۔ جا میری لال۔ دیر نہ کر۔ ثاقب کو شکایت نہ ہو۔ انہوں نے اتنی محبت سے جلدی کر کے بلایا تھا۔ ہم دیر سے پہونچے!"

"اچھا امی!" پھول کی طرح کھلی ٹریرہ کپڑے پہننے بھاگی! پھر جب وہ لباس تبدیل کر کے آئی تب بیگم جعفری کی نگاہوں نے سو سو بلائیں لیں۔ کتنی پیاری لگ رہی تھی۔ ہلکا کاسنی رنگ کا چوڑیدار پاجامہ۔ خوبصورت کاسنی رنگ کا پھولوں کا نیچا سا پاکیزہ کرتا جس پر ہر تنگ پھول بکھرے تھے۔ اسی رنگ کا حباب سا ڈوپٹہ جس کے کناروں میں نہایت نفیس باریک اور خوشنما جھالر لگی تھی!

وہ بن سج کے تیار ہوئی تو خود بھی حیران رہ گئی۔ آج تک اسے پتہ ہی نہ چلا تھا کہ وہ بھی اتنی اچھی لگ سکتی ہے۔ امی نے آنکھوں میں کاجل لگا کے چہرے کی گلابی زیادہ اُجاگر کر دی ہے۔ وہ شرما گئی۔ بھلا دادی اماں۔ پھوپھی جان یہ سب کیا کہیں گے۔ لیکن وہ خوش بھی بہت تھی!

"کمرے بند کر کے تالے لگا دو!" بیگم جعفری نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ اماں جان دو ایک روز رہنے پر مجبور کریں!"

"جی اچھا!"

دروازے پر آہٹ ہوئی۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ مسز رباب ہاتھوں میں ایک ڈش سنبھالے کھڑی تھیں! ٹریرہ ان سے ڈرنے لگی تھی۔ ابھی تک اس نے بیگم جعفری سے یہ نہیں کہا تھا کہ ان کے مہمان نے اس کی کس قدر توہین کی تھی۔ جب

سے پہلے تو وہ اسی کو خفا ہو گئیں: آخر وہ نیچے گئی ہی کیوں تھی۔ جبکہ ہمیشہ وہ اُسے سختی سے منع کرتی رہتی تھیں۔ اب مسز رباب پر ایک پُر نفرت نظر ڈال کر وہ پلٹی اور کمرے بند کر کے کنڈیوں میں قفل ڈالنے لگی ! ۔

" آئیے۔ مسز رباب " بیگم جعفری نے اوپری دل سے کہا۔" اچھی تو رہیں آپ ؟ سُنا تھا کہ کچھ طبیعت ناساز تھی ! "

" ہاں ۔ وہ۔ کچھ فلو ہو گیا تھا۔ جاتی سردیاں ہیں مگر قیامت ڈھا رہی ہیں۔" وہ آگے بڑھ کر کرسی پر ٹک گئیں اور ادھر ادھر دیکھا۔" یہ کیا۔ کہیں جا رہی ہیں آپ ؟ " ڈش انہوں نے ریڈیو کی میز پر رکھدی ۔

"جی ہاں !" بیگم جعفری نے اخلاقاً مسکرا کر جواب دیا۔" اپنی سسرال جا رہی ہوں۔" وہ ہنسنے لگیں۔" بہت دنوں بعد ہماری ساس صاحبہ کو ہماری یاد آئی ہے۔"

" ہاں۔ ساس کا حکم ٹالا نہیں جاسکتا ۔" مسز رباب بھی مسکرانے لگیں۔ پھر بولیں۔" میں بچوں کے لئے تھوڑے سے کباب لائی تھی۔ ایک جان پہچان والے صاحب نے بہت سا ہرن کا گوشت تحفتہً بھجوایا تھا۔ میں نے سوچا کہ چلو کباب ہی بنا لوں۔ نویرہ ۔ بیٹی۔ چکھو تو سہی۔ مزے کے بنے ہیں !"

وہ ہاتھ میں کنجیوں کا گچھا لئے پلٹی۔ مسز رباب کی آنکھیں تارہ بن کر اسی پر لگ گئیں۔ ایک مردانہ آواز ان کے دماغ میں گونجی ۔

" دس ہزار، بیس ہزار، پچاس ہزار۔ اس کے لئے یہ قیمت بھی کم ہے وہ ہر مول میں سستی ہے ۔"

" اوہ بھولا بھالا بے خبر حسن۔ ستم بالائے ستم۔ قیامت در قیامت۔ ان کی حلق خشک ہو گئی۔

"خالہ۔ میں کھا نا کھا چکی ہوں" نویرہ بول رہی تھی۔ "آپ کا شکریہ۔ آپ میرا اتنا خیال رکھتی ہیں۔ مگر اب یہ کباب۔!"

"لے لو بیٹی۔ انکار نہیں کرتے۔ بری بات ہے" بیگم جعفری نے کہا۔ "ہم کباب اپنے ساتھ لے جائیں گے وہاں سب مل کے چکھیں گے!"

"اچھا امی!" نویرہ نے کباب اپنی پلیٹ میں نکال لئے اور ڈش دھو کر مسز رباب کے حوالے کر دی۔

"کب واپس آرہی ہیں آپ؟" انہوں نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"کہہ نہیں سکتی!" بیگم جعفری نے جواب دیا۔ "اپنے لوگ ہیں اگر روک لیں تو رکنا پڑے گا۔ جاتی اپنی مرضی سے ہوں آؤں گی ان کی مرضی اور اجازت سے! کیوں۔ آپ۔ کیا بات ہے۔ کچھ فکر مند اور پریشان سی لگتی ہیں!"

آپ کے رہنے سے کتنی آبادی ہوتی ہے" مسز رباب نے کہا۔ "دیر تک اوپر روشنی جلتی ہے۔ چلنے پھرنے کی آوازیں آتی ہیں۔ جگار سی رہتی ہے میرا دل بھی نہیں گھبراتا۔ اب الجھن سی ہو رہی ہے کہ میں اکیلی کیسے رہوں گی؟"

"آپ اکیلی کہاں ہوتی ہیں۔ ماشاء آپ کے گھر کی چہل پہل کا کیا پوچھنا ہنسی مذاق، گانا بجانا" بیگم جعفری نے کہا۔ "ساری رات رت جگا تو آپ کے ہاں ہوتا ہے۔ اکیلی تو میں ہوتی ہوں۔ مسز رباب۔" وہ ہنسنے لگیں۔ مسز رباب کا یہ حال تھا جیسے کوئی سر بازار انہیں چپتیں مار رہا ہو۔ بیگم جعفری کے لہجے میں چھپے برف کے تیر ان کے دل کے پار ہوئے جا رہے تھے

"پھر بھی جلدی چلی آیئے گا" انہوں نے گلا صاف کر کے کہا۔

"اچھا اچھا!" بیگم جعفری بولیں۔

جب وہ چلی گئیں تب انہوں نے کہا "نوی۔ بیٹی کباب باہر نالی میں پھینک دو۔

نویرہ اس قسم کے احکام کی عادی تھی۔ آج تک بیگم جعفری نے مسز رباب کی کوئی چیز نہ تو خود چکھی تھی نہ نویرہ کو کھانے دی تھی یا اس نے پلیٹ اٹھا کر باغ میں الٹ دی۔

کچھ دیر بعد وہ خادمہ سے سواری منگوا کر چلی گئیں۔ مسز رباب نے ماں بیٹی کو جاتے ہوئے دیکھا اور کلیجہ پکڑ کر رہ گئیں۔

اب کیا ہو گا۔ ان کی آنکھوں میں اندھیرا چھا رہا تھا اور سینے میں سانس نہیں سما رہی تھی۔

اندر ہال میں کوئی لڑکی پیانو بجا رہی تھی ایک لڑکا کسی فلمی گیت کی نقل کر رہا تھا لیکن مسز رباب کو کسی چیز سے دلچسپی نہ تھی۔ وہ تو یہ سوچ سوچ کر خون سکھا رہی تھیں کہ عاطر کے دیئے ہوئے ہفتے سے چار روز یونہی کشش و پنج میں گزر چکے تھے۔ مزید دو روز باقی تھے۔ جب وہ سر پر سوار ہو جائیں تو کیا ہو گا؟ ان کا کلیجہ منہ کو آ رہا تھا۔ مارے وحشت کے انہیں یہ تک خیال نہ تھا کہ وہ کسی بے گناہ کی عصمت کا سودا کرنے کا گناہ کر رہی تھیں۔ خیال تھا تو بس یہی کہ شہر بھر میں کہیں ان کی نام نہاد شہرت کا ڈنکا نہ پھٹ جائے۔ خودکشی کی نوبت نہ آ جائے۔ وہ عاطر کی سخت گیری کو بخوبی جانتی تھیں۔

کیا بہانہ کیا جائے۔ وہ اپنے کمرے میں ٹہل رہی تھیں اور مسلسل سوچے جا رہی تھیں۔ کوئی ٹھوس بہانہ جسے عاطر جھوٹ نہ سمجھیں!

یک بیک ہال کا نغمہ خاموش ہو گیا اور یوں لگا جیسے سب لڑکے لڑکیاں اچانک صحن کی طرف بھاگ نکلے ہوں۔ وہ مردہ قدموں سے دہلیز تک آئیں!

"اوہ۔ مسز رباب۔ غضب ہو گیا!" ایک لڑکی آنکھیں پھاڑ کر بولی۔

"کیا ہوا؟" وہ گھبرا گئیں۔

"…ہے۔ وہ اپنی مسز جولی تھی نا؟" مسز ولکنس نے سینہ تھام کر کہا: "اسکی ممی پر ہارٹ اٹیک ہو گیا۔ ابھی ابھی خبر آئی ہے کہ وہ بے چاری بس ایک ہی حملے میں چل بسیں۔ اوہ میرے خدا۔ ارے ابھی ہفتہ بھر قبل ہم لوگ جولی کی سالگرہ میں گئے تھے۔ تب وہ ہر طرح صحت مند تھیں۔ آہ۔ ہا۔ آدمی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ ابھی ہے ابھی نہیں۔ ہائے ہائے جولی۔ کس طرح پچھاڑیں کھا رہی ہو گی؟۔ آپ چلیں گی مسز رباب اس کے ہاں۔ جانا تو ضروری ہے۔ وہ اپنی پرانی اسٹوڈنٹ ہے!"

مسز رباب کی آنکھیں چمکنے لگیں!۔

شکر خدا کا۔ انہوں نے آنکھیں بند کر کے دل ہی دل میں کہا۔ خود بخود ایک بہانہ پیدا ہو گیا!

پھر جب رات کے آٹھ نو بجے وہ سارا گروپ جولی کے گھر سے آیا تب پتہ چلا کہ مسز رباب خود بیمار ہو گئی ہیں!

وہ اپنی خواب گاہ تک جاتے جاتے دفعتہً دھڑام سے گر پڑیں اور لمبی لمبی لیٹ گئیں!

اِدھر اُدھر سے لوگ دوڑے۔ انھیں سنبھال کر اٹھایا مسہری پر لٹایا۔ اور پھر ان میں بھگدڑ پڑ گئی۔ کسی نے چہرے پر پانی چھڑکا۔ کسی نے ہتھیلیاں سہلائیں۔ کوئی ڈاکٹر کو لانے بھاگا!

ڈاکٹر کے آنے تک وہ بے سدھ پڑی گہری گہری سانسیں لیتی رہیں۔ صاف ظاہر تھا کہ بے چاری کا دل کمزور تھا۔ حملہ زوردار ہوا۔ جولی کے ہاں بھی تو وہ نہایت مغموم اور سست نظر آ رہی تھیں۔ ڈاکٹر نے آ کر تصدیق کر دی فوری نرسنگ ہوم میں منتقل کر دیا جائے۔ چنانچہ فوراً تا مسز رباب نرسنگ ہوم پہونچا دی گئیں!! ابتدائی ٹریٹمنٹ شروع ہوا جب سب تیمار دار

انہیں آرام کرنے کی ہدایت دے کر وارڈ سے چلے گئے تب انہوں نے آنکھیں کھولیں اور بے اختیار مسکرائیں۔ کچھ سوچا اور آپ ہی آپ ہنس کر بولیں:
دو تین ہفتے تو یونہی گزر جائیں گے۔ دل کی بیمار اتنی جلدی گھر کب جاتے ہیں۔
اور کمبل میں منہ چھپا کر ہنسنے لگیں۔
انہیں اپنے کاروبار کی قطعی فکر نہ تھی۔ یہی چاہتی تھیں کہ جلد سے جلد غارت ہو کر رہ جائے! بُری طرح بیزار ہو چکی تھیں۔
لیکن اپنا سوچا ہوا پورا کب ہوتا ہے۔ جب وعدہ عاطر اس شام "کاٹیج" میں آنکلے۔ بڑی افراتفری دیکھی۔ ملازمہ سے پتہ چلا کہ مسز رباب نرسنگ ہوم چلی گئی ہیں! بس خون ہی تو اتر آیا ان کی آنکھوں میں!
"تمہیں معلوم ہے اچھی طرح کہ وہ قلب پر حملہ ہی تھا؟" انہوں نے اپنی بھاری آواز میں ملازمہ سے یوں کہا کہ وہ سہم گئی!
"جی سرکار!" وہ کانپتی ہوئی بولی۔ "مالکن بیہوش تھیں۔ لوگ ہاتھوں پر سنبھال کر انہیں لے گئے تھے!"
"سینے میں درد ہوا تھا؟" عاطر نے ایک لڑکی سے پوچھا۔
"سینے میں درد ۔۔۔ جی نہیں تو۔ میں نے تو نہیں سُنا۔ شاید ہوا ہو ۔۔۔"
لڑکا بھی بھونپو کی سی آواز سے ڈر گیا۔
"مطلب یہ کہ درد کی شکایت نہیں کی۔ یا تم نے ڈھنگ سے معلوم نہیں کیا؟
جناب۔ شروع سے اخیر تک میں پاس رہا تھا؟" لڑکے نے جواب دیا۔ "مجھے بھلا کیوں نہ معلوم ہوتا۔ بس وہ جولی کی والدہ کے مرنے میں گئی تھیں۔ وہاں سے واپس آئیں تب یہ ہوا کہ ۔۔۔!"
"بس!" عاطر نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔ "آگے میں سمجھ چکا

ہوں۔" پھر وہ فرمائے۔" تم نے محسوس کیا کہ ان کے پسینہ خوب نکلا تھا؟"

"نہیں جناب — پسینہ۔" وہ زیرلب مسکرایا۔" پسینہ کیوں نکلتا۔ سردی کا موسم ہے!"

"ہوں۔ نرسنگ ہوم کا پتہ کیا ہے؟"

"جی۔ وہ ڈاکٹر رائے بہادر کا پرائیویٹ نرسنگ ہوم ہے۔ وہیں گئی ہیں!"

"اچھا اچھا!" عامر نے کہا۔ ایک قہر آلود نظر لڑکے پر ڈالی اور باہر چلے گئے۔

دُور دُور چند لوگ بکھرے تھے۔ ایک نے کہا۔" ارے جنگلی ہے پورا۔ کسی کی دکھ بیماری سے واسطہ ہی نہیں ہے۔ کیسے سوال کر رہا تھا جیسے کوئی انسپکٹر ہو۔ چوری کی تحقیقات کرنے آیا ہو —!"

"جسم اور دولت پر گھمنڈ بہت ہے سالے کو!" دوسرے نے کہا۔

"ہے تو بہت شاندار آدمی!" ایک لڑکی نے تفریحی انداز میں کہا۔ "سُنا ہے کہ بمبئی میں اس کا بہت بڑا کاروبار ہے؟"

"سُنا ہم نے بھی ہے۔ ارے مسز رباب کے خوشہ چینوں میں غریب کون ہے؟"

سب ہنستے ہوئے ادھر اُدھر ہو گئے۔ آج کل مسز رباب کی غیر موجودگی میں یہاں کوئی خاص گرماگرمی نہیں تھی! ایک آدھ لڑکی کسی ساز پر مشق کرنے لگی۔ ایک صاحبزادے کسی کے شباب سے مفت فائدہ اٹھانے لگے۔ اور کچھ اکتا کر چل دیئے!

عامر نے باہر نکل کر اوپر دیکھا۔ زینے کا آخری جالی دار دروازہ بند تھا۔

گاڑی میں بڑا سا تالا لٹک رہا تھا!

انہوں نے نچلا لب دانتوں میں جکڑ لیا۔

"جال، فریب، چکمہ —" انہوں نے نہایت غصّے سے سوچا۔ یہ چالبازیاں بہت پرانی ہو گئی ہیں! ایسے کتنے کھیل میں نے نہیں کھیل ڈالے

"چوکیدار — !" انہوں نے مڑ کر پکارا۔

وہ اپنے اسٹول سے اُٹھ کر لپکا۔

"تمہیں معلوم ہے۔ وہ لوگ جو اوپری منزل پر رہتے تھے۔ کہاں گئے ہیں؟"

"جی حضور! اتنا پتہ ہے کہ وہ مکاندار بیگم صاحبہ اپنی صاحبزادی سمیت کہیں گئی ہیں! ان کی ماما — !"

"یہ تو میں بھی دیکھ رہا ہوں کہ گئی ہیں مگر میں پوچھتا ہوں۔ گئی کہاں ہیں۔" اب کی وہ گرجے غصّہ ناک کی پھننگ پر دھرا رہتا تھا۔

"یہ میں نہیں جانتا سرکار — !

"دفع ہو جاؤ !"

وہ اسٹول پر جا بیٹھا۔

عاطر اپنی گاڑی میں بیٹھ کر چلے گئے!۔

سرِ شام کا کہر آلود دھندلکا کائنات پر اُترنے لگا تھا۔ سڑکوں پر روشنی ہو گئی تھی اور زندگی جاگ پڑی تھی۔ دکانوں پر ہجوم تھا۔ ایک جگہ بہت بھیڑ تھی۔ شاید کوئی فلم چھوٹا تھا۔ اندر تھیٹر سے ہجوم باہر نکل رہا تھا۔ اور باہر سے فلم دیکھنے اور ثواب جاریہ لوٹنے والے بلبلا کر اندر گھس رہے تھے۔ عجیب تماشہ تھا۔ ایک

کار اٹک گئی! اور کئی تا تاریں ہم کالیاں ان کے لبوں پر پھیل گئیں
"مائی باپ رحم کرو۔ میں تین دن کے فاقے سے ہوں۔ میرا بچہ بھوک سے مر رہا ہے۔" ایک نیم عریاں عورت ان کی گاڑی کے پاس آئی اور
پیٹ پر ہاتھ مار مار کر گھگھیانے لگی!

"ہشت!"

"مر جاؤں گی میرے باپ۔ مر جاؤں گی۔ اپنے قدموں کا صدقہ دیدو۔ اللہ تم پر اپنا رحم کرے گا۔"

انہوں نے ہونٹ چبائے۔ ایک نگاہ فقیرن اور اس کی گودڑی میں لپٹے بچے پر ڈالی پھر جیب سے کوئی نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ عورت بھوکے گدھ کی طرح لپکی۔ اور نوٹ جھپٹ لیا۔

ہجوم چھٹ گیا۔ ان کی کار آگے بڑھ گئی۔ عورت مٹھی میں نوٹ کو دبائے کار کی پچھلی روشنی دیکھتی رہی حتیٰ کہ وہ آگے جا کر کھو گئی! پھر اس کی دھندلی آنکھوں سے آنسو اور پپڑی بندھے لبوں سے دعاؤں کا جھرنا پھوٹ نکلا!

"سو روپے کا نوٹ دیا تم نے دیا تو سیٹھ۔ میرا مولیٰ تمہارے حساب میں سو ہزار نیکیاں لکھ دے۔ تم پر اللہ اپنی رحمت کا سایہ کر دے۔ تم ہمیشہ خوش رہو۔ اپنا مرادوں کو پہونچو۔ ہائے۔ میرے پیٹ میں تو آگ لگی ہے اب میں پیٹ بھر روٹی کھاؤں گی!"

وہ ایک بیکری کی طرف بڑھ گئی!

[illegible]
[illegible]

دل کا مرض بڑا نامراد ہوتا ہے۔ یہ مرض کیسے لگ گیا آپ کو!"
عاطر قصاب کی مسز رباب کی صحت مند آواز سنی "ارے۔ مرض ورض کچھ نہیں ہے۔ شریفہ بی، اللہ نہ کرے کہ مجھے یہ نامراد مرض لگے! کچھ ایسی ہی بات تھی کہ میں بہانہ کرکے یہاں آئی ہوں۔ بڑا آرام ہے مجھے یہاں۔ مفت کے طاقت کے انجکشن، مفت کی دوا ہے۔ پھل پھلاری ہیں۔ سب سے بڑا آرام یہ کہ گھر کے دوزخ سے بڑی دور ہوں!"
"ہائے بیگم صاحب۔ یہ بہانہ آپ نے کیوں کیا؟"
"ارے تم سے کیا پردہ۔ کہے دیتی ہوں۔ کل کو تم کہاں ہو گی میں کہاں ہوں گی۔ سنو بیوی۔ ایک خونخوار بھیڑیا میری جان کا گاہک ہو گیا تھا۔ کیا کرتی۔ یہاں آ گئے ــــ!"
"بھیڑیا۔ پروردگار۔ آپ کو بچائے۔ ارے آبادی میں بھیڑیا کہاں سے آ گیا۔ بیگم صاحب۔ کسی نے دیکھا نہیں اسے۔ مارا نہیں موذی کو!"
"تم بڑی بیوقوف ہو۔ تبھی تو لڑکے کی مار کھاتی ہو۔" مسز رباب نے خاصہ جاندار قہقہہ لگایا۔ "میرا مطلب تھا کہ ایک بڑا غصہ ور ظالم اور ضدی آدمی میرے پیچھے پڑ گیا تھا۔ اتنا وحشی اتنا ظالم ہے کہ بس اُسے بھیڑیا ہی سمجھو۔ اس سے پناہ نہ دیکھ کر میں نے بہانہ بنایا اور یہاں آ کر پڑ گئی ہوں۔ سب کو یہی معلوم ہے کہ میں دل کی بیمار ہوں۔ اب کوئی میرے دل میں گھس کے تو دیکھا گا نہیں ــــ!" انہوں نے بات ختم کر کے قہقہہ لگایا۔ اور کچھ رک کر بولیں: "اچھا تو تمہارا لڑکا ــــ!"
اچانک ان کی مخاطب عورت اچھل پڑی۔ "ہائے اللہ ــــ یہ کون ہے؟"
"کک۔ کہاں؟" مسز رباب نے اس کی متابعت میں دروازے کی طرف

دیکھا اور ان کی روح کھنچ کر لبوں پر آ گئی۔ وہ اس رُخ سے نظریں نہ ہٹا سکیں!

عورت صورت حال کی نزاکت کو دیکھ کر اٹھی اور باہر چلی گئی!

"آ آ آپ — م — مسٹر آ تر — آپ — یہ یہ — یہاں — !" وہ مرنے لگیں —!

"جی ہاں — مجھے آپ کی عیادت کا حق نہیں پہونچتا کیا —؟" وہ بڑے اطمینان سے دیوار سے ٹیک لگا کر تر چھے کھڑے ہو گئے تھے! "مجھے آپ کی حالت بے حد تشویشناک لگتی ہے۔ کیونکہ آپ کی آواز اور آپ کے لہجے میں بھی لکنت پیدا ہو گئی ہے۔ آپ آرام سے بستر پر لیٹ جائیے نا۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں اسی عالم میں آپ کی روح پرواز کر جائے۔ میں لٹا دوں آپ کو بڑے آرام سے؟"

وہ خاموش ہانپتی رہیں!

"یہ سارا ڈرامہ آپ نے مجھے بیوقوف بنانے کے لئے کیا تھا" عاطر نے بدستور سرد لہجے میں کہا "مجھے جھٹلانے کی کوشش مت کیجئے۔ میں سب کچھ آپ کی زبان سے سن چکا ہوں.... کب چل رہی ہیں گھر؟"

"مسٹر عاطر یقین کیجئے۔ وہ — وہ لوگ — نہیں ہیں۔ کہیں چلے گئے ہیں" بدقت تمام وہ بولیں۔

"ہاں۔ میں دیکھ آیا ہوں۔ وہ لوگ نہیں ہیں۔ سچ سچ بتائیے — آپ نے ان کو کہاں بھگایا ہے۔ مجھے اُڑن گھائیاں نہ بتائیے گا — میں آپ کا سارا گندہ کاروبار تہس نہس کر دوں گا۔ آپ کی وہ حالت بناؤں گا کہ آپ چیخ چیخ کر اپنی موت کو آواز دیں گی اور موت آپ سے بھاگے

گی۔ تب بے شک آپ پر قلب کا حملہ ہوگا اور وہ سچا ہوگا۔ اس وقت آپ
ایڑیاں رگڑیں گی اور کوئی تیماردار آپ کے پاس نہیں آئے گا۔!"
"میں آپ کو کیونکر یقین دلاسکوں گی کہ وہ ماں بیٹی اپنے عزیزوں میں
گئی ہیں۔ آپ مجھے سچی کیوں نہیں۔ کیا وہ میرے بھگانے سے بھاگ سکتی ہیں؟
مسٹر عاطر۔ خدارا کچھ انتظار کیجئے۔ کچھ صبر کیجئے۔ آپ کو آخر مجھ پر اعتماد
کیوں نہیں رہا؟"
"تمہارے ڈھونگ کی کہانی میں سن چکا ہوں۔ یہ سوال بیکار ہے"
اب عاطر نہایت حقارت اور استہزا سے آپ سے تم پر آ گئے۔!
"ہاں میں آپ سے خوفزدہ تھی۔ مگر۔ انسان کو اپنی۔ تھوڑی بہت عزت بھی
پیاری ہوتی ہے۔ اب میں نے دل مضبوط کر لیا ہے۔ جہاں گلے تک گناہ
کی دلدل میں غرق ہوں۔ وہاں سر بھی غرق ہو جائے تو کیا۔ میں اس لڑکی کو
کس طرح آپ کے حوالے کر دوں گی..... ہاں۔ یہ میری حماقت ہی تو تھی۔
آپ کی عطا کردہ مہلت کبھی تو ختم ہوتی۔ یہ ڈھونگ میں نے کیوں پھیلایا
نجانے کیا سمجھی تھی!"
"مسز رباب۔ میں جب تک خاموش ہوں بس یہ سمجھو کہ تمہاری نام نہاد
عزت پہ بھی پردہ پڑا ہوا ہے ورنہ میں کیا نہیں جانتا تمہارے بارے
میں۔ تم نیو ظاور اسکول کی ٹیچر تھیں۔ پھر ہیڈ مسٹریس بن گئیں اور معصوم
اُستانیوں اور۔ بے خبر لڑکیوں کو۔۔۔!"

مسز رباب نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپالیا۔ عاطر نے ایک قہقہہ لگایا
اور کہا۔ "بس! اب یہ اداکاری مجھے متاثر نہیں کر سکے گی۔ تمہیں آج ہی
شام کو گھر واپس آنا چاہئے۔ میں کل سہ پہر کو آؤں گا۔!"

"مسٹر عاطر۔ آخر وہی۔ وہی لڑکی کیوں ۔ ؟"

"دوبارہ آپ یہ سوال نہ کیجئے گا۔ آپ میری عادت جانتی ہیں!" عاطر نے نہایت خشک لہجے میں کہا۔ اور واپسی کے لئے مڑے۔ کچھ دور جاکر وہ پھر واپس ہوئے اور غریب مسز رباب پھر گھبرا گئیں۔ کیا کرے گا یہ وحشی؟ اب کیا سر میں سمائی ہے؟

"مسز رباب ۔ ؟"

وہ ہانپنے لگیں۔ شاید کوئی نیا نا قابل عمل حکم سنائے!

"میں نے آپ سے نامناسب گفتگو کی ہے۔ میں کچھ بے قابو ہو جاتا ہوں۔ آپ اسے میرے پاگل پن پر محمول کر دیجئے گا۔ پلیز۔ ہاں۔ یہ آپ کے مہلک اور موذی مرض کے علاج کے لئے ہے۔" انہوں نے چند بڑے نوٹ ان کے تکیئے کے پاس پھینکے اور ایک استہزائیہ قہقہہ لگا کر واپسی کے لئے مڑ گئے!

مسز رباب پر گھڑوں پانی پڑ گیا!

وہ دھندلی آنکھوں سے انہیں طویل راہداری میں جاتے دیکھا کیں۔ کیسا شاندار مہذب حسین اور تعلیم یافتہ انسان ہے۔ مگر اتنا ہی وحشی، غصہ ور، ضدی، آخر اپنی کثیر دولت ان برائیوں پر کیوں برباد کر رہا ہے۔ شادی کیوں نہیں کر لیتا ۔ ؟ انہوں نے نوٹ گنے۔ پانچ سو تھے ۔ باچھیں کھل گئیں۔ وہ گھر جانے کی تیاری کرنے لگیں!!!

اگرچہ کہ بیگم جعفری مدتوں بعد اپنے شوہر کے رشتہ داروں میں گئی تھیں

لیکن یوں لگتا تھا جیسے سب انہیں پلکوں پر بٹھائیں گے دل میں رکھیں گے۔ نہ کوئی شائبہ عناد کا تھا نہ کوئی شبہ کسی دشمن کا۔ ان کی بوڑھی خوشدامن انہیں گلے لگا کر بہت روئیں۔ نندیں، دیور، ان کے بچے وغیرہ بھی سب بے حد محبت اور خلوص سے ملے۔ بیگم جعفری پچھتانے لگیں۔ ناحق الگ رہ کر پریشان ہوا کیں۔ یہاں کیا بُری ہوتیں۔

"اے بھابی۔ بس اب پرانی باتیں بھول جاؤ۔ یہیں آ کے ہم سب میں رہو! کتنا بُرا لگتا ہے۔ ہم سب ایک جگہ رہتے ہیں۔ ہنستے بولتے۔ دکھ سکھ میں ساتھ دیتے ہیں اور تم بچی سمیت اتنی دُور پڑی ہو ۔۔۔؟ وقت ہر قسم کا عناد اور مخالفت دھو ڈالتا ہے۔ تمہارے سامنے بچی ہے۔ کل کلاں کو اس کے بیاہ شادی کا مسئلہ درپیش ہوگا تم اکیلی کیا کر سکو گی۔ اللہ چاہے گا ہم سب مل کے اسے اٹھائیں گے۔ تم نے دیکھا نہیں۔ اللہ رکھے۔ بڑے بھیا کی لڑکی کیسے دھوم دھام سے بیاہی گئی ہے۔"

"ہاں۔ منجھلی باجی۔ تم سچ کہتی ہو۔ کاہے کی دشمنی، کہاں کی مخالفت، ایک مٹی کے گھروندے کے لئے۔ وہ تو میں نے لڑکی کے نام کر دیا۔ اب میں بہت شرمندہ ہوں۔ مجھے وقت دو۔ میں وہ گھر کسی اور کو بھی کرائے پر دے دوں اور اپنا سارا سامان اٹھا لاؤں۔ میرا بھی جی نہیں چاہتا۔ وہاں رہنے سے الجھن ہوتی ہے۔ لڑکی الگ باؤلی باؤلی سی پھرتی ہے۔ یہاں کم سے کم اپنے بہن بھائیوں کے بیچ میں رہے گی ۔۔۔!"

"ہاں ہاں۔ ماشاء اللہ دیکھ لو۔ جب سے آئی ہے۔ شکل نہیں دکھائی۔ اپنی بہنوں میں گھُسی ہے۔"

"اللہ رکھے اب ثاقب میاں کا بیاہ ہوگا۔ اس میں تو تمہیں سارا انتظام ا"

ثاقب کی امی نے کہا "ثاقب یہاں نہیں تھے۔ بیگم جعفری کا دل دھڑکا۔ انھیں ایک جھوٹ بولنا تھا جی کڑا کر کے اور ثاقب کی خوشنودی کی خاطر انہوں نے پوچھا۔

"کہاں بات لگی ہے۔ آپا جان۔ سچ جانیئے۔ اس خبر سے بڑی خوشی ہوئی۔"

"ارے۔ وہ ہیں نا۔ آبکاری کے انسپکٹر فیاض حسن صاحب۔ ان کی سب سے چھوٹی لڑکی ہے۔ ہم دیکھ آئے ہیں اُسے۔ اچھی خاصی بچی ہے۔ پڑھی لکھی گن ونتی! مگر یہ ثاقب جانے کیوں ناراض ہے۔ ہرگز راضی نہیں ہو رہا۔ آج کل سلیقہ مند لڑکیاں ملتی کہاں ہیں۔ نگوڑ ماریاں کالج اور یونیورسٹی کا منھ دیکھ کر چار آنکھیں کر لیتی ہیں۔ پھر تو بیوی سٹنڈریوں سے سینما کے حرام کاروں اور ججنیوں کا شجرہ سُن لو۔ یہ نہ پوچھو کہ سوجی کے حلوے میں موئی شکر پڑتی ہے کہ گوبر!"

بے حد ناگوار انداز میں ثاقب کی امی نے بات ختم کی!

"فیاض صاحب کی بچی۔" بیگم جعفری نے فوری رٹا رٹایا سبق دُہرا دیا۔ "! ارے آپا جان۔ آپ نے صرف لڑکی دیکھی ہے اور اس پر فدا ہو گئی ہیں۔ کچھ خاندان کی بھی چھان بین کی ہے؟"

"بی مشاطہ نے کہا تھا کہ ــــ!"

یہی تو ہم ان سے کہہ رہے تھے کہ پہلے خاندان کی چھان پھٹک کرو۔" بیگم جعفری کی بڈھی پھونس سن سفید ساس نے پوپلا منھ چلا کر کہا۔ "یہ دیکھو کہ خاندان کیسا ہے۔ خالی خولی اچھی لڑکی سے کیا ہوتا ہے۔ لڑکی گھر میں آجائے تو تعلق اس کے سارے کنبے سے ہو جاتا ہے۔

۔ ثاقب تو عجیب عجیب باتیں کر رہا تھا۔ ہم نے کان نہ دیا۔ تم بیٹیا کچھ جانتی ہو تو بتاؤ!"

"جی ہاں۔ اماں جان" بیگم جعفری بولیں "مجھے تو خوب معلوم ہے کہ فیاض صاحب کا سٹے کا اڈہ ہے۔ اکثر پولیس دھاوے کرتی ہے ۔ کچھ دے دلا کر اس کا منہ بند کرتے ہیں اور بڑا لڑکا بھی ہوٹلوں میں امیر کبیر لوگوں کو جوا کھلاتا ہے۔ میں تو پسند نہیں کرتی کہ ایسے غلط کام کرنے والے لوگ ثاقب کے سسر اور سالے کہلائے جائیں ۔!"

"اے سچ ۔ ؟!" بڑی کا منہ عجیب سا بن گیا۔ بیگم جعفری جو خواہ مخواہ کسی بھلے مانس پر تہمت رکھ کر بری طرح ندامت محسوس کر رہی تھیں وہ چپ رہیں۔

دفعتہً ایک طرف سے ثاقب کی آواز آئی "سن لیا۔ نانی اماں آپ نے ۔ مجھے آپ ہمیشہ جھوٹا۔ فریبی اور نہ جانے کیا کیا بناتی تھیں ۔ اب فرمائیے۔ امی تو کچھ غلط نہیں کہہ رہی ہیں؟"

ثاقب کے والد نے کہا "نہ سہی۔ فیاض صاحب کا خاندان۔ لعنت بھیجو۔ ہم تو بھئی اس بات کے قائل ہیں کہ گھر ہی میں جب ماشاءاللہ لڑکے لڑکیاں موجود ہیں تو پھر ادھر ادھر جھانکتے پھرنا قطعی لغویت ہے ! کیوں جی۔ عامرہ ۔ !" انہوں نے بیوی کو مخاطب کیا۔

۔ چیں بجبیں ہو کر وہ بولیں "آپ ہی نے ٹھیل ٹھیل کر بھجوایا تھا۔ ثاقب تو کہہ رہے تھے کہ ابھی انہیں اپنا مستقبل بنانا ہے!"

"ثاقب ؟" اقبال صاحب نے بیٹے کو مخاطب کیا۔

"جی ۔" وہ چونکے!

"میاں۔ تم کیا کہتے ہو!"

ثاقب جھوٹ موٹ شرمائے۔ "آپ سب بزرگوں کی موجودگی میں میں کیا کہہ سکتا ہوں!"

"اپنا اختیار ہمیں دیتے ہو؟"

"جی۔ بالکل!"

"اچھا تو ہم کہتے ہیں کہ ہماری بچی نویرہ کیا بری ہے۔ ہم نے جب سے اُسے دیکھا ہے بس اس کی ہر ہر حرکت پر سبحان اللہ کہہ رہے ہیں۔" اقبال صاحب بولے۔ "رفیعہ نے اُسے بے مثال لڑکی بنایا ہے۔ خاموش طبع، حیادار، شرمیلی، سلیقہ شعار۔ خدا کی قسم ثاقب کے لئے نویرہ سے اچھی کوئی اور لڑکی نہیں ملے گی۔ رفیعہ! بھائی تم بہت دنوں بعد ہم میں واپس آئی ہو۔ خلوص کی تجدید پر ثاقب و نویرہ کی منگنی کی مُہر لگنی ضروری ہے۔ رفیعہ؟" وہ اچانک بیگم جعفری سے مخاطب ہو گئے۔

"جی!" خوشگوار حیرت کے مارے لب نیم وا کئے وہ اقبال صاحب کو دیکھ رہی تھیں۔

"کچھ کہو تم بھی۔ ہاں۔ یا نہیں!" اقبال صاحب ہنسنے لگے۔

"میں بھی یہی کہوں گی اقبال بھائی۔ آپ سب بڑوں کے ہوتے میں کیا کہوں۔ ثاقب بھی آپ کے نویرہ بھی آپ کی!" وہ یکبارگی سسک پڑیں۔ "اقبال بھائی۔ مجھے معاف کر دیجئے۔ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کے ہاتھوں اتنے برسوں میں نے بہت تکلیفیں اُٹھائیں۔ آپ سب کی محبت نہیں پہچانی۔ میری کتنی بڑی فکر آپ نے آن کی آن میں دُور کر دی۔ اقبال بھائی جلدی ان کی منگنی کر دیجئے۔ اور جلدی اُس

منحوس گھر کا کچھ بندوبست کیجئے! میں اب آپ ہی سب کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔"

"ضرور ضرور" تقریباً سب ہی حاضرین ایک زبان ہو کے بول پڑے۔ ان کے دیور کا لڑکا شکیل جلدی سے بولا" تو پھر چچی جان ہم آپ کا سامان وہاں سے لے آئیں۔ اب آپ وہاں کیوں جائیے گا!"

"میاں سترہ سال کی گرہستی ہے!" بیگم جعفری نے کہا۔ بے حد خوش تھیں" میں ایک دو دن کے لئے جاؤں گی اور سب اکٹھا کروں گی پھر تم سارا سامان لے آنا۔ اس کے علاوہ مجھے اپنی کرایہ دار کو بھی نکالنا ہے! دس سال سے ڈیرہ جمائے بیٹھی ہیں!"

"ارے نکالو گی انھیں خواہ مخواہ ـــ" شکیل کے والد ربانی صاحب نے کہا" بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ اوپری منزل بھی کرائے پر دے دو۔ اگر کچھ روپیہ اس طرح ملتا ہو تو کیوں چھوڑا جائے! مکان تو بہر حال تمہارا رہے گا۔ ہے نا!"

"اب وہ میرا نہیں رہا!" بیگم جعفری بے حد خوبصورتی سے ہنسنے لگیں "میں نے اسے ثاقب کے نام کر دیا۔ بہتر ہو اقبال بھائی کہ پکا کاغذ منتقلی کا لکھ دیجئے!"

مردوں نے قہقہہ لگایا۔ عورتیں ہنسنے لگیں۔" غیروں سے بیوپار ہے رفیعہ؟ یہ تم کیسی باتیں کر رہی ہو۔ یہاں جو کچھ ہے وہ بھی تو تمہارا ہی ہے۔ سب ایک دل ایک خیال ہوں تو ہمارا تمہارا کیا ـــ! اس مکان کو تم نوزیرہ ہی کے نام رہنے دو!"

"نہیں نہیں۔ آپ کو میری یہ چھوٹی سی بات ماننی ہی پڑے گی ـــ"

بیگم جعفری نے کہا۔
" ماموں اتنا سوچ لیجئے کہ اگر پھر کبھی آپ وہاں ایک روز کے لئے بھی گئیں تو میں یومیہ دو سو کے حساب سے چارج کر دوں گا۔" ثاقب نے کہا۔ ان میں دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔
اور بڑی دیر سے ایک خلش آمیز فکر ثاقب کو ستا رہی تھی۔ وہ پرزہ جو نویرہ نے ان پر اپنی بالکونی سے پھینکا تھا جس میں لکھا تھا۔
ایک ضروری بات آپ سے کہنی ہے۔ کہاں ملوں کیسے کہوں۔ ٹالیے نہیں۔ میں بہت پریشان ہوں۔
یہ پرزہ بھالے کی انی کی طرح ان کے دل میں چبھا ہوا تھا۔ ہر روز موقعہ تلاش کر کے اس سے بات کرنے کی کوشش کرتے۔ لیکن وہ برسوں کی بچھڑی چچازاد پھوپھی زاد بہنوں میں ایسی گم ہوئی۔ پھر دکھلائی ہی نہ دی! ثاقب بھی پریشان تھے آخر انہوں نے اپنی چھوٹی بہن ناہید کو پکڑا۔ نویرہ ہی کی ہم عمر تھی مگر بلا کی شریر اور طرار۔ نویرہ کا سا بیوقوف اور کم سخن نہ تھی۔
" یار سنو۔" ثاقب نے سر کھجاتے ہوئے اس سے کہا۔" تم سے ایک بے حد ضروری کام آپڑا ہے!"
بات کاٹ کر وہ بولی۔" سمجھتی ہوں۔ ضروری کام۔ آپ کی منگنی طے ہو چکی ہے اور آپ چاہتے ہیں کہ میں اپنی ہونے والی بدھو بھابی سے آپ کے ملنے کا موقعہ فراہم کروں۔ یہی نا۔ ملا یئے اسی بات پر ہاتھ۔ دالا ہاتھ۔!"
ہاتھ ملانے کی بجائے ثاقب نے اس کا کان پکڑ لیا اور ہنستے ہوئے

بولے: "سچ کہتا ہوں۔ غریب اختر پناہ مانگ مانگ کے رہ جائے گا۔
جناب۔ یہ بدھو بھائی ہیں تو وہ بھی تو میرا اوّل نمبر بلکہ ڈی لکس بدھو
ہے۔ حال یہ ہے کہ راستے میں کہیں ملتے ہیں بدولت تو۔ جھک کر سلام کرتے
ہیں اور شرم کے مارے چقندر ہو جاتے ہیں۔ دل چاہتا ہے کہ سالے کو ایک
جھاپڑ ڈی لکس کے دوں مگر تمہارا خیال آتا ہے اور بس۔"

"بھائی جان۔ یہ رشتہ تو آپ کا ہے۔" ناہید کھلکھلا کر ہنسی اور اپنا
کان چھڑا کر دور جا کھڑی ہوئی۔

ثاقب کچھ جھینپ گئے! ناہید ہنستی ہوئی بولی: "اچھا اچھا آپ
روئیے بسوریئے نہیں۔ میں ان چھوئی موئی محترمہ کو شام کو باغ میں پہنچا
دوں گی۔ لیکن دیکھئے وارننگ، شام کے دھندلکے میں یوں ان کے سامنے
نہ چلے آئیے گا کہ وہ آپ کو حضرت بھوت سر کٹوں سمجھ کے ایک چیخ ماریں
اور لمبی ہو جائیں۔ بُری طرح آپ کی پول کھلے گی۔ سمجھے!"

ثاقب نے بڑے خلوص سے جواب دیا: "میں اناروں کے پیچھے رہوں
گا۔ تم پہلے ہی سے سمجھا رکھنا۔ اچھا؟"

"آپ ان سے کہئے گا کیا؟" ناہید تشویش سے بولی: "پہلے تو یہی
سوال اہم ہے کہ وہ آپ سے ملنے پر راضی بھی ہوں گی۔ آپ کا نام سنتی
ہیں اور سر سے پاؤں تک شرما کر رہ جاتی ہیں!"

ثاقب ہنسنے لگے: "سر سے پاؤں تک۔ میں نہیں سمجھا!"

"مطلب یہ کہ اس طرح شرماتی ہیں کہ چہرہ تو انگارہ ہو ہی جاتا ہے۔
ہاتھ کانپتا ہے۔ ہونٹ لرزتے ہیں۔ سر جھک جاتا ہے۔ مگر میرا دل
نہیں چاہتا ہے کہ انہیں سمیٹوں اور اپنے کلیجے میں رکھ لوں!"

"بالکل ایک معجزہ سا ہوا ہے نا۔ گمان تک نہ تھا کہ یہ صاحبزادی !"

"میں تو خوش ہوں کہ فیاض صاحب کی چھوکری سے پنڈ چھوٹا۔ وہ لڑکی ذرا اچھی نہیں تھی۔ سُنا ہے کہ بی اے تھی۔ آپ کو تو پل پل اٹھک بیٹھک کرایا کرتی ــ !"

"ناک پکڑ کر چھت پر پھینک دیتا آلو کی پٹھی کو۔ غن غناتی ہوئی جا کے گرتی پرلی طرف جھاڑ جھنکاڑ میں ــ !"

"ناہید ؟" کسی نے آواز دی۔

"یاد رکھنا۔ پلیز ــ !" ثاقب نے کہا اور بھاگ کر اپنے کمرے میں ہو رہے۔

بیگم جعفری کی "بازیابی" اس خاندان میں اس قدر پُر مسرت اور دل خوش کن تھی کہ جیسے گھر میں عید کا سماں تھا۔ بڑی اماں نے ماما سے کچھ خاص چیزیں پکوائی تھیں۔ لڑکیاں ان کے لئے وہی بڑا ہوا دار کمرہ صاف کر رہی تھیں جس میں وہ جعفری صاحب کی زندگی میں رہا کرتی تھیں۔ سب بہت خوش تھے ! اس دن مرد اپنے کام پر بھی نہیں گئے۔ بیگم جعفری کی ایک دیورانی ڈگری کالج میں لیکچرار تھیں۔ وہ ناغہ کئے بیٹھی ہنس بول رہی تھیں ــ بیگم جعفری کی خوشیوں کا عالم نرالا تھا۔ سب سے زیادہ خوشی اس بات کی تھی کہ کسی سان گمان کے بغیر ان کی بیٹی کا مستقبل بن گیا تھا !

ناہید نے کسی بہانے نویرہ کو اپنے کمرے میں بلا لیا۔ دو ایک دن میں وہ بھی سب سے بے تکلف ہو گئی تھی ! ناہید جان بوجھ کر اس سے کھلے کھلے مذاق نہیں کرتی تھی کہ وہ شرما کے رہ جائے ؟ اس نے اپنے اور اس کے نئے رشتے کو بھی قصداً نہ محسوس کیا نہ کرایا۔

"آؤ کچھ دیر اکیلے میں باتیں کریں۔ مارے اُن کم بختوں نے چیخ چیخ کرکے دماغ کی چولیں ہلا دیں۔" ناہید بولی۔ اور مسہری پر ترچھی لیٹ کر نویرہ کو بھی اپنے پاس کھینچ لیا۔

"مجھے تو باتیں کرنا ہی نہیں آتا" نویرہ بولی۔ "البتہ سب کی باتیں میں سنتی بے حد شوق سے ہوں!"

ناہید نے اِدھر اُدھر کی گفتگو شروع کر دی۔ پھر اچانک بولی۔ "اچھا سنو۔ تم اس رشتے پر خوش ہو نا!"

نویرہ کے لب کپکپانے لگے۔ "تمہارا مطلب ہے کہ اب میں اٹھ کر چلی جاؤں؟"

"پھر وہی۔ ارے ہم عمروں میں ہزار طرح کی راز کی باتیں ہوتی ہیں۔" ناہید بولی۔ "آپس میں شرم و رم کیا۔ یہاں کوئی بزرگ تھوڑی ہے جو تمہیں شرم آرہی ہے ارے سال بھر ہوا میری منگنی بھی تو ہو چکی ہے۔ بھائی جان کے کوئی دوست کے چھوٹے بھائی کے ساتھ! تم نے نہیں سنا کیا؟ بڑے احمق سے آدمی ہیں! تم سے بڑھ کے شرملتے ہیں۔ اختر نام ہے! ابھی انکی تصویر دکھاؤں گی!"

"توبہ تم بڑی تیز ہو ناہید۔ ان بیچارے کا نام لیتی ہو۔" نویرہ بولی۔

"نام لینے میں کیا مصیبت ہے۔ ابھی اصل خیر سے نکاح تو ہوا نہیں جو چٹ سے ٹوٹ جائے۔" ناہید ہنسنے لگی۔ "میں تو ان سے ملتی بھی ہوں۔ خوب بہت سی باتیں کرتے ہیں ہم۔ !!!"

"چلو ہٹو۔!"

"نہیں۔ سچ۔ اچھا اگر تم سے بھائی جان باتیں کرنا چاہیں تو کیا تم انکار کر دوگی؟"

"مر جاؤں گی شرم کے مارے!"

"واہ بھئی۔ وہ تو تمہارے گھر جاتے آتے رہتے ہیں۔ تم ان سے ملتی بھی

رہی ہو۔ پھر بھلا اب باتیں کرنے میں مروگی کیوں ؟ "
سمجھ ہی میں نہیں آئے گا۔ کیا کہوں۔ کیا نہ کہوں !
" نویرہ ؟ "

" ہاں ! "
تم سے بھائی جان ملنا چاہتے ہیں۔ تھوڑی سی دیر کے لئے !

" کیا ؟ "
انکار مت کرنا۔ انہوں نے میری بڑی خوشامد کی ہے۔ کہہ رہے تھے کہ بس پندرہ منٹ کے لئے۔ نویرہ کو باغ میں بھیج دینا۔ وہ پرلی طرف والے اناروں کے پیچھے آج شام تمہارا انتظار کریں گے۔"
نویرہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ناہید کو گھورنے لگی۔ جیسے اندازہ لگانا چاہتی ہو۔ وہ مذاق تو نہیں کر رہی ؟۔
میری اچھی بہن۔ انہیں مایوس مت کرنا۔ نجانے کیا کہنا چاہتے ہیں۔ تم نہیں جاؤگی تو ان کا دل ٹوٹ جائے گا ! کیا ان کے دل کو دکھانا تم پسند کرتی ہو ___ ؟۔
" مم۔ مگر۔ میں وہاں تک جاؤں گی کیسے ؟ " نویرہ دم بخود تھی۔
" ارے شام کو گھر بھر کے بچے باغ میں آلم فلم کھیل کھیلنے کے لئے جاتے رہی ہیں۔ تم بھی چلی جانا اور بس ادھر ادھر دیکھ کر چپکے سے کھسک لینا !"
" ڈر لگتا ہے ناہید ! " اس نے جھرجھری سی لی۔
" میں بھی تو موجود رہوں گی۔ ارے۔ بزدل، ڈرپوک۔ کچھ تو نڈر اور بولڈ بنو۔ تمہیں مامی نے سچ مچ بل کی چوہیا پر دے کا ہوا بنا کر رکھ دیا ہے۔ آج کل یہ بڑھتی ہوئی شرم، بزدلی۔ کام نہیں آتی۔ زمانہ بہت تیزی سے بدل رہا ہے۔

اس کے ساتھ بھاگنے کی ہمت پیدا کرو۔ ورنہ آگے بھاگنے والوں کی گرد میں گم
ہو کر رہ جاؤں گی۔ سمجھیں!"

نویرہ نے ایک نامکمل سی سانس لی اور ہنسنے لگی۔ ناہید کی نصیحت
اس کے دل کو لگی تھی۔ اسے بھی تو شکایت تھی کہ بیگم جعفری نے اسے ترقی
پسند معاشرے سے قطعی الگ کر رکھا تھا!

اس شام اتفاق سے کوئی باغ میں نہیں آیا۔ بڑے بیگم جعفری سے باتیں
کرنے میں مگن تھے۔ اور لڑکے کوئی میچ دیکھنے جا چکے تھے۔ لڑکیاں کچن میں
مصروف تھیں! موقع نہایت عمدہ دیکھ کر ناہید نویرہ کو لے کر باغ میں آ گئی

شام ہو چلی تھی۔ نکھرے ستھرے آسمان پر تارے جھلملانے لگے تھے۔ ایک
طرف نو یا دسویں کا خوبصورت چاند بھی چاندنی بکھیرنے لگا تھا۔ اونچے اونچے
درختوں پر شفق کی سرخی کپکپا رہی تھی۔ اور گھنے پھلدار درختوں میں چڑیاں
چہچہا شور مچا رہی تھیں۔ یہاں وہاں کوئی نہ تھا! حتیٰ کہ دور سڑک پر بھی
کوئی راہ گیر نظر نہ آ رہا تھا!

ناہید نے گردن اونچی کی۔ اور کچھ دیکھ لیا کہ ثاقب بے چارے مہاتما
بدھ بنے بیٹھے تھے۔ فرق صرف یہ تھا کہ مہاتما بدھ کے چہرے پر سکون
ہوتا ہے اور اس ملاوان بدھ کے چہرے پر بے چینی، گھبراہٹ اور بے وقوفی
پن مسلّط تھا۔ ناہید کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ ہنستے ہنستے اس نے
نویرہ سے کہا۔

"جاؤ!"

اور اسے دھکیل کر بھاگ گئی۔

"ہائے اللہ۔۔۔!" نویرہ کی چیخ اس کے لبوں پہ گھٹ گئی۔ اُدھر ثاقب

نے فوراً اسے سنبھال لیا۔ وہ ہانپ رہی تھی! بڑی دیر میں خود پر قابو پا سکی
ویسے شرما تو رہی تھی! بولی "دیکھئے۔ یہ ناہید بڑی شریر ہے۔ وہ مجھے۔
زبردستی یہاں لے آئی ہے۔ آپ کو جو کچھ۔ کہنا ہو۔ جلدی سے کہہ دیجئے تو
پھر میں جاؤں۔ آپ نے بُلایا تھا مجھے!"

ثاقب بے حد پیار سے میٹھی میٹھی نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔
کتنی پیاری ہے۔ کتنی بھولی بھالی ہے۔ گلابی لباس میں لپٹی۔ چاندنی میں
ملفوف۔ یوں لگ رہا ہے کہ جیسے چاندنی انہی سفید سفید عارضوں سے
پھیل رہی ہو۔ بے خبری میں وہ مسکرانے لگے۔ کسے خبر تھی کہ تقدیر اس
طرح ان پر اچانک مہربان ہو جائے گی!

"بولیئے نا!" نویرہ نے پلکیں اُٹھائیں اور انہیں اپنی طرف دیکھتا پا کر
پھر جھکا لیں۔

ثاقب نے ایک طویل سانس لی۔ اور آہستہ سے بولے "میں بولوں۔
بولنا تو تمہیں ہے!"

"مجھے۔۔؟" حیرت سے وہ پھر انہیں تکنے لگی۔

"ہاں!"

"مگر!"

"یاد نہیں رہا!" وہ ہنسنے لگے! "اوپر سے چِٹھی میرے سر پر پھینکی
تھی۔ دیکھوں گی بتاؤں؟"

دفعتہً اس کا چہرہ سفید پڑ گیا۔

"ڈرو نہیں" ثاقب نے کہا اور اس کا ننھا سا مومی ہاتھ اپنے ہاتھوں
میں دبا لیا "تمہاری بات صرف مجھ تک رہے گی۔ کہہ دو جب سے تم سنے یہ

خلش دلادی ہے بس یہ سمجھو کہ ایک گھڑی انجمن میں بیٹھا ہوا ہوں۔ تو تیرہ۔ کیا کوئی ایسی بات ہے جو تم مامی سے بھی کہہ نہ سکی تھیں ؟

"جی !"

"بولو۔ بولو۔ گھبراؤ یا شرماؤ نہیں۔ میں تو تمہارا ہوں نا۔ مجھ سے بھی تکلف کروگی ؟ ؟"

"تب میں بڑی پریشان تھی !" جان پر کھیل کر نویرہ نے بالآخر کہا۔

"اب نہیں رہی پریشانی ؟ "

"جی نہیں "

"تب ہی کیا تھی ؟ "

"آپ کچھ سوچیں گے تو نہیں ؟ "

"نہیں بھئی بالکل نہیں۔ میں کیوں کچھ سوچوں گا ؟ "

اور پھر بڑی دیر تک سوچ کر نویرہ نے مسز رباب کی مصروفیتوں کے بارے میں انہیں بتایا۔ یہ بھی کہا کہ وہ بیگم جعفری سے چھپ کر گئی تھی اور کسی بدتمیز آدمی نے اُسے جنگلی بلی کا خطاب دیا تھا۔ یہ کہا تھا کہ وہ خلوت میں کتنی پُرلطف اور مزے دار ثابت ہوگی ! اتنا سب کچھ کہہ چکنے کے بعد اس نے الٹا ثاقب سے پوچھا۔

"آپ ہی بتائیے کہ آخر اس بدتمیز آدمی کا مطلب کیا تھا۔ کیا لڑکیاں بھی کوئی کھانا پانی ہیں کہ پُرلطف اور مزے دار ثابت ہوتی ہیں۔ سچ بتائیے وہ آدمی کیا پاگل تھا ؟ "

"وہ بدمعاش تھا !" ثاقب نے کہا۔ "اور وہ عورت مسز رباب بھی اوّل نمبر کی نفنگی معلوم ہوتی ہے۔ بہت اچھا ہوا کہ مامی نے تمہیں وہاں جانے اور

اور ان رنگ رلیوں سے محظوظ ہونے کی اجازت نہیں دی ؟ نویرہ ؟ وہ بازاری عورتیں ہیں ان کی دوستی اچھی نہیں۔ اچھا اب یہ بتاؤ کہ پھر کبھی تو اس عورت نے تم سے کوئی ایسی ویسی بات نہیں کی ؟ ۔"

"جی نہیں !"

"خدا کا شکر ہے کہ تم ہمارے یہاں آگئی ہو۔ یہ کام تو منجانب اللہ ہوا ہے۔ اگر تمہارا قیام وہاں مستقل رہتا تو نجانے وہ بدچلن عورت تمہیں بھی کون سا نقصان پہونچا دیتی.... ہاں تو۔ بس یہی پریشانی اور الجھن تھی تمہیں؟"

"جی ہاں۔ امی سے کہہ نہ سکی تھی وہ خفا ہوتیں۔ میری سمجھ میں یہی آیا تھا کہ آپ سے کہہ کے مطلب پوچھنا چاہیئے۔" بے حد بھولپن سے اس نے کہا اور پھر بولی"۔ بازاری عورتیں کیسی ہوتی ہیں۔ میں بھی تو امی کے ساتھ کتنی مرتبہ بازار گئی تھی ! امی نے شال اوڑھی تھی مجھے برقعہ پہنا دیا تھا۔ کہتی تھیں کہ ایسا بُرا پڑوس ہے کہ میں تمہیں اکیلی نہیں چھوڑنا چاہتی۔ میری سمجھ میں تو کچھ آتا نہیں۔ امی ان سے اس قدر نفرت کرتی تھیں۔ آپ کو نہیں معلوم۔ ان کے ہاں سے اگر کوئی چیز آتی تھی تو امی نالی میں بہا دیتی تھی۔ کہتی تھیں کہ ناپاک پیسے کی چیز ہے حلق سے پار نہ اُترنی چاہیئے۔ تمہاری رگوں میں میری محنت کی کمائی کا خالص خون دوڑ رہا ہے !"

اُف فوہ۔ لاعلمی کی بھی انتہا ہے۔ ثاقب نے سوچا۔ مامی نے بڑی غلطی کی۔ اسے زمانے کے نشیب و فراز سے کچھ تو آگاہ کرنا ہی چاہیئے تھا۔ بھلا بیس سال کی لڑکی۔ کہیں ایسی باتیں بھی کرتی ہے !

پھر انہوں نے سوچا کہ اب اسے اپنے گھر تو جانا ہی نہیں ہے۔ مسز رباب اور ان کے رفقا جائیں جہنم میں۔ آہستہ آہستہ وہ نویرہ کو اچھی بری باتیں

سے واقف کرا دیں گے۔ نجانے کب کیسا وقت آجائے۔ یہ بے چاری تو آسانی سے شکار کر لی جائے گی!

اب خاصہ اندھیرا ہو چلا تھا۔ اناروں کے جھنڈ کافی گنجان تھے۔ چاندنی دور روشوں میں چمک رہی تھی۔ ثاقب نے اسے تاکید کی کہ اس ملاقات کا حال کسی سے بھی نہ کہے۔ پھر اسے چپکے سے اجالے میں پہونچا کر خود باغ کے پھاٹک سے باہر نکل گئے!!!۔

اقبال صاحب نے دو ہی روز میں اپنے بیٹے کی منگنی کا سامان یوں کر دیا جیسے کہ شادی ہی کر رہے ہوں! بڑے چیپا نے پر سب کو دعوت دی۔ آناً فاناً بیٹے بہو کے ملبوسات سلوائے۔ اُدھر بڑی بی نے اپنی بہو کے قیام کے لئے پہلے والا کمرہ درست کروادیا۔ بیگم جعفری اس کمرے میں آئیں تو پچھلا نقشہ آنکھوں میں پھر گیا! یہی کمرہ خود بھی دلہن بنا تھا جب وہ دلہن بن کر یہاں آئی تھیں کیسے دن تھے جن کی یاد اب رُلا رہی تھی۔ لیکن وہ کتنی بدقسمت تھیں کہ سہاگ کے چار برس بھی نہ گزرے تھے کہ قدرت نے بیوگی کی سفید چادر سر پر اُڑھا دی اور پھر بٹوارے کے بعد تو دنیا ہی درہم برہم ہو کر رہ گئی!

وہ دیر تک کھلے دریچے کے سامنے کھڑی دور دور کے مناظر دیکھا کیں!۔ سب کچھ جوں کا توں تھا۔ وہ بڑی مسجد، اس کے سنہرے کلس، پاس ریڈی صاحب کا باغ، دور پر ریل کی پٹریاں ۔۔۔ اگر بدلی تھیں تو وہ خود ۔۔ چالیس بیالیس کی عمر ہو چکی تھی۔ وہ بیوہ کہلاتی تھیں!

دو آنسو ان کی پلکوں پر اُلجھے اور مُرجھائے ہوئے گالوں پر بہہ گئے !۔
"چچی، آیئے۔ دادی اماں چائے پینے کے لئے بلا رہی ہیں" ننھی روبی انہیں پکار رہی تھی !
چپکے سے سر جھکا کر انھوں نے آنسو پونچھے اور باہر نکلیں۔
دالان میں سب لوگ اکٹھا تھے۔ اپنوں کی یکجائی بھی انسان کے لئے کتنی بڑی نعمت ہے۔ انہوں نے سوچا۔ اور غمناک خیالات ذہن سے جھٹک دیئے !
ان کی دو نندیں تھیں اور وہ بھی یہیں رہتی تھیں۔ اب تو وہ دونوں نانی بن چکی تھیں۔ تین دیور تھے ایک جعفری صاحب سے بڑے بھائی تھے۔ ان کی ساس نے سب پر اپنا اسقدر رعب قائم رکھا تھا کہ ابھی تک ہانڈی چولہا الگ نہیں ہوا تھا۔ سب ایک جگہ پکاتے کھاتے تھے۔ بڑا اچھا معلوم ہوتا تھا۔ ہنسی مذاق ہوتا۔ سب دُکھ سُکھ میں ساتھ دیتے۔ روز عید بقرعید کا سا ماحول ہوتا۔ سب کے بچے اور ان کے بچے تھے۔ گھر تو کناروں پر سے چھلکتا۔ بیگم جعفری کی خوشی لازوال تھی۔ اتنے اپنوں میں ان کی معصوم نوّیرہ کتنی خوش اور محفوظ رہے گی !فرطِ مسرت سے ان کا دل قابو سے باہر ہو رہا تھا !
طے یہ ہوا تھا کہ اسی شام کو بیگم جعفری گھر جائیں گی اور سامان اکٹھا کر لیں گی۔ دوسری صبح شکیل، جمیل، ثاقب اور گھر کے مرد ملازم جا کے ٹرک میں سامان بار کر کے لے آئیں گے۔ بڑی اماں کہہ رہی تھیں کہ وہ نوّیرہ کو یہیں چھوڑ جائیں۔ مگر وہ ثاقب کا سامنا کرتے اس قدر شرما رہی تھی کہ ثاقب کی امّی نے کہا۔ ایک ہی رات کی تو بات ہے۔ وہ اسے ساتھ لے جائیں۔ سامان جمع کرنے میں مدد دے گی !
"ہم کل صبح ہی پہونچ جائیں گے !" شکیل بولے "اب آپ کی جُدائی دیر تک

برداشت نہیں ہوتی چچی!"

"ناشتہ میرے پاس ہی کرنا!" بیگم جعفری بڑی محبت سے بولیں۔

"اللہ چچی آپ کے آنے سے کتنا اچھا لگ رہا ہے۔ آپ بڑی مبارک قدم ہیں۔ آپ آئیں اور ہمارے گھر میں شادیانے بجنے لگے؟" رخشندہ بولیں۔

"چشم بد دور!" بڑی اماں نے کہا۔

دفعتاً وہاں باورچن بھاگی آئی۔ بے حد وحشت زدہ سی لگ رہی تھی۔ سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے!

"کیوں کیا ہوا۔ کیا بات ہے؟" ربانی صاحب بولے۔

"منجھلے سرکار، جلدی چلیئے۔ چوکیدار کے بچے کو دورے پڑ رہے ہیں۔" باورچن نے دل تھام کر کہا۔ "آپ آوازیں نہیں سن رہے حضور۔ اس لئے کوٹھری میں رونا پیٹنا پڑا ہے۔"

"ارے بے چارہ بچہ۔" بڑی اماں نے کہا۔ "بڑا اُچھلرو اایسا ہے۔ یہی تو میں کہوں کہ آج دکھائی کیوں نہ دیا۔ جاؤ۔ دیکھو جا کے۔ کیا ہوا ہے غریب کو۔ ذرا سا بھی بخار آتا ہے۔ بے چارے پر دورے پڑنے لگتے ہیں۔"

"اب کیا ہوگا ۔۔؟" بیگم جعفری نے سینہ تھام لیا۔

"پریشان ہونے کی بات نہیں۔ ڈاکٹر کو بلواتا ہوں۔" ثاقب نے کہا۔ "وہ دوا دے گا۔ رات تک ٹھیک ہو جائے گا۔ اس پر ایسے دورے ہمیشہ پڑتے ہیں۔ مامی۔ آپ گھبرائیے نہیں!"

سب کے سب اُٹھ کر چوکیدار کے بچے کو دیکھنے چلے گئے۔ بڑی اماں نے بیگم جعفری سے کہا۔ "دلہن۔ تم اپنا کام کرو۔ خواہ مخواہ کیوں گھبراتی ہو۔ اشرف سے سواری منگواؤ اور آرام سے جاؤ۔ ایک ہی رات کی تو بات ہے۔ میں صبح ہی

لڑکیوں کو بھجوادوں گی پھر اللہ چاہے گا تم ہمیشہ کے لئے میرے پاس آجاؤ گی!"
انہوں نے جھک کر ساس کے قدم مقام لئے اور گلوگرفتہ لہجے میں بولیں
"امّاں جان۔ ایک بار اور میرے اطمینان کی خاطر کہدیجئے کہ آپ نے مجھ قصوروار کے قصور معاف کر دیئے! امّاں جان۔ جانے کیوں۔ میرا دل بھرا آرہا ہے۔"
"خدا خدا کرو بی بی، یوں دل بھاری کیوں کرتی ہو" بڑی بی نے اپنی مظلوم بہو کا سر سینے سے لگا لیا۔ پیشانی چومی اور تسلی دی۔" تمہارے اطمینان کی خاطر کہے دیتی ہوں۔ میں نے تمہار الڑکپن معاف کیا۔ میرے اللہ نے معاف کیا بیٹی۔ سچ جانو کہ جھوٹ۔ میں نے تو ہمیشہ یہی چاہا کہ تم اور لڑکی میرے مرحوم بیٹے کی نشانی ہو میرے سینے سے لگی رہو۔ مگر خدا کو جو منظور تھا وہ ہوا خیر۔ دکھ کے اندھیارے چھٹے اب سکھ کا اُجالا پھیلے گا۔ پروردگار تمہیں سلامت رکھے۔ اپنی بچی کی لاکھوں خوشیاں نصیب کرے۔ اب جاؤ سدھارو! انشا اللہ کل ملیں گے!"
"اچھا اماں جان۔ آداب! کل آؤں گی!"
نویرہ نے بھی جھک کر دادی کو سلام کیا۔ سواری آگئی تھی۔ ماں بیٹی سب سے مل ملا کے رخصت ہوئیں!
چوکیدار کی کوٹھری میں کہرام برپا تھا! گھر بھر کے لوگ اس کے دروازے پر جمع تھے! حواس باختہ۔ پریشان سے!
"کیا ہوا۔ بچہ کیسا ہے؟" ہانپتی ہوئی سانسوں کو قابو میں کر کے بیگم جعفری نے پوچھا۔ ان سے وہ لرزہ خیز آوازیں سُنی نہ گئیں۔
باورچن آنچل سے آنسو پونچھتی ہوئی بولی" اُسے ہمیشہ سے بڑے بڑے

دوڑے پڑتے تھے۔ بہو بیگم۔ ہمیشہ ہی لوٹ پوٹ کر اچھا ہو جاتا تھا، مگر آج"
"آج ۔۔؟" دم روک کر انہوں نے پوچھا۔
"ختم ہو گیا۔ بہو بیگم! ماں کی حالت دیکھی نہیں جاتی۔ دو سال کا کتنا پیارا ہنستا کھیلتا بچہ تھا!"
"اللہ ۔۔!" وہ دھک سے رہ گئیں۔ دل سے صدا آئی۔ بدشگونی!
چلیے امی۔ میرا دل اُلٹا آ رہا ہے!" نویرہ وحشت زدہ تھی۔
"اللہ سب پر رحم کرے!" بیگم جعفری کی ساری خوشیاں مٹی ہو گئیں نویرہ کا ہاتھ تھام کر آٹو رکشے میں جا بیٹھیں۔
"امی۔ کیا وہ بچہ مر گیا!" نویرہ نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔
"ہاں بی بی۔ بے چاری کو کھ جلی کو اب اللہ ہی صبر دے۔ میرا تو دل اُلٹا آ رہا ہے۔ کس بُری طرح رو رہی تھی بے چاری!"
پھر راستے بھر دونوں خاموش رہیں!
اپنے گھر پہونچیں تو اور بھی وحشت سوار ہوئی۔ مسز رباب کا ہال بند تھا۔ نہ تو کسی لڑکی لڑکے کا پتہ تھا نہ ان کی ملازمہ اور لڑکا دکھائی دے رہا تھا۔ ہر طرف سنّاٹا طاری تھا جہاں دن بھر ہو حق مچا رہتا تھا۔ گانا بجانا ہوا کرتا تھا۔ اب قبرستان کا منظر پیش کر رہا تھا!
"کہاں گئے یہ سب کے سب؟" بیگم جعفری بھونچکا تھیں۔ ابھی وہ گیٹ پر ہی کھڑی تھیں۔ پڑوسی سے پوچھا۔ یہ بے چارے ایک ریٹائرڈ اسکول ماسٹر تھے بڑے مفلوک الحال اور منکسر المزاج۔ انھوں نے ان کے استفسار پر جواب دیا۔
"ارے۔ کیا آپ کو پتہ نہیں۔ بی بی۔ مسز رباب تو بیمار ہو کر نرسنگ ہوم

میں پڑھی ہیں۔ ان کے طالب علم بھی نہیں آرہے۔ وہی نہیں ہیں تو بچے بچیاں آکے کیا کرتے؟"

"کیا بیمار ہو گئیں مسز رباب؟" ایک دوسرا دھکا بیگم جعفری کے دل پر لگا!

"جی وہ قلب پر حملہ ہوا تھا۔ بڑا شدید۔ سنا ہے کہ مرتے مرتے بچیں۔"

"خدا رحم کرے!"

اب وہ بے حد پچھتا رہی تھیں۔ ناحق بھرے پُرے خاندان سے اس خرابے میں آئیں۔ آج اپنا گھر انھیں کاٹنے آرہا تھا! اوپر پہونچیں۔ اور صوفہ پر گرتی ہوئی کراہیں۔ نویرہ بھی بے حد مضطرب لگ رہی تھی!

"بٹیا کچھ چائے بناؤ۔ سر میں درد ہو رہا ہے!"

"اچھا امی!" نویرہ جس نے کسی کا کہنا ٹالنا سیکھا ہی نہ تھا۔ مرے مرے قدموں سے کچن کی طرف چلی گئی۔

چائے وائے کے بعد ان کے ہوش کچھ ٹھیک ہوئے تو وہ اُٹھ کر سامان اکٹھا کرنے لگیں۔ کم از کم اسی مصروفیت میں دل لگ جاتا۔ نویرہ بھی دوڑ دوڑ کر ماں کا ہاتھ بٹانے لگی تھی۔ دس گیارہ بجے رات تک ان لوگوں نے تقریباً "رختِ سفر" تیار کر لیا اور اطمینان کی سانس لی۔

رات کا کھانا ثاقب کی امّی نے ساتھ کر دیا تھا۔ کھا پی کر رات گئے دونوں ماں بیٹی نے عشاء کی نماز پڑھی اور چونکہ تھکی ہوئی تھیں۔ ایک ہی پلنگ پر لیٹ کر جلد ہی بے خبر سو گئیں!

اور پھر حسب معمول بیگم جعفری فجر کے وقت جاگیں۔ پاس نویرہ نہ تھی انہوں نے سوچا کر غسلخانے میں ہوگی! اس کے انتظار میں وقت ضائع کرنا فضول

بجھا کر وہ کچن میں آئیں۔ شکیل، جمیل اور ثاقب وغیرہ کو ناشتے کی دعوت دے آئی تھیں۔ سوچا کہ جلدی سے پراٹھے پکالیں۔ آملیٹ بنالیں ـــ! ایک نیا انقلاب ان کی جامد ہستی میں آنے والا تھا!

"یہ لڑکی کیا غسلخانہ میں سو گئی ہے!" جھلا کر انھوں نے دروازے پر ہاتھ مارا۔ مگر نہ ہوں نہ ہاں صدائے برنخواست۔ انھوں نے دروازہ کھول دیا۔ غسلخانہ خالی تھا!

"نویرہ!" وہ یکبارگی چلائیں۔ یکبارگی جیسے دل تلوؤں کی راہ سے نکل گیا۔ جھپٹ کر کمرے دیکھے۔ پھر باورچی خانے میں آئیں۔ برآمدہ دیکھا اور جیسے ہی ڈیوڑھی میں نکلیں۔ چکرا کر فرش پر گر پڑیں۔ باہر کا دروازہ کھلا تھا۔ زینوں پر نویرہ کی جوتیاں پڑی تھیں۔ آخری زینے پر اس کی اوڑھنی پڑی تھی! وہ فوراً ہی اٹھ بیٹھیں اور نویرہ کا نام لے لے کر چیخنے لگیں!

"نویرہ۔ نویرہ۔ بیٹی۔ بیٹی۔ تم کہاں ہو۔ مجھے بن موت نہ مارو۔ میری بچی۔ جہاں کہیں ہو۔ جواب دو مجھے۔ نویرہ۔ میری بچی۔ تو کہاں ہے۔ کہاں ہے۔؟"

"کیا بات ہے۔ بی بی۔!" ماسٹر صاحب اوپر آئے۔

"میری بچی۔ ماسٹر صاحب۔ میری بچی۔ ہائے۔ اسے کوئی اٹھا لے گیا۔" اب وہ بلک بلک کر رو رہی تھیں۔ یہ دیکھئے۔ یہاں وہاں اس کی چپلیں پڑی ہیں۔ وہ اس کا دوپٹہ ہے۔ کون لے گیا اسے۔ کون میرا دشمن تھا۔ ہائے مجھے کیسی موت آگئی کہ میں نے کوئی آہٹ کوئی کھٹکا بھی محسوس نہیں کیا۔ نویرہ۔ نویرہ۔ میری لاڈلی تجھے خدا کا واسطہ۔

اب اپنی صورت دکھا دے۔!" وہ کلیجہ پکڑ کر زمین پر بیٹھ گئیں۔ دنیا
ان کی نظروں میں اندھیر تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کیا کریں۔ کیا ہوا تھا
ماسٹر صاحب بیچارے نویرہ کی چپلیں اور ڈوپٹہ زینے پر سے لے آئے اور ان کے پاس
رکھ دیا۔ بیگم جعفری نے چپلیں اور اوڑھنی اپنے سینے سے لگا لیں اور پچھاڑیں کھانے
لگیں۔ اتنے میں ماسٹر صاحب کی بیوی بھی آ گئیں۔ انہیں واقعہ معلوم ہوا۔ وہ بھی حیران رہ گئیں۔
اتنا بڑا واقعہ ہو گیا اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی ۔۔۔!

یوڑھی بن بیگم جعفری کے جگر خراش بین گونج رہے تھے۔ اب اچھا
خاصا سویرا ہو گیا تھا لیکن یہ کیسا سویرا تھا۔ اماوس کی رات جس
سے شرما رہی تھی۔

"میں پولیس میں رپورٹ کر کے آتا ہوں" ماسٹر صاحب چلے گئے!
ان کی بیوی گم صم، پریشان اور مضطرب سی بیگم جعفری کے پاس بیٹھی تھیں
"میری بچی۔ میری بچی۔" بیگم جعفری کا حال ابتر تھا۔ انہیں کسی طرح
یقین نہیں آ رہا تھا کہ ان کی نویرہ آج ان کے پاس نہیں ہے۔

نجانے وہ کہاں ہے۔
کس کے ہاتھوں میں پڑی ہے۔
اس کی عصمت و آبرو۔

"اے خدا۔ یہ کن گناہوں کی مجھے سزا دی ہے۔" وہ زمین پر
سر پٹخنے لگیں۔ اتنے میں شکیل، ثاقب، عرفان اور جمیل اپنے ملازمین کے
ساتھ آ پہونچے۔ ماسٹر صاحب بھی ایک پولیس مین کو ساتھ لئے آ پہنچے
تھے۔ انہوں نے سارا قصہ سنایا۔ بیگم جعفری فرش پر بیہوش پڑی تھیں!
ثاقب وغیرہ پاگل ہونے لگے۔ ثاقب دیوانوں کی طرح چلائے۔ "نہیں۔

یہ ناممکن ہے۔ وہ یہیں کہیں ہوگی۔ حمام میں۔ باورچی خانے میں۔ اسے کون لے جاسکتا ہے۔ ناممکن ہے۔ قطعی ناممکن ہے!" وہ باؤلوں کی طرح ایک ایک کونہ جھانکنے لگے! نویرہ کہاں تھی جو ملتی!

شکیل اور عرفان نے بیگم جعفری کو اٹھاکر کھری مسہری پر ڈالا! اسمٰعیل ان کے منہ پر پانی چھڑکنے لگا! تھوڑی دیر بعد انھیں ہوش آگیا۔

یہ لوگ حد سے زیادہ پریشان تھے۔ واقعہ کی نوعیت کے سمجھنے کا کسی کو شعور نہ تھا۔ ثاقب سر تھامے چوکھٹ پر بیٹھے تھے! پھر انھوں نے اپنے نوکر سے کہا۔" رحمت خاں۔ نیچے گھر میں دیکھ آؤ۔ کون کون ہے۔ جو کوئی ملے اُسے گردن سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے یہاں لاؤ۔۔!"

"کوئی نہیں۔ کوئی نہیں۔" بیگم جعفری کراہنے لگیں۔" کوئی نہیں ہے وہاں کئی دن سے تالا پڑا ہے۔ کرایہ دار بے چاری۔ دل کی بیماری میں مبتلا ہسپتال میں پڑی ہیں۔ کاش۔ وہی ہوتیں۔ خدا کی کرنی۔ ثاقب۔ خدا کی کرنی۔ اگر وہ ہوتیں۔ ان کے گھر میں ساری رات اودھم مچا رہتا تھا۔ تب۔ تب۔ شاید وہ کسی کو اوپر آتے۔ نویرہ کو لے جاتے۔ دیکھتیں۔! آہ۔ میرے اللہ۔ ثاقب۔ بتاؤ۔ میری نوی کہاں ہے۔ کیا گزر رہی ہے اس پر۔ ہائے وہ رات کتنی خوش تھی۔ یا خدا۔ تو نے معصوم کی خوشی کا اتنا بڑا تاوان لے لیا۔" وہ پھر زار و قطار رونے لگیں۔ ثاقب اور شکیل بھی سخت پریشان تھے۔ شکیل نے کہا۔" ثاقب بھائی۔ چچی کو گھر لے چلیئے۔ وہاں انہیں چھوڑ کر ہم سب نویرہ کی تلاش میں نکلیں گے۔ آخر ابا اور چچا آپا کو بتائے بغیر کیا ہوسکے گا۔ وہ لوگ کچھ تدبیر کریں گے۔ چلیئے۔ جلدی کیجیے۔ دیر نامناسب ہے!"

"چلو" ثاقب نے آہ کی صورت میں کہا۔
"ہائے کل اس کے ساتھ آئی تھی۔ آج اس کے بغیر جا رہی ہوں ——"
بیگم جعفری کی حالت دیکھی نہ جاتی تھی۔ انہوں نے نویرہ کی جوتیاں اور اوڑھنی ابھی تک سینے سے لگا رکھی تھی۔ پھر وہ بلبلا گئیں "نہیں نہیں۔ میں نہیں جاؤں گی۔ مجھ سے جایا نہ جائے گا۔ کیسے جاؤں اپنی لاڈلی کے بغیر۔ ثاقب مجھے یہیں رہنے دو۔ مجھے یقین ہے۔ میری بچی ضرور آئے گی۔ وہ مجھے یہاں نہ دیکھے گی تو کیا کہے گی۔" وہ پھر بے ہوش ہو گئیں۔
ثاقب کے گالوں پر آنسو بہہ نکلے۔ شکیل اور عرفان وغیرہ بھی رو رہے تھے! عرفان نے سارا سامان یونہی چھوڑا۔ اپنے نوکر سے ٹیکسی منگوائی اور بیہوش بیگم جعفری کو ایک لاش کی طرح گاڑی میں ڈال کر چلے گئے —— !
بڑی اماں کے گھر میں ان کا پُر جوش انتظار ہو رہا تھا!
دوسرے ہی روز تو ثاقب اور نویرہ کی منگنی کی رسم بھی تھی! لیکن ساری خوشیوں پر بجلی گر پڑی۔ بڑی اماں کے گھر میں صف ماتم بچھ گئی۔ بیگم جعفری بڑی اماں کی گود میں سر ڈالے بے ہوش پڑی تھیں۔ گھر کے سارے مرد نویرہ کی تلاش میں جا چکے تھے۔ کچھ اسٹیشنوں پر دوڑے دوڑے پھر رہے تھے۔ کچھ اسپتالوں کے وارڈ جھانکتے پھر رہے تھے۔ کچھ سائیکلوں پر تھے۔ سڑکوں کی خاک چھان رہے تھے!
لیکن کسی کی سعی بسیار کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔
دن بھر کے بھوکے پیاسے تھکے ہارے لوگ شام کو بے نیل و مرام واپس آ گئے۔ ان سب کے چہروں پر سکوت مرگ طاری تھا! لبوں پر موت کے

سے تالے لگے تھے۔ کئی تو اپنی عمر اور پوزیشن بھول کر رو رہے تھے!
ان کی واپسی حشر اٹھا گئی!
مرد بدحواس تھے۔ عورتیں رو رہی تھیں۔ لڑکیاں چلا رہی تھیں۔ اب کسی کے بنائے کچھ بن نہیں رہا تھا۔ بالآخر پولیس اسٹیشنوں پر اس کی گمشدگی کی اطلاع کرائی گئی۔ بلا سے۔ بدنامی ہوئی تھی وہ ہو چکی —!
سب کو بیگم جعفری کی طرف سے سخت اندیشہ پیدا ہو گیا تھا۔ وہ مسلسل بیہوش تھیں۔ پل بھر کے لئے انہیں ہوش آتا۔ آنکھیں پھیلا پھیلا کر ادھر اُدھر دیکھتیں۔ ان کے لب ہلتے "میری بچّی آئی؟!" اور سب کے چہروں پر نفی کی لکیریں دیکھ کر پھر غافل ہو جاتیں پھر رات ایک بیمار کی رات بن کر اُتر آئی!!!۔

نویرہ کو ایک بڑے سے شاندار "میدان" میں ہوش آیا۔ وہ اسے میدان ہی سمجھی تھی! تیز روشنیاں جل بجھ رہی تھیں۔ ایک نہایت تیز اور بڑا سا ہنڈہ کسی عمارت پر ابلیس کی آنکھ کی طرح روشن تھا۔
کیسی عجیب گڑگڑاہٹ تھی وہاں۔
کیسا عجیب سا شور ہو رہا تھا۔
یہ آوازیں۔ چہل پہل۔ شور۔
کیا یہ میدان حشر ہے؟!
اس نے بڑی مشکل سے اپنی تندرامی آنکھیں کھولیں اور مدہوشوں کی

طرح دیکھا۔ وہ کہاں جارہی تھی! کیا اس کے بازوؤں پر پر اگ آئے تھے۔
وہ فضا میں تیر رہی تھی!۔

وہ بے خبری میں مسکرائی۔ خواب بھی عجیب عجیب سے ہوتے ہیں! خواب
میں نہ دیکھنے والی چیزیں بھی دکھائی دیتی ہیں جو کسی بری بات تھی۔ بھلا اس
نے مسز رباب اور اُس خراب آدمی کو دیکھنے کا گمان بھی کب کیا تھا؟؟ آخر
اپنے سامنے اسے یہ دونوں چہرے کیوں منجمد نظر آرہے تھے۔ کیا اس برے
خواب میں میری امی اور ثاقب کا گزر نہیں ہے!

وہ ہوا میں تیرتی رہی۔ اور نشے میں ڈوبی آنکھیں نیم وا کئے وہ برے
چہرے دیکھتی رہی جو برابر اس کے ساتھ ساتھ ہوا میں اڑ رہے تھے۔ پھر
وہ سراسیمہ ہوکر بولی۔

" امی۔ امی آپ کہاں ہیں۔ اٹھئے۔ کیا نماز کا وقت ہوگیا؟ " لڑکی کو
ہوش آگیا! مسز رباب کی آواز سنائی دی۔

یہ کیسا خواب ہے۔ اچانک نویرہ کے نشے میں ڈوبی آنکھیں پوری کھل
گئیں۔ اس نے اپنے سامنے اس خراب آدمی کو دیکھا۔ جس نے اسے ایک دن
جنگلی بلی کہا تھا اور جس سے وہ بے حد خفا تھی! اس نے مسز رباب کا چہرہ
دیکھا۔ جس پر اس وقت اس کے لئے مامتا کا نور نہیں تھا عجیب سی خباثت
اور شیطانی مسکراہٹ طاری تھی!

پھر اس کی نظریں ایک ننھے سے دریچے سے باہر پڑیں۔ اس کی نظروں
کے سامنے سے بادلوں بھرا آسمان گزر رہا تھا! درخت اس کے سامنے سے
بھاگ رہے تھے۔ آوازیں دوڑ رہی تھیں! ذہن کی دھندلاہٹ کار کی
کھڑکی کو کوئی دریچہ کیوں نہ بنا دیتی؟

اور تب یہ حقیقت اس پر کھلی کہ نہ وہ خواب دیکھ رہی تھی نہ ہوائیں تیر رہی تھی۔ بلکہ ایک بے آواز تیز رفتار کار میں اڑی جا رہی تھی! اس کے پائینتی وہ خراب آدمی بیٹھا اسے گھور رہا تھا! اور پہلو میں مسز رباب تھیں۔ وہ کار کی پشت سے ٹیک لگائے نیم دراز تھی!

ایک گھٹی ہوئی چیخ اس کے لبوں سے نکلی اور وہ سیدھی ہو بیٹھی۔ ساری غنودگی کافور ہو گئی۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر وہ اس آدمی کو دیکھنے لگی! پھر پلٹ کر مسز رباب کے لپٹ گئی!

"خالہ۔ بچائیے مجھے! خالہ۔ آپ مجھے کہاں لئے جا رہی ہیں۔ میں کہاں ہوں۔ میری امی کہاں ہیں!"

"بہت دلچسپ!" اس آدمی کی بے حد بھاری آواز کار کی محدود فضا میں گونجی۔

"خالہ۔" وہ کانپ کر چیخی۔

"چپ رہو!" مسز رباب نے اسے جھڑک دیا۔ "اور اُدھر سرک کے بیٹھو!"

دفعتاً اس آدمی نے اپنے گرم اور مضبوط ہاتھ میں اس کا کنول کے ڈنٹھل سا نرم و نازک بازو پکڑا اور اپنی طرف کھینچ لیا۔۔۔!

"نہیں نہیں۔ جناب۔" وہ گھگھیائی۔ "یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ آپ نے مجھے اس طرح کیوں پکڑ رکھا ہے۔ خدا کے لئے میرا بازو چھوڑ دیجئے۔ دکھ رہا ہے۔ کیوں آپ لوگ مجھے ایک قیدی کی طرح لئے جا رہے ہیں۔ کیا کیا ہے میں نے؟ خدا کے لئے مجھے واپس چھوڑ آیئے۔ میں آپ سے سچ کہتی ہوں۔ میری امی گھبرا رہی ہوں گی۔ پکارتی پھرتی ہوں گی مجھے۔ میں ان سے کبھی الگ نہیں رہی۔ خدا کے لئے مجھے جانے دیجئے!"

اس نے اس کی بانہہ چھوڑ دی، اور نویرہ پھر مسز رباب کی طرف سمٹ گئی۔ اس کا دماغ گھوم رہا تھا۔ دماغ میں سائیں سائیں ہو رہی تھی۔ دماغ میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ اسے خدشہ تھا کہیں وہ پھر نہ بیہوش ہو جائے! اور پھر اسے کچھ درک نہ رہ جائے کہ اس پر کیا گزری؟

بالآخر کار ایک عمارت کے کمپاؤنڈ میں داخل ہو کے رک گئی!

ایسی شاندار عمارت تو میں نے اپنے ہوش میں نہیں دیکھی۔ نویرہ نے سوچا۔ اسے مسز رباب کی موجودگی سے خاصہ اطمینان تھا۔ اگر یہ مذاق ہے تو ایک وقت ختم بھی تو ہو جائے گا اور پھر وہ اسے اس کے گھر پہنچا دیں گی۔!

"اترو!" اس آدمی نے کہا۔

"یہ کونسی جگہ ہے۔ میں یہاں کیوں اتروں؟" نویرہ نے خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"مسز رباب۔ کیا یہ لڑکی کچھ پاگل بھی ہے؟" اس آدمی نے پوچھا۔

"پاگل نہیں۔ مسٹر عاقر" مسز رباب نے کھیسے نکال کر کہا۔ "بھولی بھالی اور معصوم بہت ہے۔ اس کی ماں نے اسے گویا بے خبری کے تہہ خانے میں پالا ہے۔ دنیا کی کوئی بات نہیں جانتی۔ بس یہی سارا قصہ ہے۔ شاید اس پر آپ کو محنت کرنی پڑے۔"

"ایک ہی تھپڑ میں درست کر دوں گا!" اس شخص نے کہا اور پھر نویرہ کی طرف دیکھ کر گرجا۔ "اترو۔ ورنہ بال پکڑ کر گھسیٹ لوں گا!"

کبھی کسی نے اس سے اس طرح نہیں کہا تھا۔ ایک ابال سا آنسوؤں کا اس کے سینے میں مچلا۔ لیکن چارہ کیا تھا۔ اس کی پنڈلیاں کانپ رہی تھیں۔

لیکن خود کو سنبھال کر وہ کسی نہ کسی طرح قرار آ گئی اور اپنے وجود کا اعتبار کرنے کی کوشش
کرنے لگی۔ مسز ریاض نے کہا: "اب میں چلتی ہوں مسٹر عاطر کیونکہ مجھے فوراً واپس ہونا
ہے۔ میں کسی کو شبہ میں مبتلا کرنا نہیں چاہتی۔ یہاں سے جاؤں گی اور پھر نرسنگ ہوم
میں جا کر لیٹ جاؤں گی۔" وہ بے حد مکروہ ہنسی ہنس دی۔

مسٹر عاطر نے بڑے سکون و صبر سے اس کی طویل گفتگو سنی اور پھر بڑا سا منہ بنا کر جیب
سے بڑے نوٹوں کا ایک پلندہ نکالا اور ان کی طرف بڑھا دیا۔ "آپ کا بہت بہت شکریہ۔
پورے دس ہزار ہیں۔ اب آپ جا سکتی ہیں۔" پھر کار میں جنبش ہوئی!

تب نوریہ بدحواس ہو کر چیخ پڑی۔ "خالہ! آپ کہاں جا رہی ہیں مجھے یہاں کیوں چھوڑے
جا رہی ہیں۔ خالہ! خالہ!" لیکن وہ چلاتی ہی رہ گئی اور گاڑی بیک ہو کر گیٹ سے نکلی اور سڑک
پر جا کر نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ اب اسے پتہ چلا کہ ان لوگوں نے اسے مل کر اغوا کیا ہے۔
اسکے جسم میں سنسنی سی پھیل گئی اور وہ دہشت زدہ ہو کر عاطر کی طرف مڑی۔ "آپ!" اسکے لب
کانپے۔ ہوا لبوں پر سرسرائی مگر وہ کچھ کہہ نہ سکی اور دفعتاً پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"لڑکی!" وہ گرجے۔ "یہ ڈھونگ بند کرو! زیادہ غل مچاؤ گی۔ اتنی ہی سزا پاؤ گی۔
بہتر یہی ہے کہ حالات سے سمجھوتہ کر لو۔ سمجھیں! بند کرو اپنی یہ آوازیں۔ میں ایسا
رونا گانا بہت سن چکا ہوں۔ متاثر نہیں ہوتا۔ مجھے غصہ آ جاتا ہے!"

ایک سسکی لے کر نوریہ چپ ہو گئی۔ اسے ابھی تک یہ پتہ نہ تھا کہ وہ کون سے
شرمناک مقصد کے لئے لائی گئی ہے۔ اسے صرف یہی احساس ہو رہا تھا۔ ایک مرتبہ
اس نے ان صاحب کی شان میں گستاخی کی تھی۔ لہٰذا وہ کسی انتقام کے تحت لائی
گئی ہے۔ اس نے بڑی لجاجت اور خوشامد سے کہا۔

"سنئے! میں نے سچ مچ آپ کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کئے تھے۔
میں بہت شرمندہ ہوں! آپ سے معافی مانگتی ہوں۔ مجھے معاف کر دیجئے!

پھر کبھی ایسی غلطی نہیں ہو گی! میں آپ کے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ جناب!"

"اندر چلو!" وہ بے حد خشک لہجے میں بولے۔

"نہیں نہیں۔ مجھے اب جانے دیجئے۔ میں آپ سے التجا کرتی ہوں۔ میری امی پریشان ہوں گی! میں ان سے اتنی دیر کبھی الگ نہیں ہوئی۔ میں یہاں سے جا کر ان سے بہانہ بناؤں گی! وہ مجھے کتنا خفا ہوں گی۔ میں ان کی خفگی نہیں برداشت کر سکتی!"

"پاگل ہو گئی ہو کیا۔" وہ اب کی دہاڑنے لگے: "احمق کہیں کی۔ بھول جاؤ اپنی امی کو۔ تم حیدر آباد میں نہیں ہو۔! یہ بمبئی ہے!"

"کیا۔؟" وہ چیخ اٹھی: "آپ مجھے بمبئی لے آئے؟"

"حلق مت پھاڑو۔ یہ دوسری مرتبہ کہہ رہا ہوں کہ اندر چلو۔!" انہوں نے آگے قدم بڑھا دئے!

نویرہ رونا بھول گئی تھی۔ اب وہ خائف تھی۔ اس کی گریہ وزاری نجانے اس ظالم شخص کو کون سے نئے ظلم پر ابھار دے! چپ چاپ سحر زدہ سی۔ جیسے اب بھی حالتِ نوم میں چل رہی ہو۔ ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔!

برآمدے میں پہونچ کر انہوں نے دہاڑ کر آواز دی: "فیروز۔ سوسن!"

ایک ہٹا کٹا مضبوط نوجوان اور ایک خرانٹ سی بھاری بھر کم ادھیڑ عورت یوں سامنے آ گئے جیسے جادو کے زور سے دیوار میں سے نکل آئے ہوں!

"فیروز۔؟"

"سرکار!!" اس آدمی نے ادب سے سر جھکا دیا۔

"خبردار۔ یہ باہر کے کمپاؤنڈ میں تک جانے نہ پائے!!"

فیروز نے ایک اچٹتی ہوئی نظر نویرہ پر ڈالی۔ جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہا

ہو۔ پھر دستور سر جھکائے ہوئے بولا۔

"جی بہت اچھا حضور!"

"جاؤ!"

وہ تین چار قدم الٹا چلتا ہوا دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

"سوسن؟"

"سرکار۔۔۔!"

"کیا تم سے بھی کچھ کہنے کی ضرورت ہے؟"

"جی نہیں۔ سرکار۔ میں سب جانتی ہوں۔ رات کو انہیں دلہن کی طرح سجادوں گی۔۔۔! آپ خوش ہو جائیں گے۔۔۔!" وہ بھی سر جھکا کر بولی۔

"اس پر محنت زیادہ لگے گی۔۔۔! سمجھیں؟"

"بہت سی ناسمجھ لڑکیوں سے میرا سابقہ پڑ چکا ہے سرکار۔۔۔!"

"ٹھیک ہے۔۔۔!"

نویرہ یہ عجیب سا مکالمہ بڑی حیرت سے سن رہی تھی! اور اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا! بھلا یہ کون ہوتی ہے اسے دلہن بنانے والی۔ کیا وہ کسی پاگل خانے میں آپھنسی ہے؟ یہ لوگ کیا بکواس کر رہے ہیں؟ وہ باری باری ہونقوں کی طرح انہیں گھورتی رہی! اور اب حیرت خوف پر غالب آگئی تھی۔

"میں سہ پہر تک آجاؤں گا۔" عاطر نے کہا۔ "اور سوسن۔ اس وقت تک اسے بالکل فٹ ہو جانا چاہئیے۔ سمجھیں!"

"یس سر۔۔۔!"

پھر وہ نویرہ کی طرف مڑے۔ وہ بھی حیرت اور تعجب سے ملے جلے انداز میں

انہی کو دیکھ رہی تھی عجیب سا معصومانہ اور بے خبر انداز تھا کہ عاطر کے سینے چوڑے جسم میں بجلی کی سی لہریں دوڑ گئیں لیکن وہ اس کے حسن کو سراہے بغیر نہ رہ سکے۔ ان کی نظروں سے سینکڑوں لڑکیاں گزر چکی تھیں اور وہ تقریباً سب ہی زمانے کے سرد و گرم سے واقف اور تجربہ کار تھیں لیکن یہ تو چیز ہی عجیب تھی۔ جیسے اس دنیا کی مخلوق ہی نہ ہو۔ کہیں آسمان سے اتری ہو۔ پاکیزہ۔ بے خبر۔ معصوم۔ ان کالی کالی آنکھوں میں صرف حیرت تھی۔ مستقبل کا خوف نہیں! جیسے اسے کچھ پتہ ہی نہ ہو کہ اس پر کیا گزرنے والی تھی؟ وہ صرف ایک مذاق میں حصہ لے رہی ہو۔ اصلی کردار کوئی اور ہے! رتی بھر شائبہ گناہ کے ادراک کا ان آنکھوں میں نہ تھا! پتلے پتلے گلابی رسیلے لب حیرت سے یوں نیم وا تھے جیسے شبنم کے پہلی بار منہ دھونے پہ کلی ادھ کھلی ہو گئی ہو۔ مورنی کی سی گردن، گلابی گلابی رنگت اور وہ حیرت انگیز سیاہ بال جو کمر سے نیچے لہریں لے رہے تھے!

"قیامت ہے۔ مجسم قیامت۔" عاطر نے سوچا۔

وہ زیادہ دیر تک ان بے گناہ آنکھوں کی تاب نہ لا سکے! اور جلدی سے مڑ کر چلے گئے۔ ! دور تک نویرہ کی نظروں نے ان کا پیچھا کیا!

سوسن نہایت تمسخرانہ انداز میں اسے دیکھ رہی تھی! اس کی دانست میں نویرہ کا یہ خاموش اطمینان، صبر و سکون اس کی حد سے زیادہ ناتجربہ کاری کی دلیل تھی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟ [illegible] آواز میں بولی۔

[illegible] کچھ کما پاؤ تو۔ تو پھر میں [illegible] کر سن لو۔ سرکار کی

حکم عدولی کرنے کی کوشش نہ کرنا کیونکہ وہ ہنٹروں سے اپنی بات منواتے ہیں اور تمہارا نازک سا جسم ایک ہنٹر بھی برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتا! یہ میں نے جتا دیا۔ اب ان کی مرضی پر چلنا یا پھر مار کھانا تمہاری اپنی پسند کی بات ہے!"

نویرہ ایک صوفہ پر ٹک گئی اور بے حد تعجب سے بولی: "مگر۔ امّاں یہ تو بتاؤ۔ آخر تمہارے صاحب مجھ پر یہ ظلم کیوں کریں گے۔ میں نے ان کا کیا بگاڑا ہے۔ میں سچ کہتی ہوں۔ میں نے کوئی قصور نہیں کیا۔ انہوں نے مجھے خواہ مخواہ پکڑ ڈالا ہے۔ میں تو عشاء کی نماز پڑھ کر امّی کے پاس سو گئی تھی۔ مجھے کچھ نہیں معلوم۔ کب مسٹر عاطر وہاں آئے۔ کیسے آئے۔ اور کیونکر مجھے اٹھا کر یہاں لے آئے۔ امّاں تم ذرا سوچو کہ میری امّی میری جدائی میں کتنی تڑپ رہی ہوں گی۔ آج تک نہ وہ مجھ سے الگ رہیں۔ نہ میں ان سے جدا ہوئی۔ اب ان کا کیا حال ہو رہا ہوگا۔ امّاں یقین مانو۔ وہ پچھاڑیں کھا رہی ہوں گی۔ میری امّاں۔ میں تمہارے پاؤں پڑتی ہوں۔ مجھے واپس بھجوا دو۔ میری امّی مر جائیں گی۔ کیا تمہاری کوئی بیٹی نہیں۔ کیا تمہارا دل نہیں پسیجتا؟"

"میں کچھ نہیں جانتی" سوسن نے چہرہ پھیر لیا۔ "جس خدمت کی میں تنخواہ لیتی ہوں۔ وہ خدمت مجھے کرنی ہی پڑتی ہے!"

"یہی خدمت ہے تمہاری کہ تم [illegible] صاحب [illegible] کو آپس میں جدا کرتے رہو۔ تم [illegible] بیٹی نہیں ہے۔ تم کسی کی ماں نہیں [illegible] مخاطب کرتیں تو میں تو میں تمہارا [illegible]

کیسے لوگ لیتے ہیں ۔۔۔! "

سوسن ہونٹ چبارہی تھی۔ بولی "آؤ میرے ساتھ! دیر تک یہاں بیٹھے رہنا اچھا نہیں ہے ۔۔!"

"مجھے کوئی کپڑا دو ۔" نویرہ نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "میرا دوپٹہ نجانے کہاں رہ گیا۔ میں فجر کی نماز قضا پڑھ لوں!"

"خدا صاحب کو غارت کردے" سوسن دانت کچکچا کر بولی "کیسی پاکیزگی آج وہ ملیامیٹ کر دے گا۔ اے اللہ۔ میں کیا کروں۔ کیونکر بچاؤں اسے؟"

وہ نویرہ کو اپنے کمرے میں لائی۔ نویرہ نے دیکھا کہ ایک ادنیٰ ملازمہ کے کمرے میں بھی عیش و راحت کا وہ عمدہ سامان ہے جو اس کے اپنے گھر میں بھی نہ تھا! نرم و گداز صوفہ، خوشنما ڈیکولام کی بڑی سی میز، ایک طرف شاندار سی مسہری جس پر پھولدار بیڈ کور بچھا تھا۔ گوشہ میں ایک اونچا سا اسٹول رکھا تھا جس پر قیمتی ریڈیو تھا۔ نویرہ چپ چاپ مسہری کی پائینتی ٹک گئی ۔۔!

"کیا کھاؤ گی بی بی ۔۔۔ بتادو۔ میں لے آؤں۔ ناشتہ تیار ہو چکا ہوگا۔" تنہائی میں سوسن کے کرخت چہرے کے نقوش کچھ ملائم نظر آنے لگے!

"تمہارا بہت بہت شکریہ اماں۔ میں کچھ نہیں کھاؤں گی۔ بس تم مجھ پر یہ کرم کرو کہ مجھے حیدرآباد جانے والی گاڑی میں بٹھادو۔ مجھے میری ماں کے پاس پہونچادو۔ خدا تمہیں بہت بڑا اجر دے گا!" نویرہ گڑگڑائی۔

سوسن اس کے پاس بیٹھ گئی اور اس کا سر سہلاتی ہوئی بولی "بچی حیدرآباد جانے کا خیال تک دل میں نہ لاؤ۔ تم اس دروازے ہی سے باہر نہیں نکل سکتیں۔ بڑے بڑے خونخوار گورکھے گیٹ پر متعین ہیں۔ وہ بڑے بدتمیز ہیں۔ گالیاں

دینے اور ہاتھ اٹھانے میں بھی بند نہیں۔ تم انہیں کسی بیہودگی پر مت اُکساؤ۔
بی بی۔ اب مرضی سے یا رو دھو کر تم [illegible] اپنے آپ پر احسان
پھر تمہاری مدد کروں گی۔ بیٹی تم نے مجھے ماں کہا ہے میرا دل دہل گیا ہے بیٹی کچھ بھی
سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ میں اُس ظالم انسان کے پنجے سے تمہیں کیونکر بچھوڑ
رکھ سکوں گی! تم نے سنا نہیں وہ مجھے کیا حکم دے گئے ہیں؟"
نویرہ پھر سسکنے لگی۔ کیا میں یہیں قید رہوں گی۔ اپنی اماں سے نہیں
مل سکوں گی؟"
"بھول جاؤ بیٹی اپنی امی کو۔ بھائی بہنوں کو۔ اب تم سب سے شاید ہی
مل سکو۔ یہ جیل خانے سے بھی بدتر ہے! یہاں جو آگیا وہ اپنی مرضی
سے نہیں جا سکا!"
"میرے بہن بھائی ہیں ہی کہاں۔ اماں۔ میرے ابا بھی مجھے بہت چھوٹا
سا چھوڑ کے مر گئے۔" نویرہ بولی۔ "میری بیوہ امی نے بڑی مشکل سے مجھے
اتنا بڑا کیا ہے۔ لوگوں کے کپڑے سیتے ہیں۔ دائر کی نوکریاں بھی ہیں پھر
امی کے سوا ہے کون؟" وہ سسکتی سسکتی بولی۔
سوسن نے کلیجہ پکڑ لیا۔ "ارے میرے اللہ۔ میری بچی۔ تم پر بہت بڑا
ظلم ہوا ہے۔ تم یونہی ستم رسیدہ ہو۔ ان شیطانوں کے ہاتھ کیسے لگیں بی بی؟"
نویرہ نے مسز رباب کے بارے میں بتایا۔ یہ بھی کہا کہ بیگم جعفری ان سے
کتنی بدظن رہا کرتی تھیں۔ ان کا اندیشہ صحیح تھا۔ مسز رباب کتنی خوفناک
ثابت ہوئیں۔
"ارے وہ بڑی دلال ہے بیٹی۔ تم نہیں جانتیں۔ اب تک چھ سات
لڑکیوں کو صاحب کے ہاتھ بیچ کر دام کھرے کر چکی ہے۔ ایسی حرافہ دلالہ

کو تمہاری اماں نے اپنا گھر کرائے پر کیوں دے دیا!"

ان بے چاری کو کیا پتہ تھا۔ مگر اماں مسز رباب لڑکیاں کیوں بیچتی ہے۔ تمہارے صاحب لڑکیاں خرید کر کیا کرتے ہیں؟" نویرہ نے کہا۔ سوسن حیرت سے اسے تکنے لگی۔ اس کے چہرے پر لاعلمی کی سادگی تھی۔ اس نے بے حد تکلیف سے سوچا۔ وہ احتیاط پسند مائیں بھی بڑی ناعاقبت اندیش ہوتی ہیں جو اپنی لڑکیوں کو اس قدر لاعلم رکھتی ہیں۔ لاعلمی اور بے خبری۔ ایک لعنت۔ لڑکی کسی مدافعت کے بغیر شکار ہو جاتی ہے!

اگر صدر دروازے پر وہ چار چار مشٹنڈے نہ ہوتے تو میں تمہیں اس گھر سے نکال دیتی۔ بلا سے۔ جو بھی حشر میرا ہوتا۔ مگر اب میں مجبور ہوں۔" سوسن بولی۔ بے حد مضطرب اور حقیقی معنوں میں پریشان دکھائی دے رہی تھی! پھر وہ نویرہ کو تسلیاں دینے لگی۔ گھبرایئے نہیں۔ اللہ کارساز ہے!

اس نے اسے زبردستی ناشتہ کرایا اور پھر بولی۔ "آؤ۔ میں تمہیں اس گھر کا سیر کراؤں؟" نویرہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔ وہ پھر رونے لگی تھی! اب کی سوسن بھی اس کے ساتھ رو رہی تھی!

آہستہ آہستہ دن کا شباب ڈھل رہا تھا!

آہستہ آہستہ ایک انجانا سا خوف نویرہ کے دل میں اپنے پنجے گاڑنے لگا تھا!

اس کی کلائی پر ننھی سی گھڑی بندھی تھی اور رہ رہ کر اس کی نظریں اس پر پڑ رہی تھیں۔ اسے کسی پل قرار نہ تھا۔ دوپہر کو اس نے برائے نام کھانا کھایا تھا اور پھر کمرے کے سامنے برآمدے میں ٹہلنے لگی تھی۔ اس کی

نظروں کے سامنے بڑا حسین و دلکش منظر تھا۔ لیکن خوشنما منظر سے محظوظ ہونے کا اسے ہوش ہی کب تھا!

سوسن نے اسے بتایا تھا کہ ہر حال میں صاحب کی مرضی اُسے پوری کرنی ہے! بڑی مجبوری اور بے حد دُکھ سے اس نے کہا تھا!

"سرکار بے حد ظالم بڑے بیدرد ہیں میری بچی۔ میں نے کئی لڑکیوں کو ہنٹروں کی چوٹ سے بیہوش ہوتے اور اپنے خون میں تڑپتے دیکھا ہے۔ بیٹی۔ تم وہ مار سہہ نہیں سکتیں! آخر لوگی؟ سکوگی؟ مگر تمہیں وہی کرنا پڑیگا جو سرکار کی مرضی ہوگی۔ تو پھر میری بچی۔ اب وہی کرو جس کا حکم ملا ہے۔ چھ بجتے بجتے تم نہا دھو کر وہ لباس پہن لو۔ جو میں نے حمام میں رکھدیا ہے۔ چھ بجے وہ آجائیں گے۔ اگر تم نے ان کا کہا نہ کیا تو نجانے وہ کیسا ظلم کریں تم پر۔ خود کو خدا کے رحم و کرم پر چھوڑ دو۔ سمجھ لو کہ تمہاری تقدیر ہی یہ تھی۔!"

اس ناگہانی مصیبت نے عورت کی ازلی فطرت نویرہ کے اندر بیدار کردی تھی۔ دن بھر ٹہلتے سوچتے اس پر یہ حقیقت عیاں ہوگئی تھی کہ بیچنے خریدنے اور خواہ مخواہ بن ٹھن کے دُلہن بن جانے کا مقصد کیا تھا!؟

اب وہ خائف اور متحیر نہیں تھی۔

ایک جہنمی غصہ اس کے سینے میں بھڑک رہا تھا! اسے اپنی آبرو ہر حال میں بچانی تھی۔ چاہے اس کی جان چلی جائے۔ لیکن وہ کسی غیر مرد کو اجازت نہ دے گی کہ اس کے پاک و مطہر جسم میں ہاتھ لگائے!

لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ وہ کرے گی کیا؟ کون سا ہتھیار تھا اس کے پاس؟ نہ تلوار نہ پستول۔ کیا وہ اپنے نہتے کمزور مرمریں ہاتھوں سے

ایک بپھرے ہوئے وحشی طاقتور مرد کا مقابلہ کر سکے گی؟؟
کیا وہ مقابلے کا موقعہ بھی دے گا؟!
کبھی وہ بڑی دلیری محسوس کرتی۔
کبھی کانپ اٹھتی!
"اٹھو بیٹی۔ پانچ بج چکے ہیں!" سوسن نے کہا۔
"نہیں ہرگز نہیں! میں وہ ناپاک لباس چھوؤں گی بھی نہیں" وہ پوری طاقت سے چلّا اٹھی" میں ابھی اور اسی وقت جاؤں گی۔ دیکھوں گی مجھے کون روک سکتا ہے!"
"بیٹی۔ اپنی جان کی گاہک نہ بنو۔" سوسن اسے پھر سمجھانے لگی اور فوزیہ بلک بلک کے روتی سجدے میں گر پڑی۔
"یا بی بی سیدہؓ۔ بچائیے مجھے!" وہ سجدہ گاہ پر پیشانی رگڑنے لگی۔ دفعتہً دالان سے گویا بھوکا شیر دہاڑا "سوسن!؟" بیچاری سوسن جس پر دیر سے جاں کنی کا عالم طاری تھا۔ ہلکی سی چیخ مار کر اچھل پڑی! بے ساختہ منہ سے نکلا۔
"آج ہم سب مریں گے!"
اور لڑکھڑاتے قدموں سے بھاگی باہر! چہرہ فق تھا۔ لب کانپ رہے تھے۔ دل کی دھڑکن سے بھاری بھرکم بدن لرز رہا تھا!
"کیوں کیا بات ہے؟" عاطر نے ایک سخت نظر اس پر ڈالی۔
"بس۔ سرکار۔ وہ لڑکی!" اتنا کہہ کر وہ اپنے سوکھے ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی! کہہ نہ سکی کہ آپ کا فرمان پورا نہیں ہو سکتا۔
"کیا ہوا اس لڑکی کو!" وہ گرج رہا تھا کہ نیم بیہوش فوزیہ نے سجدے

سے سر اٹھایا اور آواز کی سمت دیکھنے لگی۔ اب اپنی بے حسی کی اس کیفیت میں بھی کہ اچھے برے کسی حال کا اسے ادراک نہ رہا تھا!

"حضور اسے لاکھ سمجھایا!" سوسن نے کانپتے ہوئے کہا۔ "آپ کے غصے سے ڈرایا مگر۔ وہ کسی طرح آپ کا حکم اور میرا کہا ماننے پر راضی نہیں ہوئی۔ کہتی ہے وہ یہ ناپاک لباس نہیں پہنے گی۔ یہ الفاظ میرے نہیں۔ اسی کے ہیں سرکار!"

پل بھر کے لئے عاطر کی آنکھوں میں قہر و غصے کی پرچھائیاں سی لرزتی دکھائی دیں۔ پھر وہ مسکرائے! اور بولے "خیر۔ پرواہ مت کرو۔ میں اپنی خوابگاہ پر جا رہا ہوں۔ اسے وہاں بھیج دو! میں اسے اسی لباس میں دیکھنا چاہتا ہوں!"

"سرکار بے حد ضدی ہے" سوسن نے ہاتھ جوڑ دیئے۔ "نہیں آئے گی۔"

عاطر بے حد خوفناک انداز سے ہنسنے لگے "نہیں آئے گی! تو میں لے جاؤں گا!" اور یہ کہہ کر وہ اپنی خوابگاہ کی طرف چلے گئے۔

سوسن بھاگ کر نویرہ کے پاس آئی اسے عاطر کا حکم ناطق سنایا۔ وہ سمجھی تھی کہ نویرہ اب پھر چیخے چلائے گی۔ لیکن یہ دیکھ کر اس کی حیرت کا ٹھکانا نہیں رہا کہ نویرہ بڑی خاموشی سے اٹھی۔ لباس برابر کیا۔ سوسن کا دیا ہوا ساڑی کا پھٹا ہوا ٹکڑا ڈوپٹہ کی جگہ اوڑھا اور ایک آہ بھر کر بولی۔

"لے چلو اماں۔ تم بھی تو مجبور ہو!" اور سر جھکا لیا۔ سوسن کا جی چاہا کہ وہ دہاڑیں مار مار کر رونے لگے! لیکن اس نے اس کا سوکھا ہوا ہاتھ تھاما اور لے چلی! نجانے کتنی راہ داریاں اور برآمدے طے

کرنے کے بعد حاکم صاحب کی خواب گاہ یا شبستانِ عیش و عشرت آئی!
خوبصورت چوڑے دروازے پر زرکار پردہ پڑا تھا!
سوسن نے پردہ سرکایا۔ اندر سے بھاری آواز آئی "بھیج دو!"
سوسن اور نویرہ کی نظریں ملیں۔ پھر وہ سر جھکا کر واپس چلی گئی۔
نویرہ نے بھاری زردوز مخمل پردہ سرکایا اور اندر قدم رکھے! بالکل ایک سحر زدہ معمول کی طرح حرکت کر رہی تھی! حاکم اپنی شاندار سجی سجائی مسہری پر بیٹھے تھے! دونوں ہاتھ پیچھے ٹیک رکھے تھے۔ کمرے میں بڑی کیف آور نیلی روشنی پھیلی تھی اور ایک بھینی بھینی مہک تھی۔ جیسے وہ بھی روشنی ہی سے پھوٹ رہی ہو۔
نویرہ کا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا اور شعور کی پوری وسعتوں میں ایک سوال گونج رہا تھا! اب کیا ہوگا۔ کیا یہ ہیبت ناک بھاری بھرکم قد آور آدمی اسے چیر پھاڑ کر کھا جائے گا۔ آدم خور تو نہیں ہے۔؟
وہ پردہ تھامے کھڑی رہی!
"آؤ۔ آؤ۔ خوبصورت، پھولوں والی بجلی۔ آؤ۔ اور مجھے پھونک دو۔ بڑھو آگے۔ سوچ کیا رہی ہو۔؟"
حاکم بھی دفعتہً بت بن گئے جب دیکھا کہ وہ ایک جاندار ڈمی کی طرح آگے بڑھی اور چپ چاپ ان کی مسہری پر ان سے کچھ دور ہٹ کر بیٹھ گئی!
کھنکھار کر انہوں نے پوچھا "کہو۔ دن کیسا گزرا؟"
"آپ کی مہربانی سے بہت اچھا گزرا۔ شکریہ!"
حاکم ہونٹ چبانے لگے "لڑکی، زبان قابو میں رکھو۔ مجھے اپنی

تیزی طراری پسند نہیں۔ سمجھیں!"

وہ چپ ہو گئی!

"تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہیں یہاں کیوں لایا ہوں؟" اب انھیں غصہ آچلا تھا!

"آپ نہیں لائے!" نویرہ بولی۔

"تو پھر ___؟" وہ سیدھے ہو بیٹھے اور عنواب آگیں روشنی میں اس کے دلفریب خط و خال دیکھنے لگے!

"تقدیر لائی ہے۔" نویرہ سسکی۔ "آپ سے میں بدتمیزی سے پیش آئی تھی۔ یہ اسی کی تو سزا ہے۔ ورنہ اور میرا قصور کیا تھا؟"

"عجیب احمق ہے۔" عاطر کو تعجب ہو رہا تھا۔ کیا اسے پہلی رات کا ڈر خوف اور دہشت نہیں؟

"اٹھایئے ہنٹر اور ماریئے مجھے۔" نویرہ نے کہا۔ اس کا سر بدستور جھکا ہوا تھا۔ ایک بار بھی اس نے عاطر کی نگاہوں سے نگاہیں نہیں ملائیں! "سوسن نے بتایا تھا جو آپ کا کہا نہیں مانتا۔ آپ اسے خاک و خون میں لٹا دیتے ہیں۔ اگر آپ کا یہی جی چاہتا ہے تو جی بھر کے مار لیجئے۔ آپ کے انتقام کی آگ سرد ہو جائے اور پھر آپ مجھے اجازت دیجئے۔ میں گھر جاؤں ___!"

"پاگل لڑکی۔ اب تم یہاں سے جا نہ سکو گی۔ تم مجھے پسند آگئی ہو۔ سمجھیں بس تمہیں ماروں پیٹوں گا نہیں۔" عاطر نے کچھ بے چین ہو کر کہا۔ "میں تمہیں اپناؤں گا ___ کیا تم اتنی احمق ہو کہ میرا مطلب نہیں سمجھ سکتیں! مجھے تم سے محبت ہے!"

عیاشیاں کرنے کے لئے مجھے میری ماں سے جدا کر دیا۔ کیا آپ اسی کو محبت کہتے ہیں۔" نویرہ کا زیر لب ہنسی، عجیب ہنسی تھی کہ ایک پینتیس سال کا تند خو، بد مزاج اور عیاش مرد گم صم ہو کر رہ گیا!

تھوڑی دیر کمرے میں خاموشی چھائی رہی۔ پھر عاطر نے کہا۔ "تم بہت چرب زبان اور ہوشیار لگتی ہو۔ مگر مجھ پر تمہاری یہ چالاکی اثر نہیں کرے گی۔ میں نے تم پر خاصی رقم صرف کی ہے۔ اس کا بدلہ مجھے ملنا ہی چاہئیے!"

یکبیک نفس کے شیطانوں نے انہیں مغلوب کر دیا۔ ایک جھٹکے سے وہ اٹھے، روشنی گل کی اور اس طرح نویرہ کے بازو تھام کر اپنی طرف کھینچا کہ وہ سنبھلتے سنبھلتے ان کے سینے سے آلگی! پہلی ہی دفعہ اس کے اچھوتے جسم میں ایک غیر کے ہاتھ لگے تھے۔ اس کے بدن میں آگ سی بھر گئی! اور ساری زندگی کی ناواقفیت، تلخ واقفیت میں تبدیل ہو گئی!

اس کی مدافعت کمزور بے جان تھی۔ لیکن عاطر کے طاقتور ہاتھوں کی گرفت اس پر نئی حقیقتوں کے دروازے کھول رہی تھی! جتنی ہمت اس نے دن بھر میں اکٹھا کی تھی وہ کہیں مر گئی تھی۔ انہیں متاثر کرنے کے لئے اس نے جتنے دھار دار فقرے سوچ رکھے تھے وہ سب دماغ سے نکل بھاگے تھے وہ بڑی آسانی سے ہارتی جا رہی تھی۔ اس کی دلدوز آہیں بے کار اس کے آنسو رائیگاں ثابت ہو رہے تھے۔ پھر جیسے ہی کئی دن کے بھوکے درندے نے بے بس ہرنی کو چیر پھاڑ ا۔ ایک درد آلود چیخ اس کے لبوں سے نکلی۔

• اللہ کیا تو ظالموں کے سر پر نہیں ہے۔ لے شہزادی کو خوشیاں اپنی کنیز

کو بچا لیجئے! مدد کو آئیے۔ یا مشکل کشا مدد فرمائیے۔ ۔ ! "
اور وہ یکبارگی بیہوش ہو گئی!
جیسے ناپاک اندھیرے میں کوئی بجلی چمک کے معدوم ہو گئی ہو۔
کسی غیبی ہاتھ نے عامل کے جسم کو یکبارگی اُچھال کے دُور پھینک دیا۔!
ان کا سر آہنی الماری سے ٹکرایا اور پل بھر کے لئے ان پر غشی طاری ہو گئی۔ ۔ !

نجانے رات کا کون سا وقت تھا! انھیں ہوش آیا لیکن کیسا ہوش تھا کہ وہ بیہوشوں سے بدتر لگ رہے تھے۔ جسم جان سے خالی ہو رہا تھا۔ سر سے ایڑیوں تک پسینہ بہہ رہا تھا! ان میں ہاتھ ہلانے کی بھی سکت نہ رہ گئی تھی!

دیر تک وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھے رہے اور سوچتے رہے وہ کون سی طاقت تھی جس نے انھیں یک بیک اُچھال پھینکا تھا! انہیں مذہب سے کوئی سروکار نہ تھا۔ وہ انبیاء اولیاء کا مذاق اڑاتے تھے لیکن اس وقت وہ کسی نادیدہ خوف سے کانپ رہے تھے! ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کس نے انہیں اُچھال پھینکا۔ کس نے نوریہ کو محفوظ دامون اور پاکیزہ رکھا تھا؟!! ۔

اور مال۔ ایک شاندار کوٹھی کے رہنے والے

ان لوگوں کا کاروبار ہی یہی تھا! آئے دن دیکھا کرتے تھے۔ جب بھی ان قید خانے میں کوئی نئی قیدی آتی اس کی ہفتہ بھر خوب خاطر مدارات ہوتی اور پھر وہ زبردستی ہنکا دی جاتی یا پھر وہ خود ہی بھاگ جاتی تو روکی نہ جاتی لیکن۔ اس کے اس گھر میں آنے کے دوسرے روز تو اس کی خوب بھرپور پیمانے پر کھانے "پینے" کی دعوت ہوتی تھی! صاحب تو اس قدر خوش نظر آتے تھے کہ جیسے انہیں کسی نے ساری دنیا کی بادشاہت بخش دی ہو۔

لیکن یہ صبح تو کوئی انقلاب لائی تھی! ملازم آپس میں معنی خیز اشارے کر رہے تھے! اور جلدی جلدی اپنا کام نپٹانے کے لئے بھاگ جاتے تھے!

صاحب اپنے کمرے کے سامنے باغ کے رخ پر پڑی کوچ پر لیٹے تھے۔! ان کے سر کے نیچے کوئی تکیہ یا کشن بھی نہ تھا! انہوں نے بانہہ کا سرہانہ بنا رکھا تھا اور سر باغ کی طرف جھکائے ہوئے تھے۔ کوئی اندازہ نہ لگا سکتا تھا کہ وہ سو رہے تھے۔ اونگھ رہے تھے یا بیہوش تھے! باغ سے صبح کی نہایت سرد ہوائیں آرہی تھیں اور ان کے جسم پر صرف ایک ہلکی سی بنیائن اور دھاری دار پاجامہ تھا! انہیں موسم کا احساس بھی نہیں تھا۔

آج انہوں نے ناشتے اور کھانے کے بارے میں بھی کوئی خاص ہدایت بھی نہیں دی تھی۔ جبکہ باورچی ان کے پاس آتا اور ہر روز نیا مینو لکھ کر لے جاتا تھا۔! آج اس کی ہمت نہیں پڑی کہ وہ ان کے قریب بھی جاتا! فریدہ نجانے کب کمرے سے نکل آئی تھی! اس کی حالت میں کوئی تبدیلی ہی نہیں ہوئی تھی۔ جیسے اسے پکا اطمینان ہو کہ وہ بالکل پاک و صاف اپنے گھر چلی جائے گی! اس نے عاطف کے کمرے سے نکل کر ان پر ایک نظر ڈالی تھی۔ پھ

ہوتا اچھا۔ انہوں نے بھی اس کے لئے اسے سب سے الگ تھلگ رکھا تھا۔
لیکن اب ہڑنگا کیا۔ وہ اپنے گھر جا بھی سکے گی؟
اسے اپنے ہمسائے کا ایک واقعہ یاد آرہا تھا! مولوی شیخ نورالدین کی چھوٹی کی پڑھی لکھی لڑکی نادرہ اپنے کلاس فیلو اختر علی کے ساتھ بھاگ گئی تھی۔ پھر وہ ہفتہ بھر بعد اختر کے ساتھ واپس آگئی تھی لیکن اُسے شیخ صاحب نے قبول نہیں کیا تھا۔ گھر کے اندر تک داخل ہونے کی اجازت نہیں دی تھی!
وہ دروازے پر کھڑے چیخ رہے تھے اور گلی میں سارا محلہ اکٹھا ہو گیا تھا۔ لڑکی رو رہی تھی باپ کے ہاتھ پاؤں پڑ رہی تھی مگر شیخ صاحب نے اس کے منہ پر تھوک دیا تھا اور گھر میں گھس کر دروازہ بند کر لیا تھا۔ پھر اس لڑکی کا کیا حشر ہوا۔ یہ اسے پتہ نہ تھا!
اس کا حال بھی یہی ہو گا۔ نجانے وہ یہاں سے کب جائے گی۔ جا بھی سکے گی کہ نہیں۔ اسے کون قبول کرے گا۔ وہ اچھی لڑکی نہیں سمجھی جائے گی، تو پھر کیا ہو گا اس کا انجام۔۔؟
سوسن کے کمرے میں ایک ملازم داخل ہوا۔ وہ جو بغور نویرہ کو دیکھ رہی تھی چونک پڑی۔
"سرکار کو اٹھاؤ جا کے۔" وہ اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا بولا۔ "کب سے بنچ پر لیٹے ہیں۔ اب ان کے سر پر دھوپ پڑ رہی ہے! انہیں تو ڈنگ لگتا ہے۔ کہیں کچھ ہو تو نہیں گیا انہیں۔ ڈاکٹر کی ضرورت تو نہیں ہے؟"
نویرہ نے سر اٹھا کر ملازم کو دیکھا اور پھر جھکا لیا۔ ملازم شاید اسے بھول گیا تھا یکبارگی گڑبڑا گیا۔ اور جلدی سے کمرے سے نکل بھاگا!
سوسن نے چپکے سے برآمدے میں جھانکا!

[illegible] پر محنت کرنی پڑتی تھی ان کے دل

میں بھی برسوں سے [illegible] انھیں!

ہوا [illegible] اور دنیا بیں تھے۔

ایک شدید ترین پچھتاوا ان پر فالج کی طرح حملہ آور ہوا تھا!

کیسا عجیب و غریب تجربہ تھا وہ!

آج تک کسی لڑکی نے بھی انھیں زبردست دہائی نہیں دی تھی اور دہائی بھی کیسی۔ ایک دردناک فریاد ہے۔ جو فوراً فریاد رس تک پہونچ بھی گئی تھی ــــ!

ایک انجانا سا خوف تھا جو ان کے پہاڑ جیسے جسم میں سردی بن کر سمایا جا رہا تھا۔ ایک دہشت تھی جو خاموش چیخ بن کر رگ رگ سے ابھر رہی تھی ــ!

آج انھیں اپنی پوری زندگی کا ایک ایک ملوث اور آلودہ لمحہ سامنے سے متحرک اور زبان حال سے اپنی داستان سناتا لگ رہا تھا!

باری باری وہ مجبور اور بے بس لڑکیاں تصوّر کے سامنے آتی اور کہیں دھند میں چھپتی جا رہی تھیں۔ جو ان کے ہوس پر بھینٹ چڑھی تھیں۔ کئی ان میں ایسی بھی تھیں جو زبردستی کی صلیب پر مصلوب ہو گئی تھیں کم تھیں جو اپنی مرضی یا معاوضے کے لالچ میں جسم فروشی کرتی تھیں۔

کیا ان کی گنتی انھیں یاد ہے؟

یہ کیسی زندگی تھی!

زندگی جو ایک عطیہ کو انھوں نے کس بری طرح پامال کیا تھا؟

اگر کوئی ایسی نادیدہ طاقت ہے جو انہیں [illegible] کی طرح [illegible]
سکتی ہے تو پچھلے اعمال بد کی باز پرس بھی کر سکتی ہے۔ اس طاقت کا ابھی
تک انہوں نے مذاق اڑایا تھا۔! اب پچھتاوے نے انہیں یوں پچھاڑ رکھا
تھا کہ ان میں حرکت کرنے کی بھی سکت نہ رہ گئی تھی۔ وہ اپنے محسوسات کا
تجزیہ کرنے سے بھی قاصر تھے۔ بس ایک رخ پر پڑے مسلسل وہ باتیں سوچے
جا رہے تھے جن کا کوئی سرا گرفت میں نہیں آ رہا تھا۔ جیسے ذہن میں مختلف
چھوٹے بڑے رنگ برنگی دائرے بڑی تیزی سے گھوم رہے تھے۔ مدغم ہو رہے
تھے۔ الگ ہو رہے تھے۔ کسی ایک کا تجزیہ کرنا ممکن نہیں رہا تھا!

ان کے والد شاکر صاحب کا شمار بمبئی کے دولت مند صنعت کاروں میں
ہوتا تھا! کئی فیکٹریاں تھیں۔ ایک مِل تھا اور شہر میں درجنوں ٹیکسیاں
چلتی تھیں۔ وہ بڑے اچھے آدمی تھے۔ حد سے زیادہ متقی پرہیزگار فیاض
اور مخیر، کئی نادار طلباء ان کے خرچ پر تعلیم حاصل کرتے تھے کتنی بیواؤں
اور مسکینوں کا انہوں نے ماہانہ باندھ رکھا تھا۔ کئی مفلس لڑکیوں کی شادیاں
کرائی تھیں کسی کو حج پر بھجوایا تھا۔ اپنی دولت کا انہوں نے نہایت مبارک
ومناسب استعمال کیا تھا!

لیکن روایتی طور پر وہ بھی اولاد سے ایک بڑے عرصے تک محروم رہے!
بیوی نے کوئی دوا کوئی دعا نہ چھوڑی۔ ہر درگاہ پہ پیشانی رگڑی۔ فقیروں
کی خدمت کی۔ میاں بیوی پریشان تھے۔ آخر اس بے حساب دولت کا
مصرف کیا ہے۔ جبکہ کوئی وارث نہیں۔

بالآخر خدا نے ان کی سن لی۔ شاکر صاحب کے قریب بڑھاپے
میں لڑکا ہوا۔ غیر متوقع خوشی قدرتی تھی!! انہوں نے سچ مچ مجھولیوں سے

[illegible] دیئے گئے۔ بڑے شاندار پیمانے پر صاحبزادے محمد عاطر کی پرورش
کا آغاز ہوا۔ کچھ بڑے ہوئے تو بے حد مہذب انداز میں تعلیم دی گئی۔!
لیکن ہر خوشی میں ایک نیش کی طرح خرابی بس یہی تھی کہ باوجود تعلیم و
تربیت اور عمدہ پرداخت کے۔ ان کے حد سے زیادہ دلار کئے جاتے
تھے! باپ نے کبھی کوئی چھوٹی سے چھوٹی فرمائش نہیں ٹالی، ماں نے ہر
کہا پورا کیا! اور پھر ان میں ہٹ اور ضد پیدا ہو گئی۔ خواہ کوئی سی خواہش
ہو۔ اس کا پورا ہونا نہایت ضروری ہوتا! اعلیٰ تعلیم نے بھی فطرت میں
جلا پیدا نہ کی!

لڑکا ایک تھا۔ دولت بے انتہا تھی۔ انجام یہی ہوتا تھا کہ لڑکا روز
بروز بگڑتا گیا۔ اسکے مزاج میں غصّہ بڑھی، ظلم یوں رچ گیا جیسے نرم مٹی
میں پانی ــ اب شاکر صاحب پچھتائے۔ بیوی نے بھی بعض وقت واویلا
کی۔ لیکن پانی سر سے اونچا ہو گیا تھا۔ دولت کے نشے نے ماں باپ کی
عزت و تکریم بھی دھندلا کر رکھ دی تھی۔ باپ کی نصیحت اور ماں کی فہمائش
بے کار ثابت ہوئی!

کچھ دنوں تک یہی چپقلش رہی۔ اور پھر شاکر صاحب کے مرنے کے بعد
جب بیوی کا پرسانِ حال کوئی نہ رہا تب بیٹے کے جوہر خوب کھلے! کوئی
روک ٹوک نہ رہی تھی۔ کبھی منع کرنے والا نہ رہا تھا۔ ماں کی وہ کیا گنتی!
ماں نے انہیں خدا کے سپرد کر دیا تھا۔

عاطر بری راہوں پر پڑ گئے۔ خوشامدی دوست احباب نے کئی طرح
کے شوق لگا دیئے تھے۔ سیر و تفریح تھی۔ سیر سپاٹے تھے۔ تاہم [illegible]
شا[illegible] تھے لیکن کوئی نہ تھا جو پوچھتا کہ میاں تم کن راہوں پر چل رہے ہو؟

ماں جو پہلے ہی [illegible] اکلوتے بیٹے کے
یہ اطوار دیکھ دیکھ کر خون کے آنسو روتی تھیں بعد بھی زیادہ دنوں تک
جی نہ سکیں!

ماں کے دو پیارے بیٹے اور عاطر نے میدانِ شوق میں دولت کے گھوڑے
دوڑا دیئے۔ ان کی دولت واقعی گھٹنے والی چیز نہ تھی۔ باپ نے ایک نہایت
شاندار اور خوبصورت کوٹھی قیام کے لئے بنوائی تھی۔ وہ انہیں نصیب
ہوئی۔ منہ تک بھری ہوئی تجوریاں ہاتھ آئیں۔ باپ کا جوڑا جمایا حساب
کتاب دیکھا تو اندازہ ہوا کہ کم از کم ان کی عمر تک یہ دولت ختم ہونے
والی نہیں تھی۔ کپڑے اور آئل ملوں سے ہزاروں روپے ماہانہ آمدنی ہوتی
تھی۔ مکانات کرائے پر دیئے گئے تھے ان کے کرائے ملتے تھے۔ ٹیکسی
ڈرائیور روز سیکڑوں روپے دے جاتے تھے!

ابا اس بڑے در سے کسی کو ایک پیسہ بھی مدد کا نہیں ملتا تھا۔
کتنے محتاج، یتیم، نادار اور بیوہ عورتیں بھیک مانگنے پر مجبور ہو گئیں!
کارِ خیر میں لگنے والا پیسہ کارِ بد میں صرف ہونے لگا!

عاطر نے خوب کھیل کھیلے دنیا کا کوئی بڑا کام ایسا نہ تھا جس سے انہیں
دلچسپی نہ ہو۔ وہ گھر جہاں میلاد کی مجلسیں منعقد ہوا کرتی تھیں وہاں
فحش فلمی گیت گائے جانے لگے۔ عاطر کو پتہ ہی نہ تھا۔ رقص و موسیقی،
عیاشی اور بازاری تفریح کے سوا دنیا میں کوئی اور بھی اچھا کام ہوتا ہے
انہیں معلوم نہ تھا۔ مذہب کیا چیز ہے؟ انبیاء اولیا اور صلحاء کس کو کہتے
ہیں۔ مغربی تعلیم اور صحبت بد نے انہیں ایسا مجسم بنا دیا تھا۔
غصّہ، برہمی، ضد، خود سری ان کی فطرت تھی۔ ظلم عادت [illegible]

ہمدردی، نیکی، اور بھلائی کیا چیزیں ہیں۔ وہ جانتے بھی نہ تھے!
لیکن طبعاً اور فطرتاً وہ مسلمان ماں باپ کی اولاد تھے بچپن اور ابتدائی
ہوشمندی کے دور میں نیکی بدی اور صالحین کے اسمائے گرامی ان کے کانوں
میں پڑ چکے تھے۔ بہت سی مذہبی مجلسیں جو شاکر صاحب منعقد کرتے تھے
وہ دیکھ چکے تھے ایک سامع کی حیثیت سے ان جلسوں میں شرکت کی تھی۔!
اور مذہب اور مذہب کے پیدا کرنے والے سے اتنے بے خبر نہ تھے۔
ہمیشہ نیکی بھاری پتھر کی طرح ان کے شعور کے سمندر میں پڑی رہی تھی
اور برائیاں ہلکی پھلکی لکڑیوں کی مانند سطح پر تیرا کرتی تھیں۔
لیکن اُس رات ــــ
وہ رات عجیب رات تھی۔
جب نیکی کے پتھر اچانک سطح پر اُبھر آئے تھے اور انہیں کچلے ڈال رہے
تھے ـــــ!
کیسی دہائی تھی۔
کیسی فریاد تھی۔
دل کی گہرائیوں سے پھوٹی ہوئی ایک کربناک بے بس چیخ جو ابھی تک
کانوں میں اپنی پوری شدتوں سے گونج رہی تھی۔
ان کی بند آنکھوں کے سامنے دو اجنبی آنکھیں تھیں جو انہیں گھور
رہی تھیں۔ ان میں قہر و غضب کی بجلیوں کے کوندے لپک رہے تھے۔!
کیا وہ خدا کی آنکھیں نہیں تھیں؟
اور وہ کسی طرح بھی اُن غضب ناک آنکھوں کو بند نہیں کر سکتے تھے۔!
ان کا دل رو رہا تھا!

ضمیر ان کی روح پر آتشیں کوڑے برسا رہا تھا!
آج انہیں پتہ چلا تھا۔
اب تک وہ جو کچھ بھی کرتے رہے تھے۔ وہ ہوس پروری، گناہ اور عذاب کے سوا کچھ نہ تھا!
انہیں اس سے ہنگامی لذت کوشی کے سوا فائدہ کیا پہونچا تھا؟
صحت و سرمائے کا زیاں!
اور بس،
دھوپ ان پر سے گزرتی ڈھلنے لگی!
کوٹھی پر جیسے موت کے سائے محیط تھے!
ملازم ایک جگہ اکٹھا چہ میگوئیاں کر رہے تھے اور حیران تھے!
سب کی آنکھوں اور زبانوں پر صرف ایک ہی سوال مچل رہا تھا۔
آج یہ نئی بات کیسی ___؟
دن کے گیارہ بج چکے تھے!
دفعتہً صحن میں کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی! اور دوسرے لمحہ کسی کی بناوٹی سریلی آواز گونجی۔
"مسٹر عاطر! آپ کہاں ہیں؟ ارے! آج یہ سناٹا سا کیوں ہے یہاں؟"
سوسن اُچھل پڑی اور کوٹھی کے نگراں بولے ___ "لو۔ وہ مِس برنی آگئیں۔ اب سب ٹھیک ہو جائے گا!"
مِس برنی عاطر کی پڑوسی تھیں۔ جونیئر کالج کے پرنسپل برنی صاحب کی نہایت اپٹوڈیٹ، ترقی پسند اور بے حد فیشن ایبل صاحبزادی۔
عاطر کی پرانی دوست تھیں۔ ان میں بہت گاڑھی چھنتی تھی! دونوں کے

مشاغل قریب قریب یکساں تھے!

سوسن باہر نکلی! اور ان کے استفسار پر بولی۔ "صاحب کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے شاید۔ ادھر برآمدے میں کوچ پر لیٹے ہیں۔ ہم نے تو انہیں اٹھانے کی ہمت نہیں کی میم صاحب۔ اب آپ ہی جائیے اور سرکار کو جگائیے! نجانے کیا بات ہے! اس طرح سو رہے ہیں انہیں تو بہت گھبراہٹ ہو رہی ہے!

مس رافعہ برنی نے ایک کھنکتا ہوا قہقہہ لگایا۔ "او۔ غریب بوڑھی۔ ارے کیا تم نہیں جانتیں۔ تمہارا صاحب رات کئی بوتلیں چڑھا گیا ہوگا کیوں جی۔ رات کوئی نئی تتلی جال میں پھنسی تھی کیا؟"

سوسن نے نچلا لب دانتوں میں دبا لیا۔ کچھ نہ بولی۔ برنی کی صاحبزادی اٹھلاتی کمر میں سو سو بل دیتی برآمدے میں گئیں اور بے حد ناز سے مسکرا کر عاطر کو دیکھنے لگیں! پھر انہوں نے جھک کر ان کے گھنے گھنے بالوں میں اپنی پتلی پتلی خوشنما انگلیاں الجھا دیں! عاطر نے آنکھیں کھولیں پھر چند لمحہ اسے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھا کئے اور اس کے بعد ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی گوریلا سوتے سے اچانک پاگل ہو گیا ہو۔

ایک ناقابل برداشت جھڑکی دے کر انہوں نے اس کا ہاتھ اپنے سینے پر سے ہٹایا اور پھر اٹھ بیٹھے۔ رافعہ چونک کر پیچھے ہٹی!

"چلی جاؤ!" وہ باغ کے گیٹ کی طرف ہاتھ اٹھا کر دہاڑے۔ "ابھی اور اسی وقت میری نظروں سے دور ہو جاؤ ورنہ نوکروں سے دھکے دے کر نکلوا دوں گا! جاؤ!"

وہ بھی پاگل ہی ہو گئی۔ بلکہ اس پر پاگل پن کے ساتھ ساتھ جھینپ اور غصے نے بھی حملہ کیا تھا۔ آنکھیں پھٹی ہوئی، چہرہ سرخ انگارہ پھڑک

رہے تھے۔

"مسٹر عاطر۔۔ آپ اپنے ہوش میں تو ہیں۔" وہ خود پر قابو پاکر چیخی۔
ہوش تو مجھے آج ہی آیا ہے۔۔ اب مجھ سے کسی بے ہوشی کی توقع مت رکھو۔" وہ بڑے استہزائیہ انداز میں ہنسے۔ ان کی گھنی گھنی مونچھوں میں سفید دانت یوں چمکے، جیسے اپنا کوئی دشمن سامنے دیکھ کر بھیڑیا دانت نکالے! رافعہ سُرخ ہو گئی۔

وہ تو ان کی بہت قدیم "سہیلی" تھی۔ اچھے بُرے کی ساتھی۔ کونسا راز تھا جو ان کا مشترکہ نہ تھا۔ آج تک تو کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ عاطر اس سے یوں پیش آتے۔ وہ سمجھ چکی تھی کہ وہ پاگل ہو گئے ہیں! اس نے کنکھیوں سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ ملازموں کی کھوپڑیاں یہاں وہاں جھانک رہی تھیں۔ اسے بے حد توہین محسوس ہوئی!

اس سے بعد کو "سمجھ" لینے کا عہد کر کے وہ بڑے طیش میں پلٹی اور کھٹ کھٹ کرتی چل دی۔

عاطر کوچ سے اُٹھے۔ اپنے سراپا پر متحیرانہ نظریں ڈالیں۔ کتنا بے تکا لباس تھا۔ انہوں نے سر اُٹھا کر گردوپیش دیکھا۔ تقریباً سارے ملازمین پتھر کے بتوں کی طرح اِدھر اُدھر ایستادہ نظر آئے!
کلائی کی گھڑی پر نظر پڑی۔ زیادہ تعجب ہوا۔

"پونے بارہ ہے!"

"اوہ۔ خدا۔۔" برسوں بعد لبوں پر پیدا کرنے والے کا نام آیا۔
"سرکار۔۔!" کچھ جھجکتا سا کرسوس ذرا قریب آئی۔ نصیب دشمناں طبیعت کچھ ناساز ہے حضور۔ آج آپ نے ناشتہ تک طلب نہیں کیا!

"غسل خانہ تیار کر دوں سرکار ؟" فیروز نے پوچھا۔

"نہیں !" عاطر نے اپنی عادت کے خلاف بے حد نرم لہجے میں کہا "تم ناشتہ تیار کرواؤ۔ روزہ کا سا نہیں ہونا چاہیئے۔ عمدہ اور زیادہ۔ اب جاؤ ! سوسن تم ٹھہرو گی۔"

ملازم چلے گئے۔ سوسن ان کے حکم کی منتظر کھڑی رہی۔ عاطر اس کے قریب آئے اور ہولے سے پوچھا۔

"وہ۔ لڑکی۔ کہاں ہے۔ کیا کر رہی ہے ۔۔۔ ؟"

سوسن نے چپکے سے سانس لی۔ "سرکار۔ وہ لڑکی مجھے انسانوں سے الگ کوئی مخلوق لگتی ہے !"

"کیوں ۔۔۔ ؟"

"اب نہ روتی دھوتی ہے نہ فریاد کرتی ہے۔" سوسن بولی۔ "صبح سویرے اس نے نماز پڑھی تھی اور بس۔ تب سے اب تک جا نماز ہی پر بیٹھی آہیں بھر رہی ہے !"

"نماز پڑھی تھی اس نے ؟"

"جی ہاں ۔۔۔ ؟"

"تبھی آج در و دیوار اتنے پر نور نظر آرہے ہیں۔ عاطر کے منہ سے نکلا ! سوسن حیرت سے انہیں تکنے لگی ۔۔۔ !

"اچھا سوسن ! میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔ اگر وہ راضی ہو اور منظور کرے تو اسے میرے پاس بھیجدو !" یہ کہہ کر وہ چلے گئے !

"کیا خدا نے ان کا دل پلٹنے کا سامان کیا ہے۔" سوسن زیر لب بولی اور سرپٹ کی چال سے اپنے کمرے میں آئی !۔

"نویرہ بیٹی!"

اس نے متفسرانہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"بیٹی تمہیں۔ صاحب اپنے کمرے میں بلا رہے ہیں!"

اور نہ انکار نہ اصرار۔ وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ "لے چلو اماں!"

سوہن اسے دروازے تک پہونچا کر چلی گئی!

"آؤ۔ نویرہ۔!" عاطر نے کہا۔

وہ کمرے میں داخل ہوئی اور ڈریسنگ ٹیبل سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی!

"آؤ۔ بیٹھ جاؤ۔ یہاں صوفہ پر!" وہ اس سے نظریں ملاتے شرما رہے تھے۔

بے چوں چرا نویرہ صوفہ پر ٹک گئی!

"تم نے ناشتہ کر لیا؟"

"جی نہیں!"

"کیوں۔!"

"اب کر لوں گی!"

نویرہ کا سر جھکا ہوا تھا۔ عاطر اسے بغور تک رہے تھے! کیا ہوتا اگر یہ پاکیزہ کلی پامال ہو جاتی! کتنی حسین ہے۔ کتنی نازک، صابر، شاکر۔ نجانے اس ننھی سی نہر کی گہرائی کتنی ہے!

"نویرہ؟"

"جی۔!"

"میں تم سے معافی مانگتا ہوں۔ خدا کے واسطے مجھے معاف کر دو۔

میں اب تک بڑے غلط راستوں پر بھٹکتا رہا تھا۔ تم نے مجھے صحیح راہ دکھا دی ہے۔ اب میری یہی کوشش ہوگی کہ میں تمہارے دکھائے ہوئے راستے سے بھٹکنے نہ پاؤں۔ میں تمہارا شکر گزار ہوں! میری آنکھیں کھل گئی ہیں۔۔۔ نویرہ۔۔۔ کہدو کہ تم نے مجھے معاف کر دیا۔۔۔!"

بے حد سادگی سے اس نے جواب دیا "میں نے آپ کو معاف کر دیا۔" اور پھر سر اٹھا کر بولی "آپ نے یہی کہنے کے لئے مجھے بلایا تھا؟۔"

"ہاں!" بےساختہ ان کے لبوں سے نکل گیا۔

"تو پھر اب میں جاؤں!"

"کہاں؟"

"سوسن کے کمرے میں!" ایک گہری آہ اس کے سینے سے نکلی اور اس نے پھر سر جھکا لیا۔

"نویرہ۔ اب تم اس کمرے میں مت جاؤ۔" عاطر کے دل میں وہ سانس برچھی کی انی کی طرح چبھ گئی۔ انہوں نے بڑے خلوص سے کہا "تم میرے کنبہ کی ایک لڑکی کی طرح یہاں رہوگی سوسن کے کمرے میں نہیں۔ وہ مقام تمہارا نہیں ہے۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ کل صبح کے پلین سے میں تمہیں واپس گھر پہونچا دوں گا! ایک رات کی مہلت مجھے اور دو۔"

"مگر۔۔۔!" وہ رک گئی۔

"کہو۔ رک کیوں گئیں۔۔؟"

"میں اب گھر جا کے کیا کروں گی؟"

"کیوں۔۔۔!" عاطر تعجب سے اسے دیکھنے لگے۔

"مجھے اب خوشی سے قبول کون کرے گا۔۔۔!"

عاطر نے نچلا لب دانتوں میں دبا لیا۔

"آپ کے گھر میں اتنے نوکر ہیں۔ انہی میں مجھے بھی رکھ لیجئے۔" نویرہ نے ایک زخم اور لگا دیا۔ "انہیں تو آپ تنخواہیں دیتے ہوں گے۔ میں آپ سے تنخواہ بھی نہیں مانگوں گی۔ عمر بھر یونہی پڑی رہوں گی۔! اب میرا دنیا میں کون ہے۔ نہ ماں باپ، نہ بہن بھائی۔ ایک ماں تھی اسے بھی تقدیر نے جدا کر دیا۔ اب مجھے کہاں جانا ہے کسے اپنی شکل دکھانا ہے۔ لوگ کیا سمجھیں گے! میں کسی سے کہوں گی بھی کیا؟"

عاطر پر گھڑوں پانی پڑ رہا تھا۔ وہ خاموش بیٹھے سوچتے رہے۔ یہ انہوں نے کیا کیا تھا؟ اب کریں گے کیا۔؟ اتنے میں ملازم ٹرالی ڈھکیلتا ہوا کمرے میں آیا۔ اور اس نے بڑی میز پر کھانے کے لوازمات سجا دیئے۔!

"آؤ نویرہ۔ میرے ساتھ کھانا کھاؤ!" عاطر نے اسے دعوت دی۔ وہ اب بھی یوں اٹھ گئی۔ جیسے وہ اس کے کوئی پرانے دوست ہوں اور ان کے ساتھ کھانا اس کے معمول میں شامل ہو گیا۔

کھانے کے دوران عاطر نے پوچھا "یہ تم نے پرانی دھجی سی کیا چیز اوڑھ رکھی ہے؟" بے حد سادگی سے وہ بولی "پتہ نہیں آپ لوگوں کے لانے میں میرا دوپٹہ کہاں گر گیا۔ یہ تو اماں سوسن نے اپنی پرانی ساڑی سے ایک ٹکڑا پھاڑ کے دیدیا ہے!"

عاطر کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب اس سے کس طرح پیش آئیں۔ وہ نہایت سادگی، معصومیت اور بھولے پن سے انہیں قدم قدم پر شکست دے رہی تھی۔ اس کی ہر سیدھی سادی بات ان کے دل پر تیر بن کر لگتی.... وہ چاہتے تھے کہ وہ انہیں جی بھر کے لعنت ملامت کرے

[illegible]

پھرنے لگے تھے۔ مگر وہ بقول سوسن کے کسی اور دنیا کی مخلوق [illegible]
نہ روتا نہ چلاتا۔ نہ آہیں بھرتا۔ نہ فریاد کرتا!

یک بیک وہ جھلا گئے: "تم اس کم رتبہ ملازمہ کو خبردار پھر کبھی اماں نہ کہنا۔"

"بہت اچھا نہیں کہوں گی۔ یہ رشتے اپنا احترام اور اعتبار کھو چکے ہیں۔" وہ بولی۔ "مسز رباب نے بھی خالہ ہی بن کر برباد کیا ہے! میں اسے سوسن ہی کہوں گی!"

"نویرہ۔ آج ہم چل کے تمہارے لئے بہت سے ملبوس خرید لائیں گے" عاطر نے کہا: "مگر تم تو میرے تیار کردہ کپڑوں کو ناپاک کہتی ہو۔ انہیں استعمال نہیں کرتیں۔"

"اب کروں گی۔ کیونکہ وہ چاہے پاک ہوں کہ ناپاک۔ مجھے پہننے تو پڑیں گے۔ کیونکہ مجھے اب یہیں رہنا ہے!"

"تمہیں ہرگز یہاں رہنا نہیں ہے۔" عاطر نے سخت لہجے میں کہا۔ "تمہیں کل اپنے گھر اپنے رشتہ داروں میں جانا ہے۔ میں سمجھ نہیں سکتا کہ تم کس قسم کی لڑکی ہو۔ تمہاری تعلیم کہاں تک ہے۔ تمہاری پرورش کس انداز میں ہوئی ہے؟ تم عام لڑکیوں سے کتنی مختلف ہو! کیا تمہاری حسیات اتنی جامد ہیں کہ کسی قسم کی تبدیلی تم پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ تم اتنی پرسکون صابر رضا کر کیوں بن گئی ہو ۔۔۔؟ کیا تمہیں اپنا گھر اپنے والدین اور عزیز و اقارب یاد نہیں آتے۔ گھر جانے کو دل نہیں چاہتا ۔۔۔!!"
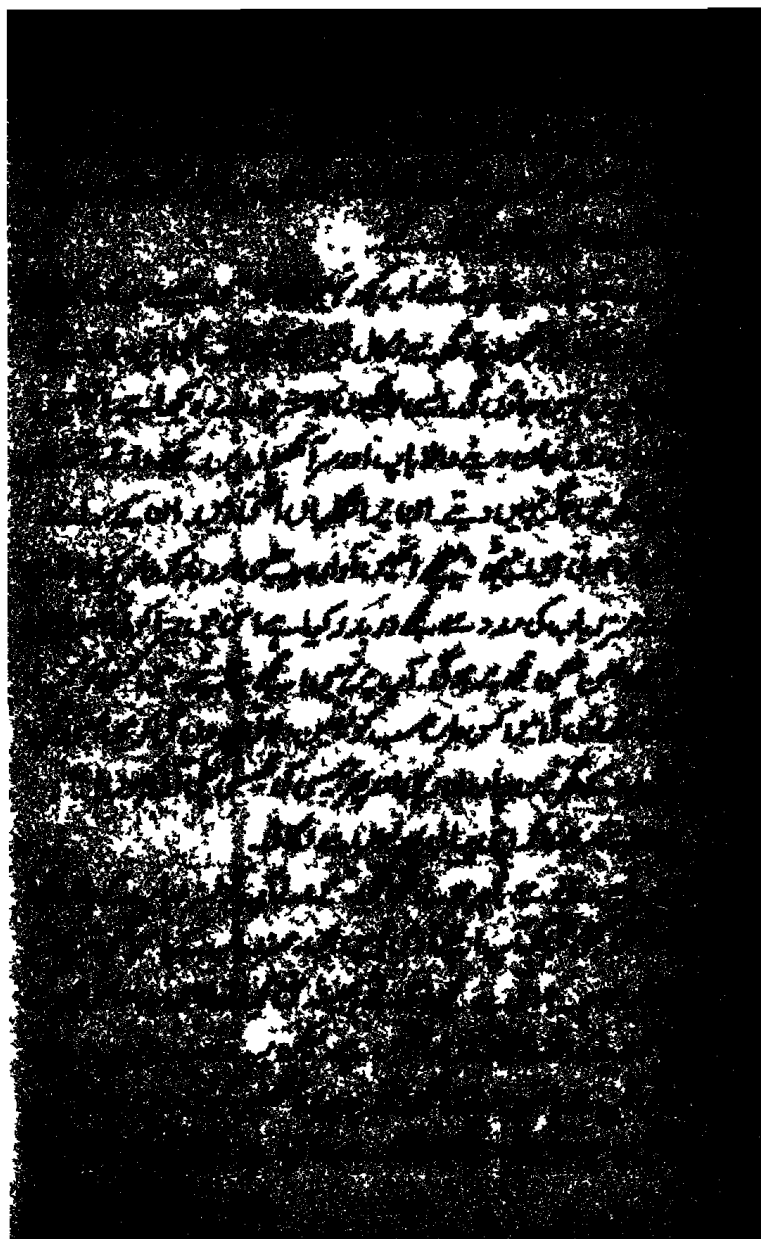
میں بھی تھی ہوں۔ ایک بڑا مستقبل میری طرف بڑھ رہا ہے۔ پھر میں واویلا کر کے کیا کروں؟ فریاد کر کے مجھے کیا کرنا ہے۔ بس میں اسی قسم کی لڑکی ہوں کہ اپنی قسمت پر شاکر رہ جاتی ہوں — !"

ملازم نے دروازے سے جھانکا! عاطر نے اسے حکم دیا کہ وہ برتن لے جائے۔ ناشتے کے بعد وہ برآمدے میں آ گئے۔ نویرہ نے حیرت سے آنکھیں پھیلا کر گرد و پیش نظر ڈالی۔ کتنا شاندار برآمدہ تھا۔ نیم دائرے کی شکل میں منڈیر کی جگہ خوشنما اور نازک جالیاں لگی تھیں۔ ان پر تھوڑے تھوڑے فصل سے کانسی کے منقش ستون ایستادہ تھے۔ سامنے سرسبز باغ تھا۔ بڑے گنجان اور اونچے درختوں میں ہوائیں شور مچا رہی تھیں۔ وہ درخت کن پھلوں کے تھے نویرہ اندازہ نہ لگا سکی۔ لیکن مکان اور مکین کے تمول اور امارت کی ہیبت اس کے دل پر بیٹھ گئی۔ وہ خود تو غریب کی آغوش کی پروردہ تھی! اس نے یہ شان و شوکت کہاں دیکھی تھی۔ اس کے اپنے گھر کے بڑے کمرے میں دادا ابا کے وقتوں کا تخت بچھا تھا۔ خواب گاہ میں نواڑ کی ایک مسہری پڑی رہتی تھی۔ وہ بھی شاید اس کی ماں کے جہیز کی تھی۔ ایک چھوٹا کمرہ ملاقاتیوں کے لئے مخصوص تھا۔ وہاں بید کی کرسیاں اور بوسیدہ سی میز رکھی تھی!

اور یہاں — جس چیز پر اس کی نظر ٹھہرتی، ٹھہر جاتی! اونچی اونچی آہنی الماریاں ان پر سجا ہوا نجانے کیا کیا سامان تھا۔ اور اندر کا حال خدا جانے کمرے میں نہایت قیمتی صوفے بچھے تھے۔ ایک الگ حصے میں ٹی وی لاؤنج تھا۔ نویرہ نے اسے کسی قسم کا صندوق سمجھا تھا۔ وہ کوٹھی شان امارت کا تعجب خیز مظہر تھی — !

وہ برآمدے میں آئے تب عاطر نے پھر وہی مسئلہ چھیڑ دیا۔ بولے۔
"تم گھبراؤ مت۔ میں خود چلوں گا تمہارے ساتھ اور تمہاری امی سے مل کر میں انہیں سب کچھ سمجھا دوں گا۔ مجھے مسز رباب کے بخیئے بھی تو ادھیڑنے ہیں۔ کم بخت مجھے بھیڑیا بنا رہی تھی۔ اب میں بھیڑیا بن ہی کے اس کی کھال کھینچوں گا!"

"آپ کچھ بھی کیجیے۔ مگر میں گھر نہیں جاؤں گی!"

"یہ کیا بکتی ہو بار بار!" وہ چیخے۔

"ایک بات کہوں آپ سے۔ برا نہ مانیں تو۔ کیونکہ میں نے سنا ہے آپ کو غصہ بڑی جلدی آجاتا ہے۔ آپ اپنے خلاف کوئی بات سننا پسند نہیں کرتے۔"

"کہو!" ناگواری ان کے نتھنوں سے برس رہی تھی! کہاں کی بلا گلے پڑی ہے۔ نہ الٹی مانے نہ سیدھی۔ کیا دنیا میں لڑکیوں کی کمی تھی۔ اور اس برف کی سِل کے انہوں نے دس ہزار ادا کئے تھے۔ رقم مفت میں ایک لالچی قحبہ کی تھیلی میں گئی اور رقم کا بدل بھی نہ ملا۔ نئی اجنبی قسم کی مشکلیں سامنے آگئیں۔ یہ ملانی ٹائپ ٹھنڈی چھوکری انہیں کی چوکھٹ تھامے بیٹھی رہ گئی تو کیا ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ موقعہ بے موقعہ نصیحتوں کے طومار بھی باندھیں وہ بے حد ناخوشگوار انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگے!

"آپ بار بار مجھ سے گھر جانے کو کیوں کہتے ہیں۔ برا مت مانیے تو کہوں اگر آپ کی کوئی بہن یا بیٹی اس طرح چار چھ روز کسی غیر مرد کے پاس رہ کے آتی تو کیا آپ اسے بخوشی قبول کر لیتے۔ رکھ لیتے اسے اپنے گھر میں۔ اس سے پھر پہلا سا سلوک کرتے۔؟ چپ کیوں ہو گئے۔ وہاں کا اگر کوئی

شائبہ بھی آپ میں ہو تو بتائیے سچ سچ؟۔ اب مجھے اپنی ماں کی ملامت خیز نظروں کا مقابلہ کرنے کے لئے واپس کیوں بھیجے دیتے ہیں؟؟"

عاطر پھر لاجواب ہونے لگے۔ غصہ تو انہیں بے حد آرہا تھا۔ دل چاہ رہا تھا کہ اٹھائیں ہنٹر اور برسانے لگیں اس پر۔ مٹھی بھر ہڈیاں ہیں۔ بالشت بھر کا قد ہے۔ لیکن زبان کی لمبائی اور تیزی کی کوئی حد نہیں۔۔؟ اب تک بہتیری لڑکیوں سے واسطہ پڑ چکا تھا۔ اس طرح گوند بن کر زبردستی تو کوئی سر نہ چپکی تھی۔ یہ کیسی پاگل ہے جو الٹی ضد کر رہی ہے؟۔

اگرچہ کہ ماں بہن ان کی نہیں تھیں۔ لیکن انہیں طیش آگیا۔

"زبان ہی کھینچ لوں گا گدی سے۔ اگر زیادہ بکواس کرو گی تم موم مت سمجھو کہ جدھر سے دباؤ گی دب جاؤں گا۔ میں پتھر ہوں۔ پتھر۔ مجھیں ٹوٹ جاؤں گا، بکھر جاؤں گا۔ مگر مڑوں گا نہیں۔ یہ میری اصلیت اور فطرت نہیں ہے۔"

"عاطر صاحب! مسز رباب نے اب تک جتنی لڑکیاں آپ تک پہنچا کر ثواب دارین حاصل کیا ہے اور جتنی لڑکیوں کو برباد کر کے آپ نے دین دنیا کی نعمتیں اور خدا کی خوشنودی حاصل کی ہے وہ بھی تو آخر کسی نہ کسی کی بہنیں اور بیٹیاں ہوں گی۔۔؟ اپنی بہن اور بیٹی کا تذکرہ آپ کیوں نہ برداشت کر سکے۔؟"

"بدتمیز، کم بخت، زبان دراز۔" آپے سے باہر ہو کر عاطر نے اس پر تھپڑ تان لیا۔

نویرہ کی پلکیں جھپک گئیں۔ وہ بے اختیار دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اور بولی: "آپ کتنے حسین ہیں۔ آپ کی شکل کتنی اچھی ہے۔ کاش آپ کی

بیرت بھی اتنی ہی خوبصورت ہوتی ___ ! "

" اچھا۔ کم بخت، ناشدنی، پاگل لڑکی ___ اب تم بے شک یہیں مروگی تمہارا جنازہ یہیں سے اٹھے گا۔ تمہاری قبر یہیں بنے گی۔ اب ہاتھ پاؤں جوڑ کے التجائیں کروگی تب بھی یہاں سے نکل نہ سکوگی۔ تمہیں ماماؤں سے بدتر رکھوں گا۔ اب تو تمہاری یہی سزا ہے۔ خدا غارت کرے آج تک ایسی بدروح سے سابقہ نہ پڑا تھا! "

وہ خوب چیخے چلائے۔ گرجے برسے۔ اپنے غصے اور طیش کی جھونجھل میں کئی ناگفتہ بہ گالیاں بھی بکیں۔ پھر پاؤں پٹختے ہوئے چلے گئے ___!

نویرہ سر جھکائے برآمدہ کا چمکدار فرش دیکھا کی!

اب وہ اپنی بدترین تقدیر پر مکمل طور سے قانع ہو چکی تھی! اس نے اپنے ذہن سے یکقلم سب کو فراموش کر دیا تھا۔ حتیٰ کہ اپنی ماں کو بھی!!!

مس رافعہ برنی تھیں تو عاطر کی پرانی ہمسائی لیکن وہ ان کی جگری دوست بھی تھیں! ایک دوسرے کے راز دار غمگسار، سب کا خیال تھا کہ جلد ہی دونوں رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو جائیں گے۔ عاطر تو محض اس کی "سہل الحصولی" کی وجہ سے اس پر لٹو تھے۔ گندم اگر بہم نہ رسد بھس غنیمت است کے مصداق وہ بخوشی ان کے پاس ہوتی تھیں۔ جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا تھا۔" لیکن رافعہ ان کی دولت اور جسم پر فدا تھیں۔ اب تک تنہائی کے سلسلے میں عاطر نے ان کا گھر بھر دیا تھا۔

کیا کچھ نہ دیا تھا تحفے تحائف اور معصوم شوپنگ کے بہانے۔ اگرچہ وہ صورت شکل کی یونہی سی تھیں لیکن خود کو سجائے رکھتیں! اپنی دانست میں انھوں نے عاطر کو اپنے حسن نے بے موت مار رکھا تھا۔ ویسے بھی اندھی ہوا ہوسی صرف جسم دیکھتی ہے صورت نہیں!

اور اب یہ انقلاب آیا کہ عاطر ان کی شکل سے بیزار ہو گئے۔ قیامت سی قیامت تھی! ایک بری گھڑی انہوں نے کسی نہ کسی طرح ہضم کرلی تھی۔ کچھ دیر محو حیرت بھی رہی تھیں۔ لیکن حیرت اور قلق کی طوالت نقصان دہ بھی ثابت ہو سکتی تھی۔ لہٰذا وہ دوسرے دن پھر آدھمکیں۔ اس روز عاطر کے ناقابل فہم رویے کو انھوں نے نشے کی زیادتی پر محمول کیا تھا۔ لیکن انہیں پتہ نہ تھا کہ اب ایک آفاقی ترشی نے عاطر کا ہر قسم کا نشہ اتار دیا تھا۔ اب وہ مکمل ہوش میں تھے! بلکہ اس قدر شدت سے انہیں ہوش آیا تھا کہ پچھلی تمام ہوشمند بیہوشیاں انھیں فرط ندامت سے خودکشی پر مائل کر رہی تھیں۔ ایک نیم مردہ سی بے زبان ہستی نے انھیں خوب اچھی طرح جھنجھوڑ کر خواب گراں سے بیدار کر دیا تھا۔ عاطر کے شب و روز بدل چکے تھے انہیں اپنی پرانی دلچسپیاں یکسر مہمل شرمناک اور بے سود لگ رہی تھیں! ایک ہی رات میں انہوں نے ایک عمر کا لائحہ عمل سوچ ڈالا تھا!

لیکن ان کے مزاج کی گرمی، جھنجھلاہٹ بدستور تھی! بڑھ چکی تھی!

صبح کو ان کا پرانا ملازم فیروز جو ان کی مجرمانہ سرگرمیوں کا بڑا مددگار اور کسی حد تک دست راست تھا۔ ان کے مزاج میں کافی دخیل تھا۔ وہ ان کے کمرے کی صفائی کے لئے آیا۔

عاطر اپنے شاندار دیوان پر لیٹے صبح کا اخبار دیکھ رہے تھے۔ اتنی

وقت ان کے پاس ہمیشہ ایک شیشی آتشِ سیال کی اور طشتری میں کاجو یا بادام ضرور ہوا کرتے تھے۔ لیکن اس وقت میز دور پڑی تھی! اور شیشی یا طشتری کہیں دکھائی نہیں دی؟ فیروز کو تعجب ہوا۔ وہ چپ چاپ اندر کے چھوٹے کمرے میں گیا جو ہمیشہ ایر کنڈیشنڈ رہتا تھا اور قیمتی امپورٹیڈ شرابوں کا ذخیرہ اسی کمرے میں محفوظ رہا کرتا تھا!

فیروز جو اپنے مالک کی عادات سے واقف تھا۔ ایک شیشی اور کانچ کا نیلے رنگ کا خوشنما پیمانہ نکال لایا۔ میز سرکائی اور اس پر یہ چیزیں رکھ دیں۔ اخبار عاطر کے چہرے کے برابر آڑ تھا۔ وہ فیروز کی نقل و حرکت دیکھ نہ سکے تھے۔ آہٹ پر چونکے! اور اخبار ایک طرف رکھ کر سیدھے ہو بیٹھے!۔

پھر فیروز کو یوں دیکھا کہ وہ تھرّا گیا۔

"یہ کیا کر رہا ہے؟" وہ غرائے۔

"حضور۔ آپ روز ——!" وہ ہکلایا۔

"کیا یہ سب کچھ میں نہ کر سکتا تھا۔ تجھ سے یہ کرنے کو کس نے کہا تھا!؟"

"کسی نے نہیں سرکار!"

"تو تو مجھ پر اپنی مرضی چلانا چاہتا ہے۔ کیوں؟" وہ اٹھ کر کھڑے ہوگئے شاندار، قوی الجثہ۔ اونچے پورے قد آور —— فیروز ان کے سامنے بونا بن کر رہ گیا! انہوں نے شیشی اور پیمانہ اٹھایا اور کھڑکی کی راہ باہر باغ میں پھینک دیا۔ فیروز خائف ہو کر پیچھے سرک گیا۔ کچھ تعجب نہ تھا کہ میز اس کے سر پر ٹوٹتی، اونچی تنخواہیں دینے والا مالک غلاموں کے جسموں پر بھی قادر ہوتا ہے سلامت رکھے کہ ٹھوکروں سے پامال کر دے! لیکن نہیں۔ میز کی طرف انہوں نے کوئی توجہ نہ دی۔ بولے۔" الله کرنے کے

ریکوں میں شیطان کی یہ غلاظت کتنی اور موجود ہے ؟ "
فیروز گھبرا کر ان کا منھ تکنے لگا !
" ابے اُلّو کے پٹھّے۔ میں پوچھ رہا ہوں۔ ریکوں میں کتنی بوتلیں اور ہیں؟
اب کی وہ گرجے۔
"بہت سی ہیں۔ سرکار۔ ایکسو سے اوپر ۔۔! " فیروز ہکلایا۔
" نکال لا۔ "
" سب ؟ "
" ہاں سب ! "

فیروز متحیر تھا۔ عجیب عجیب حرکتیں کر رہے ہیں ۔اب کیا ساری بوتلیں ایک ہی وقت میں شڑپ جائیں گے ۔۔ ؟ اور پھر زندہ رہیں گے۔ وہ حیرت کے مارے پاگل سا اندر گیا اور پلاسٹک کے ایک بڑے سے ٹب میں ساری بوتلیں اور شیشیاں رکھ کے ان کے پاس لے آیا۔ عاطر دروازے میں کھڑے تھے! اشارے سے اُسے اپنے پاس بلایا۔ وہ ٹب لے کے اُدھر گیا۔۔! اور ٹب فرش پر رکھ کر حکم کا منتظر کھڑا ہو گیا۔

نیچے باغ تھا۔ پختہ روشیں تھیں۔ سنگ مرمر کے خوشنما قطعات تھے ! اور خوبصورت چھتریوں کے نیچے سنگی بنچیں پڑی تھیں۔ عاطر نے پاؤں سے ٹب قریب سرکایا۔ پھر اچانک جھک جھک کر ایک ایک بوتل اور شیشی اٹھاتے گئے اور وداعی گالیوں کے ساتھ نیچے باغ کی پختہ روش پھینکنے لگے۔ بڑے ساغر نواز چھناکے گونجنے لگے۔ ہوائیں بھانت بھانت کی مہک اوپر لائیں۔ تماشہ دیکھنے کے لئے سارے ملازم دوسرے برآمدے سے جھانکنے لگے۔ لیکن مجال کس کی تھی کہ ان کا ہاتھ پکڑتا تا انھیں روکتا یا کم از کم اس انقلاب

عظیم کی وجہ ہی پوچھ سکتا!

اس منٹ کے اندر اندر ہزاروں روپے کی قیمتی شراب روش پر بہہ گئی۔ یہاں سے وہاں تک رنگ برنگی کانچ کے ٹکڑے بکھر گئے۔! اور پھر انہوں نے خالی ٹب کو بھی اٹھایا اور بھناکر نیچے پھینک دیا۔ اتفاق ہی تو تھا کہ باغبان بے چارہ اس عجیب تماشے کو دیکھنے کے لئے اپنی کوٹھری سے نکل آیا تھا۔ اور منھ اوپر کئے یہ کھیل دیکھ رہا تھا۔ اُسے کسی ناگہانی کی خبر کیا تھی۔ وہ اوپر دیکھتا رہا۔ اور آسمانی بلا کی طرح ٹب اس کی کھوپڑی پر منڈھ گیا! کس بُری طرح بلبلا کر اس نے وہ قدرتی ہیٹ سر سے اُتار پھینکا ہے کہ بیان سے باہر۔۔ اور بھاگا اپنی کوٹھری کی طرف۔۔! عاطر جو سخت غصّے میں بھرے ہوئے تھے! بے ساختہ قہقہے لگانے لگے۔۔!

فیروز دم بخود تھا۔ اس نے ماں کی بپتا نہیں دیکھی تھی۔ لیکن مالک کے بے پناہ غصے اور بے تحاشہ قہقہے سے سراسیمہ ہو گیا۔ کہیں وہ پاگل تو نہیں ہو گئے۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور چپکے سے بھاگ نکلا۔ اسے یوں بگٹٹ بھاگتے دیکھ کر دوسرے بھی بھاگ گئے!

رافعہ دیر سے کھڑی سب کچھ دیکھ رہی تھی! عاطر مڑے اور اس پر نظر پڑی! ان کا منھ کھنچ گیا۔ لیکن رافعہ نے بُرا ماننے کی بجائے بڑی سادگی سے کہا۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ کسی نے جادو تو نہیں کر دیا۔ صبح سے عجیب عجیب حرکتیں کر رہے ہو! آج کہیں گئے بھی نہیں۔ کیا بات ہے!"

"کچھ ضروری تو نہیں ہے کہ میں تمہیں اپنے دل کی تمام باتیں بتا دوں۔ میں کیا کسی کا پابند ہوں؟" عاطر نے اب بھی نہایت سرد مہری سے جواب دیا

"جو کچھ میں چاہتا ہوں۔ وہ کرتا ہوں!"

یہ کڑوا گھونٹ بھی رافعہ نے پی لیا۔ اور بولی "مگر یہ کیا۔ تم نے کم از کم پانچ چھ ہزار کی قیمتی شرابیں غارت کر دیں۔ کیا وہ کچھ خراب ہو گئیں تھیں؟"

"شراب اور خراب ___ ؟" عاطر نے طنزیہ قہقہہ لگایا۔ "کیا بات کہی ہے تم نے بھی۔ ارے۔ کیا شراب کے بارے میں کبھی کہا جائے گا کہ وہ اچھی ہوتی ہے؟ سُنا نہیں تم نے۔ شراب خانہ خراب ___ اور رہی میرے دماغ کی خرابی کی بات تو محترمہ میرا تو یہ ہے کہ جہاں جاگا وہیں سویرا!"

"میں نے تمہاری ایک بات بھی نہیں سمجھی عاطر ___!"

"عادی نہیں ہو نا ___!" عاطر نے کہا اور اندر چلے آئے ان کے پیچھے وہ بھی آ گئی! دالان کے تخت کے ایک گوشے میں نویرہ بیٹھی تھی! اپنے میلے کچیلے کپڑوں میں ملبوس۔ ملازمہ کی ساڑی کا اوڑھنی اوڑھے۔ اس نے آہٹ سنی۔ سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔ رافعہ پر صبح کو بھی نظر پڑ چکی تھی۔ اور یہ کوئی ضروری بات نہ تھی کہ وہ اس کا تعارف بھی چاہتی! اس نے ان پر نظر ڈالی اور پھر سر جھکا لیا۔ بھاگ اس لئے نہیں سکی کہ عاطر نے حکم دیا تھا۔ وہ آئندہ سوسن کے کمرے میں نہ رہے!

رافعہ نے البتہ آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا تھا۔ ایک ہی نگاہ اس پر پڑی تھی۔ اور وہیں جم کر رہ گئی تھی۔ معاً عاطر کی بے رخی اور سرد مہری کی وجہ اس پر عیاں ہو گئی۔ اچھا تو یہ ہے وہ نئی تتلی جس کے خوش رنگ خط و خال نے عاطر کو لبھا لیا ہے۔ ورنہ یہ ناممکن تھا کہ وہ اس سے اس قدر مغائرت سے پیش آتے! ایک لوکا سا اس کے دل میں اٹھا اور نہایت خونخوار نظر اس نے نویرہ پر ڈالی۔ عاطر اندر آ کے جان بوجھ کے اس کرسی پر بیٹھ گئے

جو تخت کے پاس اور نویرہ کے قریب پہنچی تھی!
"آپ کی تعریف — ؟" رافعہ نے بڑے جلے بھنے لہجے میں نویرہ کی طرف اشارہ کر کے عاطر سے پوچھا۔
"ان کی کوئی تعریف نہیں ہو سکتی۔" برجستہ عاطر نے جواب دیا۔ "بھولے بھٹکے انسانوں کو راہ راست دکھانے کے لئے جو فرشتے آسمان سے اترتے ہیں کیا تم ان کے نام جانتی ہو؟"
"مگر یہ فرشتہ تو مجسم ہے —" رافعہ نے قہقہہ لگایا۔ "تمہارے کام بھی آسکتا ہے۔ مگر یہ تو بتاؤ۔ اس نے تمہیں راہ راست دکھائی ہے یا تم نے اسے کوئی نیا راستہ دکھایا ہے؟"
عاطر نے خندہ پیشانی سے اس کا رکیک ریمارک برداشت کیا اور ہنستے ہوئے بولے: "یہ تم کچھ دنوں بعد دیکھ لوگی۔ یہ عام لڑکیوں سے بالکل مختلف ہے جو مردوں کے بہکاتے اور ان کی جیب صاف کرنے کی ماہر ہوتی ہیں — !"
"نمونہ اچھا ہے۔" رافعہ نے سر ہلایا۔ "لیکن تمہارا انتخاب واہیات ہے۔ فقیروں کے کس ٹولے سے ہاتھ پکڑ کر اٹھا لائے ہو —؟"
"ایسی فقیر ہے کہ امیر بننے کے لئے اس نے ابھی تک مجھ سے طلائی ہار اور مرصع چوڑیوں کی فرمائش نہیں کی وہ اپنے حال میں مست ہے۔ مس رافعہ اور اب آپ اس کے بارے میں زیادہ پریشان نہ ہوں! اس کی ذمہ داری میری ہے آپ کی نہیں! یہ جیسی بھی ہے اسے رہنے دیجئے!! اور آپ یہاں سے تشریف لے جانے کا معاوضہ کیا لیں گی؟ میں تنہائی چاہتا ہوں!"
رافعہ آگ بگولا ہو کر کھڑی ہو گئی؟ اور بے حد تلخ لہجے میں بولی۔

"تم بھول رہے ہو عاطر۔ میری توہین تمہیں بہت مہنگی پڑے گی!"
"آپ فکر نہ کیجئے۔ میں اکثر مہنگی چیزیں ہی خرید تا ہوں!" وہ بولے۔
رافعہ کو ایک بار پھر شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ اس حسین اور بھولی بھالی شکل کے سامنے اس کا مصنوعی حسن کا چراغ گل ہو گیا تھا۔
اس کے جانے کے بعد عاطر نے کہا۔ "نویرہ۔! اٹھو۔ ہم شوپنگ کے لئے چلیں گے۔"
"کیوں"۔ وہ رافعہ کی گفتگو سے بہت آزردہ ہو رہی تھی!
"میں کچھ خریدنا چاہتا ہوں۔ تمہارے لئے اپنے لئے۔! انکار نہیں سنوں گا!۔"
"آپ اتنی تکلیف کیوں کریں گے؟"
"بحث مت کرو۔ میں تمہیں کل صبح اپنے ساتھ لے چلوں گا! تمہاری امی سے ملوں گا۔ انہیں سارے حالات سے آگاہ کر کے تمہیں ان کے حوالے کروں گا اور پھر مجھے مسز رباب سے بھی تو سمجھنا ہے۔!"
"لیکن۔!"
"لیکن ویکن کچھ نہیں۔ اٹھو اور چلو میرے ساتھ!" عاطر نے کہا۔ "میں ایک شریف آدمی کی طرح تمہیں ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔ جیسے کوئی تعریبی بھائی چند روز کی مہمان داری کے بعد اپنی بہن کو اس کے گھر پہونچاتا ہے تم سمجھیں۔ پریشان مت ہو۔ میں تمہاری امی کو سب کچھ سمجھا دوں گا۔ وہ تمہیں مشکوک نظروں سے ہرگز نہیں دیکھیں گی۔ اس کا میں ذمہ لیتا ہوں!"
"ہاں۔ اگر انہیں میری جدائی نے موت کے گھاٹ نہ اتار دیا ہو!"
نویرہ یہ کہہ کر اٹھ گئی!!!

اپنے مغائرانہ سلوک سے عاطر نے کئی مخالف پیدا کر لئے۔ نہ صرف رافعہ بلکہ کئی دوست بھی ان کے در پردہ دشمن بن گئے۔ پہلے تو یہ ہوتا تھا کہ اگر کوئی ماہر شکاری کسی جاندار ہرن کو مار گراتا تو بڑی وفاداری سے اس میں برابر برابر سب کا حصّہ لگتا اور شکار ایک سے ایک بمبئی میں دن دہاڑے ملجایا کرتے تھے لیکن اب رافعہ سے پتہ چلا کہ عاطر کی کوٹھی میں ایک نئے گلستاں کی بلبل آئی ہے جو صرف انہی کے گھر کے قفس میں قید ہے۔ اس کی میٹھی بولی صرف عاطر کے کانوں کے لئے ہے اس کا دَور صرف انہی کا حصّہ ہے! اور یہ کہ عاطر نے اپنے دوستوں سے خاصی بے ایمانی کی ہے! تب وہ سب ان کے مخالف ہو گئے! کئی دوست تھے۔ ہر نیک کام میں برابر کے شریک۔ کسی لڑکی کا اغوا ہوتا۔ کسی کی بہن یا بیٹی پر ڈورے ڈالنے ہوتے۔ تب سرمایہ عاطر کا ہوتا اور خدمات ان کے خوشہ چینوں کی۔ یا پھر کوٹھی میں اعلیٰ پیمانہ پر قمار بازی ہوتی۔ ماہرین کا جمگھٹا لگتا، حسینانِ بازاری بھی شریک ہوتیں۔ شراب کباب کے دور چلتے اور بس عاطر صاحب خوب بیوقوف بنتے۔ مسکرا مسکرا کر لٹتے۔ ہنستے ہنستے تباہ ہوتے! مگر اب ـــــ

رافعہ نے اپنی کمپنی میں بیٹھ کر آنکھیں پھاڑ کر اسٹاپ پریس کی خبر سنائی تھی!" تم لوگ دیکھو تو تم بھی اچھل پڑو۔ نجانے کہاں سے مار لایا ہے ارے میری تو آنکھیں چندھیا گئیں۔ لڑکی کیا ہے۔ واقعی جیسے پورا ماہتاب

ہے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اس کی پیشانی سے نور کی کرنیں چھن رہی تھیں۔ میں سمجھی کہ مجھے دھوکا ہوا ہے۔ مگر جب اس کی اور میری نظریں ملیں۔ بائی گاڈ۔ میرا پورا بدن جھنجھنا کر رہ گیا! سوسن کہہ رہی تھی کہ کہیں دُور سے آئی ہے۔"

"کوہ قاف سے؟" ایک صاحب نے کہا اور قہقہہ لگایا۔

"اچھا تو آج شام ہم سب مل کے چلیں گے۔ نظارہ کریں گے اس پری وش کا۔ اگر ذرا بھی مسٹر عاطر کے بیچ چوکے تو مال یاروں کا۔" دوسرے نے کہا۔

"مس رافعہ برنی کی نظرِ عنایت چاہیئے! وہی بہلا پھسلا کر لائیں گی اسے ہمارے سامنے!" کسی اور نے کہا۔

"نہ بابا نہ۔ مجھے الگ رکھو۔ بلکہ میں تو تم لوگوں کے ساتھ چلوں گی بھی نہیں۔ مجھ سے تو وہ نواب زادے اب سیدھے منھ بولتے نہیں بھول گئے وہ دن جب صدقہ قربان جاتے تھے۔ میری جوتیاں سیدھی کرنا سعادت سمجھتے تھے۔ اے۔ دیکھو میرا تذکرہ تک نہ کرنا کہ میں نے یہ خبر تم لوگوں کو سنائی ہے۔ جانے کیوں مجھ سے ایسا چڑھ رہا ہے! جانے کیا حشر کرے۔۔ پورا درندہ ہے گدھا کہیں کا۔" رافعہ نے جواب دیا۔

"گدھا درندوں میں شمار نہیں ہوتا مس رافعہ۔ آپ نے بھی عاطر صاحب کو گدھے کا سا درندہ بھی پایا ہے۔ ارے میں تو اسے واقعی اژدہا سمجھتا ہوں۔ لپیٹ پڑے اپنے شکار کے تو بس ہڈیاں سرمہ کر کے اور خون چوس کے ہی چھوڑ دیتا ہی بلکے نہ اس سے نزدیک بھی رہتا ہوں۔ اور دُور بھی۔" کوئی اور بولے۔

"چھوڑی بھی تو نہیں جاتی سالے کی دوستی!" کسی اور نے کہا۔
"سچ کہتا ہوں۔ ایک بار مجھے پورے آٹھ ہزار روپے کی سخت ضرورت تھی! میں اس سے مانگ نہ سکا! لیکن ملنے گیا تو میز کی دراز سے نکال لئے۔ یقین مانو کہ اُلّو کے پٹھّے نے تذکرہ تک نہ کیا کہ اتنی رقم چوری گئی۔ میں تو ڈرتا ہی رہا تھا جانے کتنا بھرا ہوا ہے کہ آٹھ ہزار یوں نکل گئے جیسے دریا سے ایک لوٹا پانی۔"
"خیر مارو گولی۔ یہ بتاؤ۔ آج رات چلتے ہو ان کے ہاں!"
"ضرور چلیں گے بھئی۔ نئی کبوتری کے درشن ہمیں بھی تو کرنے ہیں!"
"میں مگر نہیں آنے کی۔ ہاں!" رافعہ نے صاف جواب دیدیا۔
بہرکیف عاطر کے کلب کے ساتھی اس رات ایکا کر کے بظاہر انجان بنے ایک کے بعد یوں ان کے پاس پہونچے جیسے اتفاقاً آگئے ہوں۔ ان کی متواتر جدائی برداشت نہ ہو سکی ہو!
انھیں یقین تھا کہ کوٹھی میں ہمیشہ کی طرح رقص و سرود کا بڑے شاندار پیمانے پر اہتمام ہو رہا ہوگا۔ سازندے موجود ہوں گے۔ نئے خورشہ چہیں موجود ہوں گے اور شراب و شباب کا ایسا اعلیٰ پیمانے پر انتظام ہوگا کہ بس دیکھا کیجئے!
لیکن وہ چھ سات دوست جب کوٹھی پر پہونچے تو یہ محسوس کر کے بڑے حیران ہوئے کہ وہاں صحیح معنوں میں اُلّو بول رہے ہیں؟
صرف ملازمین کے بے ڈھنگے چہروں کا دیدار ہوا۔
اور اماوس کی اس رات کو جگمگا دینے والا کوئی بدر کامل وہاں نہ تھا۔ جس کی چکا چوند نے رافعہ کی آنکھیں بند کر دی تھیں!

عاطر اپنے وسیع و عریض ڈرائنگ روم میں اکیلے بیٹھے ملے۔ اس طرح کہ صرف ایک سگریٹ ان کے لبوں میں دبا ہوا تھا۔ اور بس۔
دوستوں کو انہوں نے بڑی بے دلی سے خوش آمدید کہی! اور غیروں کی طرح صوفوں کی طرف اشارہ کیا!

"کیا بات ہے؟" امتیاز صاحب نے بڑے جانے بوجھے تعجب سے کہا۔ "گوشہ نشین ہو گئے ہو کیا۔ کئی راتوں سے کلب نہیں آئے؟ سارے ہی ممبر تمہاری غیر حاضری سے پریشان ہیں۔ کچھ بیمار ہو گیا؟"

"چہرہ تو خاصہ پریشان ہے۔" اختر نے کہا۔ "ہم سے نہیں کہو گے؟ کیا بات ہے؟"

"ہو گی میاں کوئی راز کی بات۔ کریدتے ہو تم جو راز کی جستجو کیا ہے۔" ترپاٹھی نے حسب عادت غلط سلط شعر رسید کر کے اپنی خوش مزاجی کا ثبوت دیا۔ "ہر راز ایسا نہیں ہوتا۔ جس میں راز دار سے راز دار دوست راز دار بنایا جائے ___ !"

"ایسی کوئی بات نہیں۔" عاطر کی بھاری سنجیدہ آواز کمرے میں گونجی۔ "بس یونہی دل نہیں چاہتا تھا۔ اب کلب وغیرہ کی دلچسپیاں کھوکھلی اور ضرر رساں معلوم ہونے لگی ہیں!"

"ہائیں۔ یہ کیوں۔ اس انقلاب کے پس پشت کس کا ہاتھ ہے؟" منظور نے کہا۔

"ضرور کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں۔" ترپاٹھی نے پھر قہقہہ لگایا۔

"بھائی ایسی بات ہے تو اس معشوق کی زیارت ہمارے لئے بھی ضروری

ہے۔" اشتیاق نے کہا۔" ہے کہاں۔ بلواؤ تو سہی۔ نجانے کس سے ٹھنی ہے یہ بات کہ اب کی کسی اور باغ کی تتلی تمہارے جال میں پھنسی ہے!"
"دیکھو دوستو! عاطر نے جان بوجھ کر صوفہ پر نیم دراز ہو کر سامنے تپائی پر پاؤں پھیلا دیئے اور لاپرواہی سے بولے۔" تم لوگوں سے مجھے کہنا یہ ہے کہ انسان ہر دلچسپی اس کے موڈ پر منحصر ہوتی ہے۔ ایک وقت تھا جبکہ کلب وغیرہ کی لغویات مجھے معراج تفریح لگتی تھیں۔ تم سب کا ساتھ لبا غنیمت معلوم ہوتا تھا۔ لیکن اب ان سب حرکات سے عجیب نفرت ہو گئی ہے۔ کلب سے وحشت ہوتی ہے۔ دوستوں کا ساتھ اُلجھن کا باعث بن جاتا ہے۔ اب میں عزلت نشین بننا چاہتا ہوں اور ظاہر ہے کہ عزلت نشینی میں دوسرے وجود کا گزر ناممکن ہے! لہٰذا ماالغرض شما سلامت!"
"عزلت گزینی کا لفظ تم نے بے محل استعمال کیا ہے۔ یار۔ یہ کہو کہ خلوت نشین بننا چاہتے ہو اور خلوت کا مطلب بے شک کسی نازک جسم کی یکجائی کا دوسرا نام ہے۔ تم اگر یہ بات سب سے پوشیدہ رکھو تو کیا۔!" اختر نے کہا۔
عاطر کا چہرہ بگڑنے لگا۔" میں تمہاری بات کا مطلب نہیں سمجھا۔"
"مطلب یہ کہ ابھی تک ہم سب مل بانٹ کے کھاتے رہے ہیں۔" اختر نے پھر کہا۔" اب کی تم اکیلے اکیلے ہضم کرنا چاہتے ہو بھئی۔ ایسا ہی ہے تو دام ہم سے بھی لے لینا۔"
دفعتہً عاطر کا اُلٹا ہاتھ اس طرح اختر کے منہ پر پڑا کہ وہ توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ اور کرسی سمیت پیچھے اُلٹ گیا۔ اس اچانک برہمی کی وجہ کسی کی سمجھ میں نہ آسکی۔ مگر بوکھلا سب گئے۔ اختر جو بیک وقت

غصے اور کھسیاہٹ کا شکار ہو گیا تھا! کرسی سے اُٹھا! اور جوابی حملہ کرنا چاہتا تھا کہ اسے دوسروں نے پکڑ لیا۔

"اب کی کبھی پھر اس طرح عامیانہ لب و لہجے میں گفتگو کرو گے اس سے بڑھ کر سزا پاؤ گے! سمجھے۔" عاطر نے کہا اور اختر کے سامنے کھڑے ہو گئے۔

"میرے یار۔ غصہ تھوک دو!" منظور نے کہا۔ "تم نہیں چاہتے کہ تمہاری دریافت سے ہم بھی مستفید ہوں تو۔ بھائی۔ کہنے کے ڈھنگ اور بھی ہیں۔ یہ کیا کہ تم نے اپنی نادر شاہی بے گناہ دوستوں پر آزمانی شروع کر دی!"

"اچھا تو پھر۔ یہی سہی۔" اشتیاق نے برہم ہو کر کہا۔ "بالخیر شما سلامت چلو چلیں ــــ!"

وہ سب چلے گئے۔ عاطر کھڑے ہونٹ چباتے رہے!

ان کا حال عجیب تھا جس طرح کوئی عادی شرابی اچانک شراب چھوڑ دینے کے بعد بوکھلایا اور بدحواس سا رہتا ہے۔ اسی طرح عاطر کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ نویرہ کے سلسلے میں کون سا قدم اُٹھائیں۔ وہ تو بالکل سانپ کے منھ کی چھچھوندر تھی۔ نہ اُگلے بنے نہ نگلے! عجیب لڑکی تھی خاموش صابر شاکر، گم صم اور سب پر مستزاد یہ کہ بے حد اطاعت گزار۔! اس سے اگر کہیے کہ کنوئیں میں چھلانگ دو تو وہ اس پر بھی آمادہ ہو جاتی! عاطر اپنی تقدیر کو کوستے تھے۔ کون سی منحوس گھڑی تھی کہ اس پر نظر پڑی اور کون سی لعنتی ساعت تھی کہ وہ ان کی پرشور زندگی میں زبردستی داخل ہوئی تھی!

دوسری لڑکیاں جنہیں اپنی خوش قسمتی یا بدقسمتی سے ان کے "حرم" میں داخل ہونے کا شرف ہوا تھا۔ ان کی خوشامدیں کرتی تھیں کہ انہیں اس

قید با مشقت سے رہائی دی جائے۔

اور یہ برف کی سِل تھی کہ تحقیر آمیز طریق پر نکالے جانے پر بھی اسی محبس میں رہنے پر مُصر تھی۔

ایک دفعہ انہوں نے اچانک اس کی وہ باتیں سنی تھیں جو وہ چپکے چپکے سوسن سے کر رہی تھی! اسے علم نہ تھا کہ عاطر پردے کے پیچھے کھڑے سب کچھ سُن رہے تھے!

"تم بڑی عجیب سی لڑکی ہو۔ بیٹی۔" سوسن نے کہا تھا۔ "نجانے تم اپنے ڈھنگ سے کیا سوچتی ہو۔ صاحب نے وعدہ تو کیا تھا کہ تمہیں باعزت طریقے سے تمہارے گھر پہونچا دیں گے۔ تم اس پر راضی کیوں نہ ہو گئیں۔ مزے میں چلی جاتیں۔ سرکار تو بے شک تمہاری امّی کو مطمئن کر دیتے۔ یہاں رہنے پر تم کیوں اصرار کر رہی ہو؟ یہ اچھا گھر نہیں ہے بیٹی۔ ہر طرح کے لوگ منھ اٹھائے گھر کے اندر چلے آتے ہیں۔ کسی بدمعاش کی نظر تم پر پڑ گئی تو بڑی بُری بات ہو گی۔ اللہ نے تم کو ابھی تک محفوظ رکھا ہے۔ مگر خدانخواستہ....."

نویرہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "آنے جانے والوں کی بات نہ کرو۔ امّاں۔ مجھے ان کی پرواہ نہیں اور پھر میں کسی کے سامنے نکلتی ہی کہاں ہوں۔ میرا کمرہ سب سے دُور سب سے الگ ہے۔ کسی کو کیا پڑی ہے کہ وہاں آکے جھانکے اور تم میرے اچھے بُرے حالات کی وجہ سے پریشان نہ ہو۔ جب تمہارے سرکار ہی نے مجھے بے داغ رکھا ہے تو بھلا کیا وہ دوسروں کی دستبرد سے مجھے بچا نہ سکیں گے۔ اور۔ رہی گھر جانے کی بات۔ تو امّاں۔ اب نہ میرے سامنے گھر کا نام لو نہ میری

ماں کا۔ ! میں سب کچھ بھول گئی۔ تم کیا یہ سمجھتی ہو کہ تمہارے سرکار کے سمجھانے سے کوئی سمجھ جاتا کہ وہ سب کچھ صحیح کہہ رہے ہیں ؟ "

"کیوں نہیں۔ سمجھانے کا بھی ایک طریقہ ایک ڈھنگ ایک انداز ہوتا ہے۔" سوسن بولی۔

نویرہ نے ایک سرد آہ بھری تھی اور بولی تھی۔ "کس کس کو سمجھائیں گے۔ میں تم سے کہہ تو چکی ہوں کہ میرا ددھیالی خاندان بہت بڑا ہے۔ میری دادی، چچا، پھوپھیاں اور ان کے بہت سے لڑکے لڑکیاں ہیں۔ ذرا یہ تو سوچو کہ میں تمہارے صاحب کے ساتھ یکبارگی جا کے ان سب کے سامنے کھڑی ہو جاؤں گی تو کتنی بے شمار نگاہیں۔ حیرت، تعجب، تاسف اور ملامت سے بھرپور میری طرف اُٹھ جائیں گی۔ کیا میں سب کا مقابلہ کر سکوں گی۔ کیا سب کو باری باری سمجھانا انہیں مطمئن کرنا آسان کام ہے ؟ اور پھر۔۔۔ وہ چار نظریں۔ امّاں چار نگاہیں ایسی ہوں گی جن کا مقابلہ میں عمر بھر نہیں کر سکتی۔ ! "

"کیا ماں باپ کی نگاہیں۔ بیٹی ؟" بڑے قلق سے سوسن بولی۔

"باپ کہاں ہے، باپ کو تو میں نے دیکھا بھی نہیں۔ بہت چھوٹی سی تھی۔ تبھی وہ ختم ہو گئے تھے !

"تو پھر کون۔۔۔ ؟"

"جس رات میری تقدیر پھوٹی ہے اس کے دوسرے روز میرے پھوپھی زاد بھائی ثاقب سے میری منگنی ہونے والی تھی۔ ایک عرصے کی رنجش کے بعد امّی اپنی سسرال گئی تھیں۔ میری دادی۔ میرے چچا۔ میری پھوپھیاں بہت خوش ہوئی تھیں۔ میرے پھوپھا نے کہا تھا کہ اس مصالحت پر بطور

گواہی کے ہماری منگنی کی مُہر لگادی جائے۔ وہاں بہت خوشیوں بھرے انتظام ہونے لگے تھے۔ اور امّی سے میری دادی امّاں نے کہا تھا کہ اب ہمیں الگ نہیں ان کے ساتھ رہنا چاہیئے۔ امّی اپنا سامان لانے اپنے گھر آئی تھیں۔ مجھے سب لوگ روک رہے تھے۔ مگر مجھے ان لوگوں کا سامنا کرتے شرم آرہی تھی۔ میں امّی کے ساتھ گھر آگئی تھی کہ دوسری صبح ان کے ساتھ چلی جاؤں گی۔ لیکن دوسری صبح مجھ بدنصیب کی آنکھ بمبئی ایرپورٹ پر کھلی تھی۔ امّی کی کرایہ دار مسز رباب نے نجانے کس طرح اور کیونکر مجھے میری امّی کے پہلو سے اُٹھایا اور تمہارے سرکار کی کار میں ڈال دیا تھا پتہ نہیں کیا کھلا دیا تھا مجھے۔ کیا سُنگھا دیا تھا کہ مجھے مطلق خبر نہ ہوئی میں کب اُٹھائی گئی۔ کب مجھے لوگوں نے کار میں ڈالا۔ مجھے راستے میں بھی ہوش نہیں آیا! غفلت کتنی بری چیز ہے امی ــــ ؟" وہ یکبارگی چپ ہوگئی ــــ۔

عاطر نے پردہ سرکا کر اندر جھانکا تھا۔ سوسن ان کی طرف پیٹھ کئے بیٹھی کچھ سی رہی تھی! اور لوزیرہ اس کے سامنے بیٹھی تھی۔ انہی پھولدار کپڑوں میں ملبوس تھی جو اب ملگجے اور کسیلے ہو گئے تھے۔ اس کے لمبے لمبے بال اُلجھے اور بکھرے ہوئے تھے۔ لیکن چہرہ اب بھی اتنا حسین تھا کہ جیسے حُسن اس پر نثار ہو رہا ہو۔ سفید بھولا بھالا معصوم چہرہ۔ غم سے بوجھل سیاہ آنکھیں۔ رسیلے گلابی ہونٹ۔ پھر اس نے اپنی سیاہ و دراز پلکیں اٹھائیں اور عاطر نے پردے کی دراز برابر کردی۔ ان کا دل کوئی مٹھی میں دبوچے لے رہا تھا! کتنا بڑا گناہ کیا تھا انہوں نے۔ اس پاکیزہ حسن کو پامال و دربدر کر دیا تھا! کیا پامال کرنے کے قابل تھا۔ اس

کا تو احترام ہو سکتا تھا!

انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور اپنے بال مٹھی میں جکڑ لئے۔

"کیا قیامت ہے۔ وہ سب کچھ صحیح کہہ رہی ہے۔ اب اس کا کیا ہوگا؟"

سوسن نے کچھ پوچھا تھا جس کے جواب میں نویرہ کہہ رہی تھی!

"ہاں۔ میں کیا جانوں۔ وہ محفل ہی درہم برہم ہو چکی ہو گی! سوچتی ہوں تو کلیجہ منھ کو آتا ہے۔ کس طرح سب نے میری تلاش کی ہو گی۔ میری امی تو شاید زندہ ہی نہ رہی ہوں۔ مرنے کے لئے بہانہ چاہیئے نا اماں۔ سو بس یہی بہانہ ہو گیا ہو گا امی کے لئے۔ میری دادی اماں بہت ضعیف ہیں وہ بھی شاید مر ہی گئی ہوں۔ ہمارا خاندان بہت 'شریف' 'پردہ دار' اور مہذب ہے اماں۔ آج تک کسی لڑکی کا آنچل بھی غیر مرد نے نہیں دیکھا۔ نہ کہ۔ اس خاندان کی ایک لڑکی اس طرح راتوں رات غائب ہو جائے۔ سوچو کہ کتنی بڑی بدنامی کی بات ہے۔ ثاقب میرے منگیتر نے کیا سوچا ہو گا۔ مرد کی فطرت رکھتے ہیں۔ شاید یہی خیال آگیا ہو کہ میں ان کے ساتھ شادی پر راضی نہیں تھی۔ اس لئے اپنے کسی دوست کے ساتھ بھاگ گئی۔ بتاؤ۔ اماں۔ میں اگر یہاں سے گئی بھی۔ تو کیا کہہ کر انہیں مطمئن کر سکوں گی۔ اگر انہوں نے یہ کہدیا کہ۔ نہیں۔ اب تم میرے قابل نہیں ہو تو۔؟ پھر کوئی کنواں یا کھائی میرا مقدر نہ ہو جائے گی۔ اس جہنم سے نکلوں اور دائمی دوزخ میں پہونچ جاؤں؟ نہیں۔ میں یہیں ٹھیک ہوں۔ بری چاہے بھلی۔ میں یہاں بہت اچھی ہوں!"

"بیٹی۔ تمہارا دل گردہ۔ ہائے کیا تمہیں اپنی ماں کی یاد نہیں تڑپاتی

بیٹی ___؟"

"کیا کروں انہیں یاد کر کے۔ امّاں۔ پہونچ تو نہ سکوں گی۔" نوید نے جھک کر اپنے کثیف ڈو پٹے میں اپنے آنسو پونچھے اور گلوگیر لہجے میں بولی۔ "تم ان کی یاد کو کہتی ہو امّاں۔ یہ پوچھو کہ ان کی مغموم آنسو بھری آنکھیں۔ ان کے پپڑی بندھے لب، ان کی تھکی تھکی آواز کبھی میرے دل سے نکلتی بھی ہے۔ میرے غائب ہو جانے پر انہوں نے کس طرح رو رو کر مجھے پکارا ہوگا۔ میں ان سے کبھی الگ نہیں رہی۔ سُنا ہے کہ ابّا کے مرنے کے بعد دادی اور تایا ابّا نے مجھے طلب کیا تھا۔ مگر امّی نے مجھے نہ دیا۔ کہا کسی نہ کسی طرح پرورش کر ہی لوں گا! انہوں نے میرے لئے بڑی مصیبتیں سہی تھیں۔ سلائی کی۔ لڑکیاں بنیں۔ بچوں کو قرآن شریف پڑھایا۔ میرے لئے پیسے جمع کئے کہ اس کی شادی دھوم دھام سے کروں گی۔ کوئی نام نہ رکھے کہ بن باپ کی یتیم بچّی تھی یونہی بے سرو سامان اٹھادی گئی۔ مگر۔ اب۔ تو سب کچھ جہاں کا تہاں ہو گیا۔ آنے والا وقت انسان کے لئے کیا لاتا ہے۔ اسے کچھ پتہ نہیں۔"

"تم کہتی تھیں کہ تمہاری کرایہ دار ___!"

"ہاں۔ وہ اچھی عورت نہیں تھی۔ اب مجھے پتہ چلا ہے کہ اس کا دھندہ کیا تھا۔ امّی کو پہلے سے پتہ تھا اسی لئے تو وہ مجھے منع کرتی تھیں کہ اس سے ملا جُلا نہ کرو۔ اسی کے گھر جانا تو امّی کو قطعی پسند نہ تھا۔ ایک روز وہ عورت مجھے بہلا کر اپنے ہاں لے گئی۔ تبھی تمہارے سرکار نے مجھے وہاں دیکھا تھا انہوں نے مجھ سے نجانے کیا کہا تھا کہ مجھے غصّہ آگیا۔ میں نے انہیں بُرا بھلا کہدیا تھا۔ تبھی تو انہوں نے

مجھے ایسی سزا دی ہے۔ اور بھلا میرا کیا قصور تھا اماں۔"
اس نے سادگی سے بتایا پھر بولی:" میں اس عورت کو خالہ کہتی تھی لیکن اب یہ رشتے ناطے سب بے کار ہو چکے ہیں۔ چاہے کسی کو ماں یا خالہ کہو۔ کسی کو باپ یا بھائی کہو۔ سب بے کار۔ لوگ سنگدل ہیں۔ کسی کے دل کی گہرائی تک نہیں پہونچتے۔ بعد کو ہمیں اپنے خلوص پر پچھتانا پڑتا ہے ــــ!"
" میں ایسی نہیں ہوں۔ بیٹی۔ تم نے مجھے ماں کہا ہے۔ میں تمہیں ماں ہی بن کر دکھا دوں گی۔ تمہاری اتنی میری بچی تھی۔ وہ دو سال پہلے بچے کی پیدائش میں مر گئی ــ!" سوسن بولی:" تم کو دیکھا تو اسکی یاد تازہ ہو گئی۔ تم مجھ پر بھروسہ کرو۔ حالانکہ تم بڑے گھر کی بیٹی ہو ـ میں غریب ملازمہ ہوں۔ مگر دل کے رشتے ان باتوں سے پاک ہوتے ہیں۔ میری بچی !"
" ہاں اماں۔ تمہاری ذات کا سہارا بڑا ہے۔ ویسے تمہارے سرکار سے مجھے بڑا ڈر لگتا ہے۔ بہت غصہ ور ہیں۔"
" جتنے غصہ ور ہیں۔ اتنے ہی دیالو بھی ہیں بیٹی۔ چاہیں تو اپنے پاس پھوٹی کوڑی نہ رکھیں۔ ساری دولت لٹا دیں۔ کاش۔ میرا پروردگار انہیں ایک صحیح راستہ دکھا دیتا۔ پھر تو وہ فرشتہ کہلاتے۔ جانے مولا کس دن کا انتظار کر رہا ہے!"
" وہ سچ مچ فرشتہ ہی ہیں اماں" نویرہ نے کہا:" تم نے وہ حدیث نہیں سنی۔ جو انسان گناہ پر قادر ہو اور گناہ نہ کرے۔ وہ ولی صفت ہوتا ہے۔ انہوں نے میرا دامن عصمت محفوظ رکھا ہے۔

میرے لئے یہی ان کا احسان بہت بڑا ہے۔ وہ تو منزرباب کے بہکاتے میں آگئے تھے ورنہ کیا انہیں خود اتنی سمجھ نہیں ہے کہ سوچیں۔ کیا اچھا ہے۔ کیا بُرا ــــ!"

پھر سوسن یہ کہہ کر اٹھنے لگی:" اچھا بیٹی۔ اب تم اللہ سے مانگو تمہارے حق میں اچھا سب ہی اچھا کرے۔ اب میں چلوں۔ باہر کے کمرں کی صفائی کرنی ہے۔ تم تھوڑی دیر سو رہو!"

"نہیں مجھے نیند نہیں آتی۔ تم کیا سی رہی تھیں: لاؤ مجھے دو۔ میں سی دوں ــــ"

"کچھ نہیں۔ میز پوش کے کنارے تھے!"

سوسن کو اُٹھتے دیکھ کر عاطر جلدی سے وہاں سے چلے آئے! اور اپنے کمرے میں آکر ملازم لڑکے سے کہا۔ تویرہ کو بُلا لائے!

وہ دوسرے لمحے آگئی! ہمیشہ کی طرح سہمی ہوئی۔ گھبرائی گھبرائی سی کسی نئے ستم کی منتظر ــــ۔

"آپ نے مجھے بُلایا تھا؟"

"ہاں!"

"کچھ کام ہے؟"

"کام نہیں ہے۔"

وہ خاموش ہو گئی۔

"تمہارے جو ملبوس میں لایا ہوں۔ وہ ناپاک پیسے کے نہیں ہیں۔ وہ روپیہ میرے باپ کا تھا۔ پاک وصاف۔ سمجھیں۔ اور میرا پیسہ بھی ناپاک نہیں۔ جوا نہیں کھیلتا۔ سود نہیں لیتا! تمہیں اس کے خرچ

کرنے میں عار نہیں ہونا چاہیئے۔ سن رہی ہو۔ میں کیا کہہ رہا ہوں!"

"جی!"

"تو پھر جاؤ اور وہ لباس پہنو۔ ان کپڑوں کو دیکھتے دیکھتے میری آنکھیں پتھرا گئی ہیں۔"

"آپ کو وہ بات بہت بُری لگی ہے۔ معاف کر دیجئے!" وہ مدھم لہجے میں بولی۔

"معاف کر دوں گا۔ ابھی نہیں۔ جب تم میرا حکم مان لوگی! جاؤ!"

نویرہ نے بے حد بے بسی سے ان کی طرف دیکھا اور چلی گئی۔

اس کے جانے کے بعد عاطر نے دونوں ہتھیلیوں سے اپنی کنپٹیاں جکڑ لیں۔

"اے معبود۔ اسی سزا کا مستحق تھا میں۔ یہ میں نے کیا کیا۔ تجھے سیدھا راستہ دکھانا منظور تھا۔ کسی اور طرح دکھایا ہوتا۔ موت دے دی ہوتی مجھے۔ اس کا عذاب میں کب تک بھگتا کروں گا!"

وہ صوفے پر گر کر کراہنے لگے ـــ!

نویرہ نے ان کا حکم مان لیا۔ موسن نے ڈرا دیا تھا۔ انہیں غصہ دلانا ٹھیک نہیں ہے!

اس نے غسل کے بعد سیدھا سادا نیلا لباس پہنا۔ خوشنما سلی ہوئی شلوار، نیچا سا پاکیزہ شرٹ اور باریک ریشمی دوپٹہ!

لیکن نہانے دھونے اور اس لباس کے پہننے کے بعد اسے یوں لگ رہا تھا اس نے اپنا جسم صاف کرنے کی بجائے کسی نالی کی کیچڑ اپنے اوپر مل لی ہے۔ یہ خوبصورت کپڑے اسے کاٹ رہے تھے! اس کا جی چاہا

رہا تھا۔ وہ خود پر تیل چھڑک کر آگ لگا لے!

لیکن وہ کچھ بھی نہ کر سکی! طوعاً و کرہاً اسے کپڑے پہننے ہی پڑے پھر وہ اپنے لمبے لمبے بال سکھانے کے لئے برآمدے میں آنکلی۔ موسم سرما رخصت پر تھا۔ اب خشک و تند ہوائیں چلنے لگی تھیں۔ درخت اپنے برگ و بار کے بوجھ سے ہلکے ہو رہے تھے! گلاب، موگرے اور چنبیلی کے منڈوے ویران ہونے لگے تھے۔ دن بھر باغ کی چوڑی اور شفاف روشوں پر خزاں زدہ خشک و زرد پتے بگولوں میں چکرایا کرتے —!

موسم ویران ہو رہا تھا!

نویرہ چوڑی منڈیر پر ٹک گئی اور باغ کی تباہ حالی پر نظریں دوڑانے لگی! دفعتہً اسے یوں محسوس ہوا۔ کوئی اس کے پیچھے آکھڑا ہوا ہے۔ کسی کا دھندلا سا عکس سامنے کی دیوار پر پڑا۔

وہ پلٹی اور منڈیر سے اتر کر کھڑی ہو گئی!

اس کے سامنے وہی لڑکی کھڑی تھی جیسے ایک بار اس نے عاطر سے جھگڑتے دیکھا تھا —! اب بھی اس کا کاجل زدہ آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے!

"تم کون ہو —" وہ سرگوشیوں میں پھنکار کر بولی۔ "کہاں سے آئی ہو۔ اس گھر اور اس گھر کے مالک پر تمہارا کیا حق ہے۔ تم نے انہیں ساری دنیا سے بیگانہ کر کے کیوں رکھ دیا ہے؟ کون سا جادو چلایا ہے ان پر — جواب دو مجھے —"

نویرہ کی آنکھوں سے حیرت جھانکنے لگی۔ اس کے لب کھل گئے۔

اور شفاف موتیوں کی جھلک رسیلے لبوں پر چمکنے لگی!

کم بخت میں کوئی چیز نما نہیں۔ اسی لئے تو عاطر کو پاگل بنایا ہے۔ ورنہ بھلا میرے سوا وہ کسی کو نگاہ اٹھا کر دیکھتے بھی تھے!

"میں نہیں سمجھی۔ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔" نویرہ نے خشک لبوں پر زبان پھیر کر سہمے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ "آپ کی کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"مجھ پر یہ بھولے بھولے حربے کارگر نہیں ہوں گے سمجھیں۔" رافعہ نے دانت پیس کر کہا۔ "تم نے عاطر پر سحر کر دیا ہے۔ مجھ پر تمہارا افسوں نہ چلے گا۔ میں تمہیں بیک بینی و دو گوش نکال باہر کروں گی۔ تم ایسی بھک منگی لالچی لڑکیاں ہمارا جھوٹن ٹٹور نے بہت سی آئی تھیں۔ کسی کی دال نہیں گلی۔ سب کو میں نے جوتے مار کے نکال باہر کیا۔ تم عاطر پر ڈورے مت ڈالو۔ جتنا چاہیئے مجھ سے لے لو۔ اور یہاں سے دفع ہو۔ تم کیا سمجھتی ہو۔ تمہاری سفید کھال پر عاشق ہو کر وہ اپنی ساری دولت تمہارے نام کر دیں گے ـــ؟"

"نہیں نہیں۔" وہ خوفزدہ ہو کر بولی۔ "آپ مجھے بے عزت کر کے نہ نکالیں۔ میں خود ہی یہاں سے چلی جاؤں گی۔ مجھے عاطر صاحب کی دولت سے کیا کام ہے۔ میں نے کبھی ایسا سوچا بھی نہیں۔ مگر آپ مجھے بھک منگی اور فقیرن مت کہئے۔ حالات نے مجھے اس در پر لا پھینکا ہے تو کیا میں ایک عزت دار خاندان کی فرد ہوں۔"

"عزت دار خاندان کی فرد ـــ غیر مرد کے پاس اپنی عزت کا سودا کرنے نہیں آتیں۔ اس طرح چبا چبا کر باتیں کرنے سے عاطر متاثر ہوں گے۔ میں نہیں۔ تم کان کھول کر سن لو۔ وہ میرے ہیں۔ مجھ سے

انہوں نے شادی کا وعدہ کر رکھا ہے۔ تم بے شک تھوڑے دنوں تک انہیں اپنی جوانی کا خزانہ عطا کرو۔ ان کا کام ہی یہی ہے۔ لیکن جب یہ خزانہ خالی ہو جائے تو ضرور چلی جانا۔ اچھا بھولی لڑکی۔ اس دروازے سے تم سی سیکڑوں آئیں اور روتی پیٹتی چلی گئیں بعض تو گئیں بھی نہیں۔ انہیں نوکروں سے دھکے دلوا کر نکالا گیا۔ اگر تم بھی یہی چاہتی ہو تو۔۔۔ میں ابھی کسی ملازم کو آواز دیتی ہوں۔"

دفعتہً نویرہ نے سر اٹھا کر رافعہ کے پیچھے دیکھا اور جلدی سے آنچل سر پر ڈال لیا۔ اس کی آنکھوں کی وحشت نے رافعہ کو پیچھے مڑ کر دیکھنے پر مجبور کر دیا۔ پھر وہ کچھ سٹپٹا گئی۔

"مسٹر عاطر۔۔۔!" وہ اس طرح مسکرائی جیسے محض ہونٹ پھیلا دئے ہوں۔ اس حرکت میں اس کے ارادے کو دخل نہ ہو۔ پھر وہ بولی "میں ان محترمہ سے باتیں کر رہی تھی۔ آپ کہیں نظر نہ آئے۔ میں نے سوچا کہ انہی سے کچھ دیر گفتگو کر لوں۔۔۔؟"

عاطر کے غصہ ور چہرے پر غیظ و غضب کی مزید علامتیں نمودار ہو گئیں۔۔۔

انہوں نے دہاڑ کر اپنے گھر رکھا ملازم کو پکارا۔

"رشنا۔۔۔؟"

رشنا ایک دیو کی طرح دھم دھم کرتا بھاگا آیا۔

"اس عورت کو دھکے دے کر گھر سے باہر نکال دو۔۔۔؟"

"یہ کیا بکواس ہے۔ یہ کیا کر رہے ہیں آپ۔۔۔؟" رافعہ حلق پھاڑ کر چیخی۔

"میں وہی کر رہا ہوں جو کچھ دیر پہلے تم اس لڑکی کے ساتھ کرنے والی تھیں۔" عاطر نے خشک لہجے میں کہا۔ "میں وہ تمام باتیں سن رہا تھا جو تم اس سے کر رہی تھیں۔ میں پوچھتا ہوں اس قسم کی رکیک باتیں کرنے کا حق تمہیں دیا کس نے؟ تم خود کو سمجھتی کیا ہو۔ کیا میرے نام تم نے اپنے کچھ حقوق محفوظ کرائے ہیں۔ تم یہاں آتی ہی کیوں ہو؟"

"کل کی آئی ہوئی داشتہ کے سامنے تم میری توہین کر رہی ہو۔" رافعہ آئے تو جائے کہاں بھول گئے وہ دن جب میرے تلوے چاٹا کرتے تھے؟" اور بس۔ یوں لگا جیسے بجلی سی چمک گئی ہو۔ عاطر کب اس پر جا پڑے کسی نے نہیں دیکھا! ایک تھپڑ میں انہوں نے اسے پچھاڑ دیا۔ اور اپنے کمر سے چمڑے کا بیلٹ کھینچ کر اس پر برسانے لگے!

وہ چلا رہی تھی۔ نویرہ تھر تھر کانپنے لگی اور پھر بے ہوش ہو کر گر گئی۔ گوردکھا سنگی ستون کی طرح اپنی جگہ جمع کھڑا رہا۔ نہ اس نے عاطر کا ہاتھ پکڑا نہ رافعہ کو بچایا اور نہ نویرہ کو اس کی جگہ سے اٹھایا۔

دوسرے ملازم دوڑے اور رافعہ کو گھسیٹ کر الگ کیا۔ وہ تو ڈائن لگ رہی تھی۔ اتنا کچھ پٹنے کے بعد بھی جھپٹی اور عاطر کو کھسوٹنے لگی! ایک مکروہ گالی ان کے منھ سے نکلی انہوں نے اسے اتنی زور سے دھکا دیا کہ وہ فیروز سے ٹکرائی اور اسے لئے ہوئے ڈھیر ہو گئی۔ چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی۔ اپنی اس توہین کا بدلہ لئے بغیر نہ رہے گی۔ فیروز اٹھا اسے اپنے اٹھایا اور کندھوں سے پکڑ کر زینے تک چھوڑ آیا۔
سوسن کے کہنے پر سنجانے نویرہ کو اٹھا کر صوفہ پر ڈالا وہ اسے ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگیں۔ عاطر غصے سے ہانپتے ہوئے اپنے کمرے میں چلے گئے!

دو ایک روز بعد سب لوگ اس واقعہ کو بھول گئے۔ ایسے ہنگامے اکثر اس عیش کدہ میں ہوا ہی کرتے تھے۔ کوئی نئی بات نہ تھی۔ مگر رافعہ اپنی تذلیل نہ بھول سکی تذلیل سے زیادہ اسے عاطر و نویدہ سے انتقام لینے کا خیال زیادہ سے زیادہ خطرناک بنا رہا تھا!

عاطر کے متعدد دوست اس کے دوست بھی تو تھے۔ ان میں اختر سب سے زیادہ چلتا پرزہ تھا اور اپنی تیزی طرّاری اور دریدہ دہنی کی بناء پر ایک دفعہ عاطر کا ہاتھ چکھ چکا تھا۔ لہٰذا جب اس نے محترمہ رافعہ کی دُرگت کا حال سُنا اور ان کا نیلے پیلے چکتے پڑا چہرہ دیکھا تو پہلے تو سناٹے میں آگیا اور پھر رافعہ کے اکسانے پر اس کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گیا!

"مجھے بھی تو مارا تھا سالے نے۔ آخر یہ خود کو سمجھتا کیا ہے۔" اختر بولا: "میں اس وقت تو چپ ہو گیا تھا۔ لیکن قسم ہے خدا کی۔ خون پک رہا تھا۔ اب ہم تم دونوں مل کر اُلّو کے پٹھے کو مزہ چکھائیں گے۔ کہیں ادھر اُدھر اُجالے ملے اور سالے کو خدا گنج کا راستہ دکھا دیں گے۔"

"اور کیا۔ ہے ہی کون مُردے نکلے گا۔" رافعہ نے کہا: "اس خبیث کا باپ ہے تو پھر اس حرّافہ کو بھی کوٹھی سے دھتکار دیں۔ مزے کریں گے ہم اس کی کوٹھی میں۔ اُس آفاق منحوس کا لگا سگا آگے پیچھے ہے ہی کون۔ ہمیں کیوں نہ قبضہ کر لیں اس کے مال متاع پر۔ ملازموں کا کیا ہے ایک گھُڑکی میں دُم دبا کر بھاگیں گے۔ !

پھر دونوں سر جوڑ کر مشورے کرنے لگے!

واقعہ کی کَنڈری کرنے کے بعد عاطر کا موڈ بہت بگڑ گیا تھا۔ یوں ہی غصّہ ور تھے۔ اب تو کوئی ان کے سامنے آنے کی بھی ہمت نہ کر سکتا۔ نجانے کیا کا یا پلٹ ہوئی تھی کہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ اب وہ گھر ہی سے نہ نکلتے۔ نہ اپنی ملوں کا معائنہ کرنے جاتے۔ نہ فیکٹری کی دیکھ بھال کی فکر رہی تھی۔ حالانکہ ہفتوں ان کا قدم گھر پر نہ ٹکتا تھا نہ کہ وہ گھر ہی کے ہو کر رہ گئے! اس کے علاوہ اب نہ دوست احباب کے جمگھٹے تھے۔ نہ شراب و شباب کی محفلیں۔ کچھ بھی نہ تھا۔ وہ گھر جہاں شب و روز مردانہ قہقہوں کے ساتھ سریلے کھنکتے گانے گونجا کرتے۔ جہاں طبلے کی تھاپ کے ساتھ کسی حسین پیر کی پائل چھنک اٹھتی۔ جہاں ہمیشہ طرح طرح کی شرابوں کی بدبوئیں بسی رہتیں وہ گھر اب جیسے کسی بزرگ کی خانقاہ بن کر رہ گیا تھا۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ اس سناٹے کو کسی معمولی سے شور سے توڑ سکتا! ہر کام مشینی طور پر ہو جاتا تھا! وقت پر ملازم ناشتہ کھانا تیار کر دیتے اور مشینی ہی انداز میں وہ طعام خانے میں آ کر برائے نام کھا کے اٹھ جاتے تھا۔

اور ادھر وہ اکیلی ہستی تھی۔ اس جیل خانے کی زبردستی کی قیدی۔۔۔ جیسے کوئی طائر نو گرفتار کچھ دیر پر پھٹ پھٹانے اور سر ٹکرانے کے بعد قفس کی آہنی تیلیوں اور صیاد کی بے رحمی سے سمجھوتہ کر لے۔ اسی طرح نویرہ نے بھی اس قفس اور اس صیاد سے ایک خاموش صلح کر رکھی تھی! اب اسے یہاں سے نکل کے جانا کہاں تھا۔ ماں کے سوا اس کا صحیح معنوں میں تھا کون۔ اور ماں اس کی دانست میں اسکی جدائی میں ختم ہو چکی تھی!

وہ خود کو اس کوٹھی کی ایک ادنیٰ کنیز سمجھتی تھی! کبھی کبھی ایک دلدوز کراہ اس کے دل کی گہرائیوں سے ضرور اٹھتی تھی اور وہ حالات پر قانع اور شاکر ہو جاتی!

ایک بڑا حیرت انگیز انقلاب اس کی ہستی کے اندر کروٹیں بدلنے لگا تھا۔ شاید صید و صیّاد میں بھی کبھی رشتۂ محبت استوار ہوا ہو! طائرِ آزاد مقیّد ہونے کے بعد اپنے شکاری سے نفرت کے بجائے محبت کرنے لگے! ایک عجیب سا احساس ان دنوں نو یرہ کو ستانے لگا تھا۔ گمنام سے جذبے تھے۔ جن سے وہ پہلی دفعہ آشنا ہوئی تھی! بے خبری میں اسے عاطر کا انتظار رہنے لگا تھا۔ اس کا جی چاہتا تھا وہ ان کی کوئی چھوٹی موٹی خدمت اپنے ذمّے لے سکے۔ کم از کم ان کا ناشتہ تیار کر سکے۔ ان کے رومال کے کنارے سی دے۔ اس سے بڑھ کر اس کے خیالوں کی پرواز نہ تھی۔ مگر وہ ان معمولی خیالوں ہی سے سہم جاتی!۔

کیا ہوتا جا رہا ہے؟ کیا عاطر اسے اچھے لگنے لگے ہیں۔ وہ ظالم بے درد اور سفّاک وحشی جس نے اُسے دربدر کیا۔ ماں سے جدا کیا۔ اس پر ہنستی مسکراتی زندگی کے در بند کر دیئے۔ وہ اسی کو چاہنے لگی ہے۔ لیکن اپنی نئی نویلی چاہت کو وہ یوں اپنے دل کے تہہ خانے میں چھپائے رکھتی تھی جیسے کوئی کنواری اپنے پلوٹھی کے ناجائز بچے کو گھر کے کسی دُور کونے کھدرے میں چھپائے رکھے۔ اس کی آواز نکلنے سے پہلے اس کے لبوں پر ہتھیلی رکھ دے!۔

اس کے محسوسات بے خبر تھے۔ اسی کو اندازہ نہیں تھا۔ اسے کونسی بیماری نے آگھیرا تھا۔ وہ عاطر کے چہرے کی پرستار کیوں ہو رہی تھی۔

تی تھیں۔ وہ اپنے قہر و غضب کی چمک کے ساتھ ان کے ذہن کی تاریکیوں
میں بچوں کی توں موجود تھیں۔ کسی محفل میں۔ کبھی تنہائی میں۔ خاموشی میں
کسی سے باتیں کرتے وقت وہ آنکھیں پل بھر کے لئے بھی ان کے ذہن میں
ماند نہ ہوئیں ان کی چمک انہیں خوفزدہ کئے رہتی۔ ان کا قہر و غضب
انہیں ڈرایا کرتا۔ اب پچھلے سارے اعمال انہیں یوں پشیمان رکھتے
اور وہ مستقبل سے بھی قطعی بے پرواہ ہو گئے!

یہ کیا ہے دُنیا۔
دُنیا کے گورکھ دھندے۔
نہ اپنی پیدائش اپنی مرضی کی۔
نہ موت پر اختیار۔
تار نفس کسی ان دیکھی طاقت کے ہاتھ میں ہے۔
جانے کب ٹوٹ جائے۔ جانے کب یہ تار کھینچ لیا جائے۔

ایک غیر یقینی چیز پر اتنا غرور، اتنا بھرم کیا۔ اسے سجانا سنوارنا
کیا۔ اس کے لئے اتنے اہتمام کی کیا ضرورت ہے۔ اس کے لئے انسان
کتنی عجیب حرکتیں کرتا ہے۔ روپیہ پیسہ، دولت، سرمایہ، جائیداد
دل کے بہلانے کے کتنے بودے بہانے ہیں۔ کسی کے پاس چاندی سونے
کی اینٹیں ہیں۔ کسی کے متعدد بینکوں میں حساب ہیں۔ کسی نے روپیہ
پیسہ زمین میں دفن کر رکھا ہے۔ لیکن کیوں ـــــ؟

کیا انسان کو پتہ نہیں۔ کیا اس نے پڑھا نہیں دیکھا نہیں سُنا
نہیں ـــــ

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارا

انہیں [illegible] احساس تھا۔ ان کی دولت آہستہ آہستہ تجوریوں سے اُبل رہی ہے۔ خانوں میں نوٹوں کے بنڈل ٹھونسنے کی جگہ بھی نہیں رہی۔ روز بروز مکانات کے کرائے بڑھ رہے تھے۔ ٹیکسیوں کے کرائے معہ اضافے کے انہیں وصول ہو جاتے تھے۔ ان کی دو ملیں تھیں ٹیکسٹائل مل۔ ان کا منافع حد و حساب سے ماوریٰ تھا ۔۔۔ !

اور حقیقی دولت تھی۔ وہ گھورہ کچرہ کی طرح اِدھر اُدھر پڑی تھی۔ مصرف اگر کوئی تھا تو گناہ کی ترویج و اشاعت کے لئے تھا۔ کارِ خیر کے لئے مطلق نہیں۔ وہ آپ ہی آپ ہنسنے لگتے! اس سے زیادہ ہی کچھ تھا جو ڈیڈی چھوڑ چھاڑ کے چل دیئے۔ اور اس سے زیادہ ہو گا جو میں بھی چھوڑ چھاڑ کے چل دوں گا۔ ڈیڈی کا فردِ عمل نیکیوں سے معمور تھا۔ اور میرا فردِ عمل بدیوں سے داغدار ۔ کیا لے گئے وہ ۔۔۔ کیا لیجاؤں گا میں ۔؟

تو پھر میں کس دن کے لئے یہ کھوکھلا کاروبار کر رہا ہوں ؟۔

ان کا دل ڈوبنے لگتا۔ انہیں یاد آتا کہ ان کے والد نے کتنے محتاجوں مسکینوں اور یتیموں کا ماہانہ باندھ رکھا تھا۔ جسے انھوں نے یکقلم غارت کر کے رکھ دیا تھا !

نجانے کتنی آہیں کتنی بد دعائیں انہوں نے سمیٹی تھیں ؟۔

اب وہ اتنی دلچسپی سے کھاتے پیتے نہ تھے۔ کہیں آتے جاتے نہ تھے۔ گھنٹوں اپنے کمرے میں صوفہ پر پڑے نجانے کیا کچھ سوچا کرتے !

سب سے زیادہ روح فرسا اور جانگسل مسئلہ نویرہ کا تھا۔ اب انہیں اس سے [illegible] ہونے لگی تھی! اس کی شکل پر نظر پڑتی اور ان کے چہرے سے بیزار [illegible] کیا عذاب سر پر منڈھ لیا تھا۔ دولت کی

جس کی دید کی خاطر گرہ سے رقم کھولی تھی۔ اب انہیں مُفت بھی مہنگی لگ رہی تھی! اس پر انہیں غصّہ آجاتا۔ آخر اپنے گھر جانے پر تیار کیوں نہ ہوئی۔ شاید اس کے لوگ اسے قبول کر ہی لیتے! آخر وہی کیوں اس کپے میں آگئے؟۔ زبردستی لے جا کے پھینک آتے وہیں۔ اب تو اتنے دن گزر چکے ہیں کہ اس کا جانا اور ان کا لے جانا سب بے کار ہے۔!

کبھی ان کا دل بغاوت پر آمادہ ہو جاتا۔

اس مولوی ٹائپ لڑکی ہی نے ان کے سنہرے دنوں پر خاک ڈال دی ہے۔ دنیا سے بیزار کر دیا ہے۔

ورنہ وہ دن کتنے اچھے تھے۔ عیش فزا راتیں۔ طرب انگیز دن۔ وہ دوستوں کے پرے۔ لڑکیوں کی رفاقت۔ رقص و سرود کی دلچسپیاں۔ ہمہ وقت بے خودی سرشاری۔۔۔ ارے۔۔۔ کونسا بار بار دنیا میں آنا ہے۔۔۔

یہ ساری نعمتیں۔ دلچسپیاں خدا جانے انسان ہی کے لئے پیدا کی ہیں۔ اسی کا خرابہ فرشتے نہ کر سکے آباد۔۔۔ اگر سارے انسان یونہی سوچنے لگیں تو دنیا اجڑ جائے۔ سب گوتم بن کر جنگل کی راہ لیں۔

اُف۔ کیسی سنگین قنوطیت دل و دماغ میں رچ گئی ہے۔ اب ہزار چاہیئے۔۔۔ پر طبیعت اُدھر نہیں آتی۔۔۔!

عیش پرستی انھیں روز بروز نئی جوانی نئی شادابی اور نیا ولولہ عطا کر رہی تھی۔ اس رہبانیت نے وقت سے پہلے انھیں بوڑھا کر کے رکھ دیا تھا۔ مرد کی پینتیس سال کی عمر بھی کوئی عمر ہوئی کہ دنیا ابتدائی بلا معلوم ہو۔ اور۔۔۔ دنیا والوں کے دیکھنے کے خوف سے کمرہ بند کر کے نماز پڑھا

پڑھی جائیں۔ توبہ تلّا کی جائے گڑگڑا کر دعا مانگی جائے کہ خدا اپنی وہ آنکھیں بند کرلے جو ہنوز ان کے دماغ میں کھلی ہیں۔ اور مسلسل گھور رہے جارہی ہیں ــــ!

دل چاہتا کہ اس ڈمی ٹمارڈ کی کا گلا گھونٹ دیا جائے اور پھر سے پلٹ جائیں اپنی پچھلی رنگین دُنیا میں ــ پھر وہی بیزاری ــ لاتعلقی!

شام کے سائے گہرے ہونے لگے تھے!

تُند اور خُشک ہواؤں کا راگ غصیلا تھا۔

آسمان پر چمکیلا غبار گہرا ہوتا جا رہا تھا ــ!

توقع تھی کہ رات تک آندھی ضرور چلے گی! موسم کئی دنوں سے بڑا ناگوار ہو رہا تھا ــ!

ایک ملازم روزمرّہ کی طرح ساری کوٹھی کے بلب آن کر گیا تھا۔ لیکن اس کمرے کا اندھیرا دُور کرنے کی ہمت نہ کر سکا۔ اس نے اندر جھانکا تھا۔ اپنے صاحب کو دیوان پر بے ترتیب پڑا دیکھا اور جلدی سے اندر واپس بھاگ گیا تھا ــ!

سارے ملازمین کے لئے عاطر کا رویّہ سخت حیرت انگیز تھا۔

کچھ دیر بعد ہلکی سی آندھی چلی اور آسمان کا غبار صاف ہو گیا۔

موسم خوشگوار ہونے لگا۔ ہواؤں کے غصیلے گیت اب پیار کے میٹھے نغموں میں تبدیل ہو گئے تھے ــ باغ کے اُونچے اونچے درختوں میں رین بسیرا کرنے والی چڑیاں بے پناہ شور مچا رہی تھیں۔

ایک نامکمل انگڑائی لے کر وہ دیوان سے اُٹھے اور کھلے دریچے کے سامنے جا کھڑے ہوئے ــ!

خزاں۔۔۔،
ان کے بیڑی بند سے لبوں پر ایک خزاں زدہ مسکراہٹ اُبھری۔
موسموں کے تغیر و تبدل سے بھی انسان نے سبق نہ سیکھا تو پھر وہ انسان کیا؟ ضمیر نے کہیں گہرائیوں سے آواز دی۔
تمہی نے کونسا سبق سیکھا ہے؟ عمر عزیز کے پینتیس برس گذار دئے کیا حاصل کیا تم نے؟۔
وہ شرمندہ سے ہو گئے۔ اور زیر لب بڑبڑائے مگر۔ مگر۔ اب تو میں باقیماندہ عمر کسی صحیح کام میں صرف کروں گا۔۔۔!
دروازے پر آہٹ ہوئی۔
دونوں ہاتھ اپنے بالوں میں اُلجھا کر وہ اُدھر مڑے! پردہ تھامے سوسن کھڑی دکھائی دی۔۔۔!
"کیا ہے سوسن۔۔؟" انہوں نے بڑی نرمی سے پوچھا۔ ہمیشہ کی طرح پھاڑ نہیں کھایا۔
"سرکار۔۔۔! آپ کے کمرے میں روشنی نہیں دیکھی"، سوسن ہکلائی۔ "پوچھنے چلی آئی تھی۔ نصیب دشمناں آپ کی طبیعت تو ناساز نہیں ہے؟ میں بجلی جلا دوں۔ سرکار!؟"
"ہاں۔!" ایک طویل سانس ان کے سینے سے آزاد ہوئی۔ انہوں نے ہاتھ گرا لئے اور پھر صوفہ پر آ بیٹھے۔ سوسن نے کمرے میں روشنی کی اور ایک سرسری سی نظر ان پر ڈالی۔ سوسن کا دل رحم و ہمدردی سے معمور ہو گیا۔ اس شخص پر کسی نے جادو تو نہیں کر دیا۔ یا تو گرجتا دہاڑتا شیر بنا رہتا تھا۔ یا اب گریۂ مسکین سے بھی بدتر۔۔۔!

حال کیا ہو رہا ہے۔ لباس کی طرف سے لاپرواہ، چہرے کے سنوارنے سجانے سے قطعی بے نیاز۔ داڑھی گالوں پر پھیل رہی تھی۔ مونچھوں نے دونوں ہی ہونٹ ڈھک رکھے تھے! آنکھوں سے گہری اداسی مترشح ہے!

سوسن حیرت زدہ رہ گئی۔ اس نے سوچا کہ شاید کسی بے وفا نے اپنی کج ادائی اور جفا کاری کے تیروں سے ان کی یہ حالت کر دی ہے۔ کہا مانا نہیں ہے۔ کسی اور کا ہاتھ تھام کر چل دی ہے۔ دسترس سے باہر ہو گئی ہے اور ناکامی نے ان کا یہ حال کر رکھا ہے۔ ورنہ بھلا یہ ممکن ہے کہ ایسا با اقتدار، غصہ ور، ضدی اور ہٹ دھرم آدمی یوں مجہول ہو کر رہ جائے۔؟

اس سے ضبط نہ ہو سکا تو اس نے پوچھ ہی لیا۔

"سرکار۔ میں آپ کی پرانی نمک خوار ہوں۔ عمر گزری ہے آپ کے در پر حضور۔ مجھے نہ بتایئے گا۔ آپ کی طبیعت کیسی ہے۔ آپ نے اپنے سارے کام ملازموں پر چھوڑ رکھے ہیں۔ آپ کتنے دنوں سے باہر نہیں گئے۔ اکیلے کمرے میں پڑے پڑے تو سرکار۔ آپ بیمار نہ بھی ہوں تو مولیٰ نہ کرے بیمار پڑ جائیں گے۔!"

عاطر کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ جھلکی۔ انہوں نے سر اٹھا کر سوسن کو دیکھا اور بولے۔ "بیٹھ جاؤ۔!"

وہ فرش پر بیٹھنے لگی۔! تب عاطر نے دفعتہً بوڑھی کا ہاتھ پکڑ لیا اور بولے۔ "نہیں۔ اماں۔ یہاں بیٹھو۔ کرسی پر۔ تمہاری ایک عمر اس گھر میں گزری ہے نا۔ کیا تمہیں اس گھر اور گھر والوں پر اتنا بھی استحقاق نہیں۔"

سوسن تو اس لب و لہجہ پر غش کھاتے کھاتے بچی۔! اور گرتے گرتے سنبھل

کر کرسی کے کنارے یوں ٹک گئی جیسے کانٹوں پر بیٹھی ہو اور پیروں تلے انگارے بچھے ہوں۔

"سوسن ؟"

"جی صاحب۔۔۔!"

"میں کیا پوچھنا چاہتا ہوں تم سے ؟"

"پوچھئے مالک۔۔۔!"

"میرا پچھلا طرز زندگی اچھا تھا کہ موجودہ طرز حیات اچھا ہے۔ مروّت نہ کرنا۔ سچ سچ بتاؤ۔۔۔!"

"حضور۔ چھوٹا منھ ہے۔ بڑی بات۔۔۔!"

"بڑی اور چھوٹی سے سروکار نہیں۔ تم بے لاگ بات کرو۔ ڈرو مت!"

"سرکار۔۔۔!"

"بولو۔ بولو!"

"میں نے ہمیشہ یہی سوچا ہے سرکار کہ آپ اتنے اچھے ہیں۔ صورت شکل آپ کو اللہ نے اتنی پیاری دی ہے۔ خدا نے آپ کو سر سے اونچا روپیہ دیا ہے۔ آپ چاہیں تو اپنی زندگی کو خوبصورت بنا سکتے ہیں۔ لڑکیاں مرد آدمی کو کھوکھلا کر دیتی ہیں صاحب، وہ مردوں کی دوست نہیں ہوتیں ان کی دولت کی تو بھی ہوتی ہیں! آپ نے کتنی دولت تباہ کی ان کم بختوں کے پیچھے۔ آج کوئی ہے آپ کی ؟ جسے آپ سے محبت ہو۔ وہ دوست جو آپ کے پسینے پر خون گرانے کو تیار رہتے تھے۔ کہاں ہیں سرکار؟ دنیا میں بہت کم لوگ ہیں جو خلوص سے کسی سے محبت کرتے ہیں۔ اور آپ کے سارے دوست اور "سہیلیاں" خود غرض، مکار، مطلب پرست تھے۔

جنہوں نے ایک نیک اور شریف باپ کے آپ کے سے ہونہار بیٹے کو تباہی کے راستوں پر ڈالا۔ اور پھر ان راستوں سے واپس لے جانا بھول گئے۔ ! میرا دل دکھتا ہے سرکار —!"
عاطر اس لمبی چوڑی غیر مسلسل خوفزدہ تقریر کے دوران مسکراتے رہے پھر بولے "تمہارا مطلب یہی تھا ناکہ میں جو کچھ کرتا رہا ہوں۔ وہ سب بے کار تھا۔"
"جی ہاں سرکار۔ آپ بُرا نہ مانیں —!"
"نہیں نہیں —!"
"بندہ نوازی ہے سرکار —!"
"اب میں صحیح راستوں پر آنے کی کوشش کر رہا ہوں —!"
"اللہ آپ کو مبارک کرے میاں" سوسن کھل اُٹھی "میری مانیئے تو اب شادی کیجئے اور گھر بسائیے سرکار — بہت دیر ہو چکی ہے! مگر اب بھی آپ اشارہ کر دیں تو ایک سے ایک لڑکی اس گھر میں آنا اپنی خوش نصیبی سمجھے گی۔"
"اب مجھے کسی لڑکی پر اعتبار نہیں رہا۔ میں ساری زندگی یونہی رہنے کا ارادہ کر چکا ہوں —! خیر — چھوڑو ان باتوں کو —! تم بتاؤ نویرہ کیسی ہے۔ دن بھر کیا کیا کرتی ہے —؟"
سوسن نے چپکے سے سانس لی "ایسی صابر شاکر لڑکی میں نے عمر بھر میں پہلی بار دیکھی ہے۔ نہ لب پر آہ۔ نہ زبان پر فریاد — خدا مسز رباب کو غارت کر دے۔ جس نے بے چاری کو بھرے پُرے کنبے سے جُدا کیا۔ اور آپ کو بھی بہکایا۔ لیکن وہ غریب مسز رباب کو بھی بد دعائیں

نہیں دیتی۔ یہی کہتی ہے کہ جو کچھ تقدیر میں تھا۔ سو سامنے آیا!"

"میں اس کی اور تمہاری ساری باتیں سن چکا ہوں!"

وہ خاموش ہو گئی اور سوچنے لگی۔ اس نے کوئی ایسی ویسی بات تو نہیں کہہ دی تھی جو اب ان کے اشتعال کا باعث بن جائے!

"بہت برا ہوا۔ بہت بُرا ہوا وہ کہہ رہے تھے کہ جس روز میں نے اس پر یہ ستم ڈھایا۔ اس کے دوسرے روز اس کی منگنی ہونے والی تھی!"

"جی ۔۔۔!"

"مگر یہ کیا حماقت ہے۔ جب میں نے اسے اطمینان دلایا تھا کہ اسکی طرف سے جواب کی ذمہ داری میں لے لوں گا تب بھی وہ اپنوں میں جانے پر راضی کیوں نہ ہو گئی ۔۔۔ اور اب تو واقعی بہت دیر ہو چکی ہے۔ اب جائے گی بھی تو کیا ۔۔۔ امیر رباب کو واقعی سزا ملنی چاہیئے۔ وہ تو بالکل بے فکر بیٹھی ہو گی۔ اُسے خواب میں بھی گمان نہ ہو گا کہ میں اچانک اس پر عقاب کی مانند جا پڑوں گا ۔۔۔! خیر ۔ ہاں تو۔ اب نوریہ کیا کر رہی ہے؟"

"جب میں آئی ہوں۔ وہ مغرب کی نماز پڑھ رہی تھی ۔۔۔!"

"اگر وہ پسند کرے تو اسے میرے پاس بھیجدو۔ یہاں آنے سے ڈرتی تو نہیں ہے ۔۔!" عاطر نے بڑے کرب زدہ لہجے میں پوچھا۔

"کیا خبر۔ سرکار۔ اس کی کوئی بات مجھے معلوم نہیں۔ دل میں کیا ہے۔ کیا سوچتی ہے۔ ایسی بے زبان لڑکی بھی کہیں نہیں دیکھی!"

سوسن نے جا کر عاطر کا پیغام نوریہ کو سنا دیا۔

اس کا چہرہ سفید ہو گیا۔

"کیا مجھ سے پھر کوئی قصور ہوا ہے؟"

"نہیں بیٹی۔ تم جاؤ تو۔ جانے کیا کہنا چاہتے ہیں تم سے۔ اب کیا ہر وقت بے وقت سزا ہی دیا کریں گے۔۔۔!" سوسن ہنسنے لگی!

نویرہ نے خوب اچھی طرح اپنا لباس درست کیا۔ سر پر آنچل اوڑھا۔ وہ کبھی عاطر کے سامنے سر کھول کے نہیں گئی تھی۔ اس کی یہ ادا انہیں بے حد پسند تھی۔۔۔!

دو منٹ بعد اس کی جھلک پردے پر دکھائی دی۔۔۔!

"آؤ۔ نویرہ۔۔۔؟" دھڑکتے دل سے عاطر نے صدا دی! وہ اندر آئی۔ اور ایک صوفہ کی پشت تھام کر کھڑی ہو گئی۔۔۔!

"یہ کیا۔" عاطر نے کہا۔ "ننگے پاؤں کیوں پھر رہی ہو؟ جوتیاں کہاں ہیں؟ بھئی جوتیاں پہن کے آیا کرو۔ قالین خراب نہیں ہوتا۔ آخر میں بھی پہنتا ہی ہوں۔۔۔!"

"نہیں ہیں۔۔۔!" ہمیشہ کی طرح بہت سیدھے سادے اور نرم لہجے میں وہ ایک زہریلا خنجر عاطر کے دل میں اتار دیتی تھی۔ اس میں اس کے ارادے کو دخل نہیں ہوتا تھا! لیکن عاطر پر تو سچ سچ تازیانے پڑ جاتے تھے؟۔

"کیا مطلب۔۔۔؟" انہوں نے پوچھا۔ "بیٹھ جاؤ بھئی۔ کھڑی کیوں ہو؟" وہ بیٹھ گئی اور اس کے گورے گورے ننھے منے پیروں کو عاطر کی نظریں چومنے لگیں۔۔۔!

"کہاں ہیں تمہاری سلیپریں؟ بولو۔ میں اٹھا لاؤں۔؟" وہ مسکرائے۔

"آپ۔۔۔؟" اس کی لمبی لمبی پلکیں تحیر خیز انداز میں ان کی طرف اٹھیں "مگر ہیں کہاں۔ جو آپ لے آئیے گا!" اس نے پھر سر جھکا لیا۔

"کیوں ۔۔۔؟"

"چپلیں تو اسی وقت کہیں گر گئی تھیں۔ جب آپ یہاں اٹھا لائے تھے"
نویرہ نے بے حد سادگی سے جواب دیا۔" ڈوپٹہ بھی وہیں کہیں رہ گیا تھا سو کنا
سے میں نے ڈوپٹہ مانگ لیا تھا۔ مگر جوتیاں مانگتے شرم آئی۔ مجھے جوتیوں
کی ضرورت بھی تو نہیں ہے۔ آپ کے گھر کا فرش اتنا صاف اور چمکدار ہے
پاؤں خراب تھوڑی ہوتے ہیں ۔۔۔!"

عاطر عرق عرق ہوئے جا رہے تھے! انہوں نے کھنکار کر گلا صاف کیا
اور بولے۔" اچھا اب یہ بتاؤ کہ تم نے پڑھا کہاں تک ہے ۔۔۔؟"

"زیادہ نہیں پڑھا۔ میٹرک پاس کیا تھا۔ امی نے گھر بٹھا لیا۔"

"کیوں؟"

"امی کہتی تھیں کہ کالج کی لڑکیاں خود بھی خراب ہوتی ہیں اور دوسری
لڑکیوں کو بھی خراب کر دیتی ہیں۔ مگر امی بے چاری کو کیا معلوم تھا۔" وہ
اچانک چپ ہو گئی۔

" اچھا اٹھو۔ میرے ساتھ چلو۔" عاطر نے جلدی سے اسے موضوع
سے بھٹکا دیا۔" آج ایک بار ہم پھر بازار کا ایک چکر لگا آئیں! میرا
دل بھی گھبرا رہا ہے۔ صبح سے کمرے میں پڑے پڑے سر میں درد ہونے لگا
ہے! باہر کی ہوا سے شاید کچھ کم ہو جائے! چلو اٹھو۔ فیروز سے کہو
گاڑی نکالے۔"

"م۔ میں۔ آپ کا سر دبا دوں ۔۔۔؟" اس نے مدھم لہجے میں پوچھا۔

"نہیں۔ ایسا بھی نہیں ہے!" عاطر کھڑے ہو گئے!

"میری اتنی سی خدمت بھی آپ کو پسند نہیں ۔۔۔؟ نویرہ نے کہا۔ عاطر نے

چونک کر اسے دیکھا۔ کس جذبے کی غمازی کر رہا تھا اس کا لہجہ۔! کیا یہ بے وقوف لڑکی کچھ اور سوچنے لگی ہے!

"نویرہ ۔۔ !" ان کا لہجہ سخت تھا۔

اس نے سہم کر پلکیں اٹھائیں۔

"تم میرے یہاں مہمان ہو۔ اتنا یاد رکھو! سمجھیں!"

"آپ کو غصہ کیوں آگیا ؟"

"غصہ وصہ نہیں آیا۔ سمجھا رہا ہوں تمہیں ۔۔!"

"نہیں۔ آپ کو مجھ پر غصہ آگیا ہے۔ کیا میں آپ کا لہجہ پہچانتی نہیں۔ میری قسمت ہی خراب ہے کوئی کام میرا اچھا نہیں۔ سوچا کہ آپ کی خدمت میں باقی زندگی ختم کر دوں گی مگر۔ آپ۔ !" اس نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا لیا اور ایک بیک پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اظہار احساس کا اس سے بہتر اور موثر طریقہ معلوم ہی نہ تھا!

عاطر کے ہاتھ پاؤں پھول گئے! ناحق اسے بلایا۔ عجیب احمق ہے۔ انہوں نے بوکھلا کر کہا۔ "اچھا۔ اچھا۔ ٹھیک ہے۔ کر لینا خدمت بھی۔ مگر تم روتی کیوں ہو۔ چپ ہو جاؤ۔ پونچھ لو آنسو۔ کوئی دیکھ لے گا تو کیا کہے گا۔ کیا سوچے گا۔ نویرہ ۔! میں کہتا ہوں۔ خاموش ہو جاؤ!"

اس نے ان کے گرجدار لہجے سے ڈر کر آنسو تو پونچھ لئے مگر سسکیاں اب بھی جاری تھیں عاطر کو بیک وقت اس پر ترس بھی آرہا تھا۔ غصہ بھی ۔! انہوں نے اس سچویشن سے گھبرا کر فیروز کو آواز دی اور جب وہ آیا تو اس سے یہ کہہ کر کہ جمشید کو گاڑی نکالنے کا حکم دے! خود جلدی سے غسلخانے میں گھس گئے!

نویرہ ان کے ساتھ جانے پر آمادہ نہیں تھی ___! اور خود عاطر کا موڈ اب خود بھی چوپٹ ہو چکا تھا۔ کبھی کبھی پچھلی فطرت کا عکس پڑجاتا تھا!

انہوں نے سوسن کو اپنے جانے کی اطلاع دی! نویرہ کو اپنے کمرے ہی میں بسورتا چھوڑا اور فیروز کی اطلاع پر کہ کار کمپاؤنڈ میں آگئی ہے پرس جیب میں رکھتے ہوئے چلے گئے!

تقریباً دس بجے رات کو ان کی واپسی عجیب غیر متوقع شکل میں ہوئی! کوٹھی میں ایک قیامت صغریٰ برپا تھی۔ تمام ملازم چیختے چلاتے کمپاؤنڈ میں اکٹھا ہو رہے تھے۔ مرد چلا رہے تھے۔ عورتیں رو رہی تھیں۔

نویرہ ایک طرف دل تھامے کھڑی کانپ رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کاہے کا شور تھا۔ کیوں وہ لوگ دہاڑ رہے تھے ___ چیخ رہے تھے۔ کسی سے پوچھنے کا بھی یارا نہیں تھا۔ وہ یہی سمجھی کہ کوئی بڑا فساد اچانک پھوٹ پڑا ہے۔ لیکن جلد ہی اسکی سمجھ میں آگیا!

وہ اس مختصر سے جلوس کی طرف جھپٹی۔ جو عاطر کو اپنے ہاتھوں پر سنبھالے اوپر بڑھ رہا تھا!

"کیا ہوا" الفاظ اس کے ہونٹوں پر دم توڑ گئے!

"ڈاکٹر ___ ڈاکٹروں کو بلاؤ۔ جلدی کرو۔ یا انہیں کو اسپتال لے چلو" کوئی چیخ رہا تھا ___!

نویرہ نے دیکھا کہ عاطر ملازموں کے ہاتھوں پر ایک لاش کی طرح پڑے تھے۔ ان کا لباس خون سے تربتر تھا۔ خون لباس سے ٹپک رہا تھا! نظارہ اتنا خوفناک تھا کہ نویرہ چکرا کر ستون سے ٹک گئی!

انہوں نے عاطر کو تخت پر لٹا دیا۔ ایک ملازم گاڑی پر ڈاکٹر کو

لانے بھاگا۔ دوسرے مل کر بڑی احتیاط سے ان کا خون آلود لباس
اُتارنے لگے ۔!
فوزیہ کچھ سنبھل گئی تو پاس آئی۔ اس نے دیکھا کہ وہ سخت زخمی ہو گئے
تھے۔ ایک لمبا سا گہرا گھاؤ شانے کے پیچھے تھا جو تقریباً پسلیوں تک
چلا آیا تھا۔ خون اُسی زخم سے زیادہ بہہ رہا تھا۔ دوسرا زخم بازو پر
تھا اور متعدد خراشیں جو کافی گہری تھیں۔ تقریباً ساری پیٹھ اور دونوں
بازوؤں پر تھیں۔ وہ تخت پر مُردے کی طرح پڑے تھے۔! اور سوسن بوا
اپنی دوسری ساتھی خادمہ کے ساتھ مل کر ان کے زخم دھو رہی تھیں اور
رہ رہ کر سسکیاں لیتی جاتی تھیں۔
ڈاکٹر صاحب جلد ہی آ گئے! زخم دیکھے اور از سر نو انہیں دھویا۔
پٹیاں باندھیں اور پھر پوچھا۔ ان کے ساتھ کس نے دشمنی نکالی۔۔۔
ڈاکٹر صاحب اس خاندان کے لئے نئے نہ تھے! ان پر عاطر کی ساری
زندگی کھلی کتاب کی طرح عیاں تھی۔ انہیں یہ سمجھنے میں کیا دیر لگتی کہ
یہ کارنامہ کسی ناکام رقیب کا ہو سکتا ہے۔ پھر بھی انہوں نے پوچھ
ہی لیا۔ یہ آخر کیا ہوا۔ کیونکر ہوا۔۔۔؟
گورکھا ڈرائیور ہسٹری دینے لگا۔" ڈاگدر صاحب۔ ہمارےساب
اپنا گاڑی ایک طرف کھڑا کر کے بی بی جی کے واسطے کپڑا، چپل اور
چوڑی خریدنے دوکان کے اندر جاتا۔ ہم اتنی دیر میں چائے پینے
سامنے ایک ہوٹل میں جاتا۔ پھر ساب سامان خرید کر واپس آتا اِدھر
پھر اندھیری گلی سے دو بدمعاش نکلتا اور ساب پر چھرے چلا کر بھاگ
جاتا۔ ہم خوب چیختا چلاتا ہے ڈاگدر ساب۔ سڑک کا تمام آدمی اکٹھا

ہوجاتا۔ساب کو ہوش رہتا۔لوگ بولتا فوری ساب کو ہاسپٹل لے کے جاؤ۔ پن ۔ساب بولتا۔ نیشن ۔ نیپالی تم ہمارے کو کوٹھی لے کے چلنا اور پھروہ۔ بیہوش ہوجاتا ڈاگڈر ساب۔ ہم گاڑی خوب تیز بھگا کے ساب کو گھر لاتا!"

"تم نے ان لوگوں کی شکلیں نہیں دیکھیں ؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔ کون تھے۔ کتنے تھے۔ انہیں دن کی روشنی میں دیکھو گے تو پہچان لوگے؟"

"بول نہیں سکتا ساب۔ ہم اُس ٹیم پے کتنا گھبرا گیا تھا۔ پھر ساب جلدی کر رہا تھا کہ جلدی گھر چلو۔ جلدی گھر چلو۔ نہیں تو۔ ہم ان حرامیوں کے پیچھے بھاگ کے ان کے گلے پکڑتا اور انہیں سڑک پے پٹخ کے مار ڈالتا،" گورکھے نے جواب دیا۔

"انہیں ہوش کیوں نہیں آرہا۔" سوسن روئے دیتی تھی! تقریباً گھر بھر کے ملازم تخت کو گھیرے کھڑے تھے۔! اور بے حد فکر مند معلوم ہو رہے تھے!"

"زخموں کی تکلیف" ڈاکٹر نے کہا "لیکن جلد ہی!" اور تبھی عاطر نے آنکھیں کھول دیں! سوسن اور دو تین ملازم ان پر جھک گئے ڈاکٹر صاحب نے ان کی نبض تھام لی۔

"کیوں۔ عاطر صاحب۔ یہ کیا ہوا؟"

سخت تکلیف اور اذیت کے باوجود وہ مسکرائے اور بولے ۔

"دیکھا جو تیر کھا کے کمین گاہ کی طرف
اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہوگئی"

اور پھر اچانک کراہنے لگے" بہت درد ہے۔ میری پیٹھ کے پرخچے

اُڑ رہے ہیں۔ فیروز ۔ میرے سکریٹری کو فون کرو ۔ وہ ۔ فوراً میرے وکیل کو لے کر آئے۔ انسان کی زندگی کا کیا بھروسہ ۔ میں اپنی وصیت ایکبار پھر سے لکھوانا چاہتا ہوں۔ فوراً جلدی کرو ۔ نہیں ۔ میں کچھ سننا نہیں چاہتا۔ فیروز ۔ تم نے سُنا نہیں ۔ میں کیا کہہ رہا ہوں! "

فیروز نے ایک بے بس نظر سب پر ڈالی اور سر جھکا کر چلا گیا۔

"واہ ۔ واہ مسٹر عاطر۔ واہ ۔" ڈاکٹر صاحب نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "ارے۔ آپ جیسے جری اور قوی الجثہ آدمی اتنے سے زخموں سے گھبرا گئے۔ میں نے ٹانکے لگا کے بینڈیج کر دئے ہیں۔ ابھی کل ہی سارے زخم سوکھنے لگیں گے۔ آپ وکیل اور وصیّت تک کیوں پہونچ گئے؟!" انہوں نے ان کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر تسلّی دی۔" میں آپ کو یقین دلاتا ہوں۔ آپ ہفتے عشرے ہی میں بالکل اچھے ہو جائیں گے !"

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔" عاطر نے کراہتے ہوئے آنکھیں بند کرلیں۔

"پھر بھی میں احتیاطاً کچھ لکھوانا چاہتا ہوں تو اسمیں حرج کیا ہے!؟"

"وہ دوست کون تھے۔ بتائیے۔ میں انہیں فوری ان کے ٹھکانوں سے پکڑوا منگواؤں گا!" ڈاکٹر نے کہا۔

"یہ غیبی سزا ہے۔ ڈاکٹر! کسی دوست یا دشمن کا کوئی قصور نہیں!!!" وہ بولے۔

وکیل صاحب نے ان کا نہایت مختصر سا وصیّت نامہ لکھا۔ اور اس پر

مزوری ٹکٹ لگا کے اپنے دستخط کئے! اور ایک لفافہ عاطر کے حوالے کرتے ہوئے دوسرا اپنی جیب میں رکھ لیا اور اُٹھنے لگے۔

" دیکھئے جناب۔ دیر نہ کیجئے گا! " عاطر نے کہا " آپ ایک مزوری نوٹ کے ساتھ اسے فوراً میرے دیئے ہوئے پتے پر پوسٹ کر دیجئے! میں چاہتا ہوں۔ میرے وہ اعزّہ جو مجھ سے کسی وجہ سے دُور رہے ہیں۔ فوری یہاں پہونچ جائیں۔ آدمی کی زندگی اور موت کا کیا بھروسہ جناب ابھی میں کل اسی وقت ہر طرح ٹھیک تھا۔ کسے خبر تھی کہ آج اسی وقت پٹیوں میں جکڑا بستر پر پڑ جاؤں گا۔۔۔!"

" لیکن میں سمجھ نہیں سکتا۔ جناب۔ آپ اپنی زندگی سے دفعتہً اتنے مایوس کیوں ہو گئے ہیں؟" وکیل نے کہا۔ اور ایک ترحّم آمیز نظر ان پر ڈال کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

" زندگی۔۔۔؟ " عاطر نے عجیب انداز سے مسکراتے ہوئے جواب دیا " آدمی اپنے ساتھ موت کو لے کر پیدا ہوتا ہے۔ وکیل صاحب! بعض بچے پیدا ہونے کے ساتھ ہی مر جاتے ہیں۔ بتائیے۔ وہ پیدا ہی کیوں ہوتے ہیں۔ آدمی کے پیچھے ہمیشہ موت بھاگا کرتی ہے۔ ایک ایک پل جو ہم گزار رہے ہیں۔ کیا ہمیں موت اور آخری منزل سے قریب نہیں کر رہا ہے؟ پھر یہ کہنا کہاں کی دانشمندی ہے کہ میں زندگی سے مایوس نہ ہوں۔ موت کو یاد نہ کروں؟ "

" پھر بھی جناب۔ اس طرح اگر سب لوگ سوچنے لگیں تو پل پل کی موت مرنے لگیں " وکیل صاحب ہنسنے لگے " ان کے دلوں سے آرزوؤں، تمناؤں اور خواہشوں کی آخری رمق بھی نکل جائے۔

وہ کھانے پینے کو محض بےکار سمجھنے لگیں، لوگ اپنے رہنے کے لئے اونچے اونچے دلکش مکان نہ بنوائیں شادی بیاہ نہ کریں۔ بچے نہ پیدا کریں۔ ہر طرح دنیا تیاگ دیں اور جنگل کی راہ لیں یا پھر اپنی اپنی قبریں کھود کے ان میں پاؤں لٹکا کر بیٹھ جایا کریں۔ کیونکہ زندہ رہنا فعل عبث ٹھہرا تو پھر مرنا اور قبر میں جانا ضروری ہے۔ کیوں نہ پہلے ہی چلے جائیں ــــ!"

"نہیں اس قدر انتہا پسندی بھی ایک بیماری ہے۔ قنوطیت۔ آدمی کو رجائی تو ہونا ہی چاہیئے۔ میرا مطلب یہ تھا کہ انسان موت کو بھول نہ جائے۔ میری طرح غافل، خودغرض، مطلب پرست اور غاصب ہو کر نہ رہ جائے کہ کسی جائز مستحق کا حق اپنے ساتھ لے جائے! یہ میری ایک احتیاط تھی۔ میں چاہے دو سو برس تک زندہ رہوں۔ لیکن جس کا کوئی حق مجھ پر واجب ہو اور میں نے جان بوجھ کر اس کی طرف سے چشم پوشی اختیار کر رکھی ہو تو کیوں نہ جب بھی موقع ملے اپنے فرض سے سبکدوش ہو لوں!"

"ہاں۔ یہ بات آپ کی ٹھیک ہے!" وکیل نے قائل ہونے کے انداز میں سر ہلایا اور پھر ان سے رخصتی مصافحہ کر کے چلا گیا!

اس کے جانے کے بعد وہ پھر چپکے چپکے کراہنے لگے! چہرہ رفتہ رفتہ متغیر ہونے لگا!۔

اس عرصہ میں نویرہ کا عجیب عالم رہا تھا! صرف اسی وقت وہ ان کے پاس سے ہٹتی جب ڈاکٹر اپنے اسسٹنٹ سمیت آتا اور زخم باندھتے تھے۔ جیسے ہی وہ جاتے وہ پھر ان کے پاس آجاتی ــــ!

اس نے تیمار داری کا حق ادا کر دیا تھا۔ نجانے وہ کیا سوچتی تھی۔! تنہائی میں وہ روتی بھی تھی۔ اسے پختہ یقین تھا کہ یہ سزا جو عاطر کو ملی ہے اس کی خاموش آہوں کا نتیجہ ہے۔ اس وہم نے اس کا جینا حرام کر رکھا تھا! یوں لگتا تھا جیسے وہ خود اسی کرب سے گزر رہی ہو۔ جس کرب و عذاب سے عاطر گزر رہے تھے۔ اس تک سوسن نے یہ اطلاع پہونچائی تھی کہ عاطر نے اپنی وصیّت لکھوائی تھی اور بس نویرہ کے طوفان گریہ پر بند باندھنا دشوار ہو گیا تھا۔ اسے بس یہ معلوم تھا کہ قریب المرگ لوگ ہی وصیّت لکھواتے ہیں۔ اس نے آج تک یہ نہیں سنا تھا کہ کسی صحت مند شخص نے خواہ مخواہ وصیّت لکھوادی ہو۔

اسے عاطر سے تعلق خاطر ہو گیا تھا۔ اس کی سادگی، معصومیت اور بے خبری کی انتہا تھی کہ وہ اپنے دربدر کرنے والے ہی کی محبت میں پھنک رہی تھی۔ اور زبان نہیں رکھتی تھی کہ اظہار کر سکے۔ انداز نہیں معلوم تھے کہ واضح کر سکے۔ اس کی محبت بے زبان جانوروں کی سی محبت تھی۔ مالک جیسے جس قدر چاہے مارے پیٹے۔ دھتکارے، نفرت کرے جانور ہر چوٹ پر مالک ہی کے قدموں پر لوٹنے لگتا ہے۔!

اور جب سے اس نے وصیّت کے بارے میں سنا تھا اتنی بے چین تھی کہ جیسے کوئی باہر سے آئے گا اور یہ بے خبری سنائے گا کہ عاطر جاں بلب ہیں اس خیال کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں کے سامنے کفن اور گہوارہ آجاتے۔ تخیل بڑی بھیانک تصویر دکھاتا پھر اس کے حواس گم ہونے لگتے۔!

عاطر کے زخم کس قدر مندمل ہونے لگے تھے۔ لیکن ابھی وہ اس

قابل نہیں ہو سکے کہ اٹھ کر چل پھر سکیں! وہ اپنی مسہری پر لیٹے ہوتے اور ان کے پاس چپ چاپ بیٹھی انہیں تکا کرتی ہے!
ان کے معمول میں دن اور رات کی تخصیص نہ تھی! ایک بات عاطر سو رہے تھے! اور انہیں تقریباً بار دیکھ کر سب ملازمین بھی سو ہی رہے تھے۔ لیکن ایک نویرہ تھی جسے قرار نہ تھا۔ اسے دہشت لگی رہتی تھی۔ کبھی وہ اگر باہر جائے گی تو عاطر کے سینے پر سانسوں کو نہیں پائے گی۔ اس کا یہ وہم اس قدر شدت اختیار کر گیا تھا کہ وہ ساری رات میں تقریباً چھ سات مرتبہ انہیں دیکھ آتی تھی!
اس وقت رات کے دو ڈھائی بج رہے تھے! وہ رات بڑی خوبصورت تھی۔ باہر باغ میں خنک اور نہایت معطر ہوائیں چل رہی تھیں۔ ایک ہوا کا جھونکا پھولوں کے منھ چوم کر آتا اور نویرہ پر عطر سا برسا جاتا! آسمان پر سفید ہلکے پھلکے بادلوں کے پرے کے پرے بھاگے چلے جا رہے تھے۔ پورا چاند ایک طرف روشن تھا اور آہستہ آہستہ پچھم کی طرف سرک رہا تھا۔ شب بھر کا بے چارہ تھکا ہارا چاند۔ اس کی نگاہ کھلے دریچے سے باہر پڑی اور پل بھر کے لئے وہ مسحور ہو کر رہ گئی۔ کتنا خوشنما نظارہ تھا۔ تھوڑے سے تاروں کے باراتی ۔ اور چاند کی دلہن ۔ بے خبری میں وہ چاند کو تکتی رہی۔ اور اس کے ذہن میں اپنے محبوب پیارے شاعر عبدالعزیز خالد کے اشعار گونجنے لگے۔
گونجنے کیا لگے۔ جیسے ذہن کے گوشے گوشے میں ایک اجنبی باجا سا بجنے لگا ۔!

چاند کا زرد مرمریں چہرہ
قلزم نیلگوں میں ڈوب گیا
رات بھیگی گریز پا لمحے
منزل نور کو روانہ ہوئے
لٹ چکی انجم و کاہکشاں کی محفل
شعلہ پروین کا بجھ کے راکھ ہوا!
سیج سونی ہے خوابگہ تنہا
اے شب تار اے دل رسوا

دفعتہً چاند پر ابر کا پردہ پڑ گیا۔ ساتھ ہی عاطر نے کراہ کر کروٹ لی۔ نویرہ اپنے خواب سے بیدار ہوئی۔ اور ایک گہری سانس لے کر ان پر جھکی۔ دیر سے ان کے پلنگ کے پاس کرسی پر بیٹھی ان کی سانسیں گن رہی تھی اور اپنی دانست میں اس بات کی منتظر تھی کہ دیکھیں کہ ان کا سینہ کب ان بھاری بھاری سانسوں سے خالی ہوتا ہے!

شاید عاطر کا کوئی زخم دکھ رہا تھا! رہ رہ کر بے خبر نیند میں ان کے لبوں سے کراہیں نکل جاتیں۔ اور ہر کراہ نویرہ کے دل میں پیوست ہو جاتی! لیکن وہ ہزار چاہنے کے باوجود ان کے جسم کو چھو نہ سکی' مبادا وہ جاگ پڑیں۔ اذیت دوگنی ہو جائے۔ وہ ان کو تکلیف پہونچانے کا باعث بن جائے۔ بس وہ ان کی ہر کراہ پر خود بھی درد کے مارے ایک کروٹ سی بدلتی اور دعا مانگنے لگتی۔ یا ان کی تکلیف کم ہو جائے یا پھر وہ تکلیف اسے آ جائے!۔

اس کی سمجھ میں جب کچھ نہ آیا تو وہ اپنی کرسی پائینتی چپکے سے کھسکا لے گئی۔
اس طرح کہ دبیز قالین پر ذرا سی آہٹ نہ پیدا ہو سکی! پھر اس نے بڑی نرمی اور آہستگی سے ان کے پیروں پر ہاتھ رکھ دئے! پھر اسے یوں لگا جیسے اس کے ہاتھ پیروں پر اس طرح جم گئے ہیں کہ اب وہ انہیں اپنے ہاتھوں کو ہٹانا بھی چاہے گی تو نہ ہٹا سکے گی بشاید جنبش تک نہ دے سکے گا!
اور پھر جانے اس کے دل میں کیا سمائی۔ وہ چپکے چپکے رونے لگی! اس طرح کہ اس کی کوئی سسکی لبوں سے باہر نہ آ سکی!
وہ اپنے احساس کے خول میں محصور بڑی دیر تک ان کے پیروں پر ہاتھ رکھے بیٹھی رہی اور بڑی دیر سے عاطر اس کے اس پاگل پن کو دیکھ رہے تھے۔ ان کی نیند اور بے خبری تو اسی وقت ٹوٹ گئی تھی جب اس نے ان کے پاؤں چھوئے تھے۔ اُسے یہ اطمینان تھا کہ اب ان کی کراہیں بند ہو چکی تھیں اور وہ گہری نیند سو چکے تھے!
اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ ایک دفعہ بھی اس نے سر اٹھا کر ان کا چہرہ دیکھنے کی مزدور نہ کھی۔
خواب گاہ میں بڑی لطیف اور خواب آور نیلی روشنی پھیلی ہوئی تھی اس روشنی کا حسین دھند میں ملفوف اس کا چہرہ ارضی مخلوق کا چہرہ نہیں لگ رہا تھا یوں لگتا تھا کوئی سماوی حور بے چین دلوں کو راحت پہونچانے کے لئے زمین پر اُتر آئی ہے!
لیکن یہ آئی نہیں۔ لائی گئی ہے۔
عاطر نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ تب کسی گہرے خواب سے ذیرہ نے بھی سر اٹھایا۔ اس کے سفید سفید ستے ہوئے رخساروں پر آنسوؤں کی

لکیریں اب بھی دھیمے دھیمے چمک رہی تھیں!

لیکن. جب اس نے عاطر کو جاگتے اور اپنی طرف دیکھتے پایا تو وہ اپنے آنسو پونچھنا بھی بھول گئی. یکبارگی اتنی کھسیائی اتنی وحشت زدہ ہوئی. کہیں وہ خفا نہ ہو جائیں. وہ انہیں آرام سے سونے بھی نہیں دیتی. آخر کیا وجہ ہے کہ وہ یہاں آکے رونے لگی ہے؟.

اس کے ہاتھ ان کے پیروں پر پتھر ہو گئے. اچانک غیر متوقع طور پر وہ اٹھ بیٹھے. ! نویرہ کا بازو تھاما اور اُسے کانوری گڑیا کی طرح کسی سے اٹھاکر اپنے پاس بٹھالیا. پھر اپنی ایک انگلی سے اس کی ٹھوڑی تھام کر چہرہ اُٹھایا. اور خشک لہجے میں پوچھا.

"کیا بات تھی. رو کیوں رہی تھیں؟ کوئی نیا صدمہ پہنچا ہے نویرہ؟"

"ج. جی ہاں. !"

"صدمہ پہونچا ہے؟"

"ہاں!"

"بتاؤ!"

"یہ. آپ کی بُری حالت. آپ کے زخم. یہ تکلیف. مجھ سے دیکھی نہیں جاتی. مجھے بہت صدمہ ہوتا ہے! بہت رونا آتا ہے مجھے! اور. اور جب سے میں نے سُنا ہے کہ. آپ نے. اپنی وصیّت لکھوادی ہے. تب سے میرا دل اور بھی بے چین رہنے لگا ہے! معلوم نہیں. آپ نے کیوں لکھوائی ہے وصیّت!!."

عاطر کی آنکھیں حیرت و تعجب سے پھیل گئیں! انہوں نے بے حد تعجب سے پوچھا.

"نویرہ۔ تمہاری نفرت میری سمجھ سے باہر ہے تم یہ نہیں سوچتیں کہ میں کتنا برا آدمی ہوں۔ لوگ مجھے آوارہ۔ بدمعاش، بدچلن اور خرابی کہتے ہیں۔ میں نے خود کو اسی حیثیت سے پیش بھی کیا ہے۔ اور۔ اور تمہاری نفرت کے لئے یہی بات کیا کم ہے کہ میں تمہیں تمہارے گھر سے اٹھا لایا ہوں۔ تمہیں ماں سے جُدا کیا ہے۔ تمہارا پورا کیریئر تباہ کیا ہے۔ تمہارا مستقبل میری وجہ سے تاریکی میں جا سویا ہے۔ تمہیں مجھ سے کتنی شدید نفرت کرنی چاہیئے تھی۔ تم تو میری شکل پر نظر بھی نہ ڈالتیں۔ میرے مرنے پر تم کو مسرور ہونا چاہیئے۔ اُس بُرے آدمی نے اپنا بُرا انجام تمہاری آنکھوں کے سامنے بھگتا ہے جس کا وہ مستحق تھا۔ نہ کہ اس کے برعکس تم۔ میری تکلیف و اذیت پر یوں رو رہی ہو۔ جیسے کہ درد مجھے ہے، نہ جھیل تم رہی ہو!"

"آپ کا جسم پتھر کا بنا ہوا تو نہیں ہے"۔ نویرہ نے جواب دیا "میں سوچتی ہوں کہ اگر یہ زخم میرے بدن پر ہوتے تو میرا کیا حال ہوتا۔ اور بس۔ میں بیقرار ہو جاتی ہوں۔ مجھے نیند نہیں آتی۔ میں آپ کو دیکھنے چلی آتی ہوں۔ شاید۔ آپ کسی وجہ سے سو نہ رہے ہوں۔ شاید آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو۔ اور آپ بستر سے اُٹھ نہ سکیں۔ کیا۔ آپ کو میرا یہاں آنا ناگوار لگا ہے؟ آپ مجھ سے خفا ہو گئے ہیں۔ کیا میں یہاں نہ آیا کروں؟"

"نویرہ۔ تم نے مجھے بدل دیا ہے۔ میں اندھیرے سے اُجالے میں نکل آیا ہوں۔" عامر نے ایک سانس لی اور پھر لیٹ گئے۔ آنکھیں بند کر لیں۔ اور آہستہ آہستہ کہنے لگے۔ "شاید تمہارے اس طرح یہاں آنے کا مطلب بھی یہی ہے کہ خدا اسی طرح تخریب سے کسی تعمیر کا سامان پیدا کرے۔ ایک عمارت کھنڈر ہو جاتی ہے۔ اس پر ایک نئی عمارت کی بنیاد رکھی جاتی

ہے! تمہاری دربدری نے ان دو جیتی لڑکیوں کو دربدری اور بربادی سے
محفوظ کر دیا۔ جن کے مقدر میں شاید میرے ہاتھوں تباہی لکھی تھی! تم نے ایک بڑی
قربانی دی ہے نویرہ۔ اور اس کا اجر تم کو مل گیا ہے کہ تم پہلے سے زیادہ باعصمت
باآبرو اور مقدس ہو گئی ہو۔ میں تمہاری پاکیزگی سادگی اور عظمت کو سلام
کرتا ہوں! نویرہ۔ میں سچ مچ بہت خراب آدمی ہوں۔ میری اتنی زندگی
بڑے لہو و لعب میں گذری ہے! لیکن۔ اب۔ اب نہیں گزرے گی۔ میں
نے۔ تمام برائیوں سے توبہ کرلی ہے۔ مجھے۔ خدا کی آنکھیں دکھائی
دی تھیں وہ گھور رہی تھیں مجھے۔ ان میں۔ قہر و غیظ کی بجلیاں کڑک
رہی تھیں۔ اگر۔ میں تمہاری بے حرمتی کا مرتکب ہوتا۔ تو وہ بجلیاں۔
مجھے تبھی پھونک دیتیں۔ اور تب۔ تب میرا جانے کیا حشر ہوتا! میں
نے سنا ہے۔ میرے۔ والد کہتے تھے۔ زندگی بس وہی نہیں ہے۔ جو ہم
اس زمین پر گزارتے ہیں۔ ایک زندگی اور بھی ہے۔ جسے آخرت
کہتے ہیں۔ وہاں آگ ہے۔ خون ہے۔ کھولتا ہوا پانی ہوگا۔ میں کتنے
عیش و آرام کا عادی ہوں۔ میری دولت کا ٹھکانہ نہیں ہے! لیکن
جب میں نے تنہائی میں سوچا تو مجھے پتہ چلا کہ یہ سب دھوکا ہے!
اور بس۔ میرا دل سب سے سرد ہوگیا۔ اب نہ مجھے روپے پیسے کی
پرواہ ہے۔ نہ اپنے عیش و آرام کی۔ میں سوچتا ہوں کہ آخر مجھے بھی
تو اُس خدا کے سامنے جانا ہی پڑے گا۔ اور۔ میں کیا جواب دوں گا۔
نویرہ۔ نویرہ۔ تم مجھے ــــ معاف کر دو۔ شاید وہ آنکھیں۔ جنہیں
۔ قہر و عذاب کی بجلیاں لپک رہی تھیں۔ مجھ پر بند ہو جائیں۔ وہ۔
مجھے ہمیشہ ڈراتی ہیں۔ اور۔ میں سمجھتا ہوں۔ جب تک۔ تم مجھے سچے

دل سے معاف نہ کر دو گی۔ وہ آنکھیں مجھے جلوت و خلوت میں یوں ہی ڈراتی رہیں گی۔ میں اسی طرح۔ پل پل کی موت مرتا رہوں گا! تم نے کیسے کرب سے دُہائی دی تھی۔ اے بی بی سیّدہ مجھے بچا لیجئے۔ تمہیں بی بی سیّدہ ہی کا واسطہ۔ مجھے معاف کر دو۔ نویرہ۔! معاف کر دو مجھے۔۔۔!"

اور اچانک وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے! نویرہ بھی بلک اٹھی عجیب سا وقت تھا وہ بھی۔ روشنیاں جھلملانے لگی تھیں۔۔ ہوائیں جیسے فرطِ مسرت سے تالیاں بجا رہی تھیں۔ آسمان پر صبح صادق کی سپیدی بکھرنے لگی تھی۔ ایک نیا آفتاب ابھرنے والا تھا۔ ایک نئی صبح طلوع ہونے والی تھی!

اور تبھی دُور مسجد سے اذان کی روح پرور و دلکش صدا ابھری اَللّٰہُ اکبر۔۔ اَللّٰہُ اکبر۔۔۔!!!

"مامی!" نادیہ سیّد نے بیگم جعفری کو بہت چپکے سے جگایا۔ "اٹھئے گا نہیں؟ فجر کی اذان ہو چکی ہے۔ میں دیر سے آپ کو جگا رہی ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں آپ کی نماز قضا ہو جائے!"

"اے ہاں۔ جگا دو کیا کو" بڑی اماں بولیں۔ "نماز پڑھ لے۔ پھر اُسے چائے دو۔ نگوڑی کے بدن میں جان آئے تو بتائے بے چاری کہ۔۔ اس میں اتنے لمبے سفر کی طاقت ہے کہ نہیں؟"

"بڑی دیر سے جاگ رہی ہوں امّاں جان؟" بیگم جعفری نے کمزور آواز میں کہا: "مگر اُٹھا نہیں جا رہا ہے۔ میں کہتی ہوں۔ آپ سب کو وکیل صاحب نے بلایا ہے آپ لوگ چلی جائیے! میں جا کے کیا کروں گی۔؟ ایک تو ریل کا سفر ہے دوسرے میرا وہاں کام بھی کیا ہے — ؟"

"کم از کم تمہاری آب و ہوا ہی بدل لے گی۔ رفیعہ!" اقبال صاحب جو غسل خانے سے وضو کر کے آرہے تھے۔ ٹوپی پہنتے ہوئے بولے۔ "میں تو بہت دنوں سے سوچ رہا تھا کہ تمہیں کہیں لے جاؤں۔ اب غیب سے یہ موقع فراہم ہوا ہے تو چلنا ہی چاہیئے۔ کچھ کرنا نہ کرنا کیا؟ تم ہاتھ ہلانے کے بھی قابل رہی ہو۔ بس۔ ہم چل رہے ہیں۔ لہٰذا چلی چلو۔"

ناہید نے ناشتے کی کشتی لا رکھی!

فجر کی نماز کے بعد سب نے ناشتہ کیا اور پھر بڑی امّاں نے اپنی بہوؤں کو حکم دیا کہ اسباب سفر درست کر لیں!

نویرہ کی گمشدگی کے بعد بیگم جعفری کی زندگی کے لالے پڑ گئے تھے۔ کئی دنوں تک وہ مسلسل بیہوش پڑی رہی تھیں۔ ڈاکٹروں تک نے ان کی زندگی سے مایوسی ظاہر کر دی تھی! اور گھر والے بھی دل سے چاہنے لگے تھے کہ اس بدنصیب کا دنیا سے اُٹھ جانا ہی بھلا۔ کیونکہ ان بے چاری کا رونا بلکنا اور بیٹی کا نام لے لے کر پکارنا کسی سے دیکھا نہ جاتا تھا! وہ تو پاگل ہو گئی تھیں۔ ایک رات دروازہ کھول کر گھر سے نکلیں اور اپنے گھر کے صدر دروازے پر جا بیٹھیں۔ صبح کو لوگ ان کی تلاش میں نکلے اور انہیں واپس لائے۔ پوچھنے پر بولیں۔ اس اُمید پر دہلیز پر جا بیٹھی تھی کہ شاید نویرہ آئے اور اپنے گھر کا دروازہ بند دیکھ کر پھر واپس

چلا جائے۔ ان غم نصیب پر ترس آتا تھا! لوگ ان کے ساتھ روتے تھے۔ انہیں تسلّیاں دلاسے دیتے تھے مگر ان کا غم بٹا نہیں سکتے تھے! کیونکہ وہ غم بٹانے والا تھا ہی نہیں!۔

لیکن کب تک۔ وقت ایسا ظالم ہے کہ ہر دکھ اور ہر غم کو بالآخر ہلکا کر کے اس کی شدّت کو بھی کم کر دیتا ہے۔ غم کا اندمال قدرت نے وقت کو نہ بنایا ہوتا تو ہر غم جون کا توں غمدیدہ پر چھایا رہتا!

لوگ مرے کو صبر کر لیتے ہیں۔ زندہ کا صبر نہیں کر سکتے! نویرہ اگر انکی آنکھوں کے سامنے ختم ہوتی تو صبر آجاتا۔ اب اس کی گمشدگی کے ساتھ ساتھ یہ قاتل احساس بھی تو تھا کہ وہ باعزّت نہیں رہ گئی ہوگی! ان دنوں شہر بھر میں عجیب و غریب حادثے ہو رہے تھے۔ کہیں جہیز کی کمی پر بیچاری ناکردہ کار لڑکیاں جو کسی ظالم سسرال کی بہوئیں بن گئی تھیں۔ زندہ جلائی جارہی تھیں۔ کہیں وہ خود ہی تالاب میں گر کر، تیل اپنے پر چھڑک کر خودکشی کر رہی تھیں۔ کہیں نوجوان لڑکیاں غائب کی جارہی تھیں۔ حتّٰی کہ نابالغ بچیّوں کی بھی آبرو ہوس کے کتوں سے محفوظ نہ رہی تھی۔ روز اس قسم کے واقعات اخبارات میں آتے تھے۔ لہٰذا یہ سمجھنے میں کیا مشکل تھی؟ کہ نویرہ بھی کسی لڑکی فروش کتّے کے ہاتھ پڑی تھی اور اس نے نجانے اسے کہاں لے جاکے ٹھکانہ لگایا تھا کہ کنوئیں میں بانس ڈال دئے گئے تھے۔ پولیس کو چوکس کیا گیا تھا۔ ریڈیو تک سے اعلان ہوتے رہے تھے اس کی بازیابی پر دس ہزار نقد انعام مشتہر کرایا گیا تھا لیکن بے سود۔ نویرہ کو زمین نگل گئی تھی۔ آسمان اُچک لے گیا تھا۔ اسے نہ ملنا تھا نہ ملی! بالآخر سب مطمئن ہوئے۔ دلوں پر صبر و ضبط کی سلیں رکھی گئیں۔

آہیں بند ہوئیں۔ اور صرف اس کا نام سب کے دلوں میں زندہ رہ گیا۔ وہ مُردہ قرار دے دی گئی ـــــ!

ناہید اور ثاقب پر بہت دنوں تک عجیب اثر رہا تھا۔ انہیں یقین ہی نہ آتا تھا کہ وہ ایسے کسی جانگسل حادثے سے دوچار ہو چکے تھے۔ ثاقب کو یہ بھی بدگمانی ہو چلی تھی کہ شاید وہ ان سے دائمی رفاقت پر آمادہ نہ تھی۔ تبھی تو یہ انتہائی قدم تھا۔ پھر وہ خود ہی اپنے خیال کی تردید کر دیتے۔ جو لڑکی اپنی کسی پسند ناپسند کا اظہار زبان سے نہ کر سکے وہ ایسا دلیرانہ اقدام کیونکر کر سکتی تھی؟۔ بہرحال وہ تب ہی سے بجھ کر رہ گئے تھے!۔ انہوں نے دل میں پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ اگر نویرہ انہیں نہیں مل سکی ہے تب وہ عمر بھر یونہی رہیں گے۔ ان کی شادی بیاہ کی بات کرتا بھی کون تھا! غرضیکہ بڑی اماں کا گھرانہ ایک عجیب سا مجرمانہ کرب سے گزر رہا تھا گویا نویرہ کی گمشدگی ہی میں ان ہی سب کا ہاتھ رہا ہو!

ناہید کی انہی دنوں شادی ہونے والی تھی۔ طے یہی پایا تھا کہ پہلے ناہید کا بیاہ ہولے پھر ثاقب کی شادی ہو۔ لیکن وہاں تو سارے پروگرام ہی درہم برہم ہو کر رہ گئے! ناہید کا منگیتر احمد جو تلاش معاش کی خاطر کسی خلیج ملک جانا چاہتا تھا۔ وہ البتہ دبی زبان میں کہنے لگا تھا کہ اگر ناہید اس کی کر دی جاتی تو وہ اسے اپنے ساتھ لے جاتا کچھ اسی طرح کا انتظام کر رکھا تھا کہ اس کی بیوی اس کے ساتھ جا سکتی تھی! لیکن ثاقب نے اس سے کچھ مہلت لے لی تھی!

شکیل، عمر اور دوسرے لڑکوں نے دو تین ٹرنک اور لا کر بڑی اماں کے سامنے لا رکھے! وہ وہیں تخت پر گم سم بیٹھی پان کھا رہی تھیں۔

ان کے پچھتر سالہ جھریوں بھرے چہرے پر ایک عجیب سی غم آلودگی [illegible] تھی۔ بے چاری کے ہاتھوں میں رعشہ تھا اور سر بھی ہل رہا تھا! اپنی پوتی کا غم انہیں اندر اندر دیمک کی طرح چاٹ رہا تھا!۔
پان کچلتے کچلتے انہوں نے اپنی ستم رسیدہ بہو کو دیکھا اور پوچھا۔
"بیٹا۔ ممی گولیاں کھاکے طاقت کا عرق پیا!"
اب انہیں کیپسول اور ٹانک کہنا کہاں آتا تھا!
"جی ہاں!" بیگم جعفری نے جواب دیا۔ "ناہید اور عامرہ ساتھ کہاں ہیں۔ میں جان بوجھ کر بھول بھی جاؤں تو وہ دوائیں لے کے سر پہ کھڑی ہو جاتی ہیں۔ لاکھ میں کہوں کہ بی بی اب عذاب سے نجات دو مگر وہ مانتی تھوڑی ہیں۔ امّاں جان۔ آخر آپ مجھے کس لئے زندہ اور صحت مند رکھنا چاہتی ہیں؟"
"بٹیا۔ زندگی آدمی کی خود ایک عذاب ہے۔" بڑی امّاں نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔ "اگر وہ نامُراد خود سے ختم نہ ہو تو اسے آہستہ آہستہ ختم کرنا دوہرا عذاب ہے۔ موت تو اپنے وقت ہی پر پوچھے گی۔ جب تک زندگی ہے کسی پر بوجھ کیا بننا۔ تھوڑے دنوں کی تیمارداری کے بعد لوگ منھ بنانے لگتے ہیں! سمجھیں بہوی ___!"
بیگم جعفری چپ ہو گئیں۔
اتنے میں ان کے بڑے صاحبزادے مسجد سے آ گئے اور ماں کے پاس بیٹھتے ہوئے بولے۔ "میں برابر یہی سوچتا آرہا ہوں۔ امّاں جان۔ آخر آپ [illegible] کو برسہا برس بعد آپ کی یاد کیونکر آ گئی ہے۔ وہ [illegible] معلوم ہوتا ہے۔ وہ آپ کو دیکھے بغیر اب

بےچارے میاں شاکر جب تک انہیں ان کا زبردستی کا حق ادا کرتے رہے۔ چپ رہیں۔ لڑکے نے ماہانہ وظیفہ بند کر دیا۔ تو۔ ان کا منہ کھل گیا!"

"خیر مارئیے گولی۔ ممانی نذیرن کو۔" بڑے صاحبزادے نے کہا۔ "میں آپ سے اپنا یہ اندیشہ ظاہر کر رہا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی پچھلی مخالفت یا دشمنی یہ صاحبزادے زندہ کر دیں۔ بمبئی ہمارے لئے پردیس ہے۔ وہاں ہم کسی کو جانتے ہیں نہ کوئی ہمیں جانتا ہے۔ کوئی قانونی داؤں پیچ آ کے پڑا اگر۔ تو پھر۔ داد فریاد کون کرے گا؟"

"کوئی اپنے گھر بلا کے گلے نہیں کاٹتا۔ اب وکیل کی طرف سے خط اور درخواست ملی ہے تو بہر صورت جانا ہی ہے۔ جو کچھ بھی سامنے آئے گی۔ نپٹ لیں گے۔ مگر چلنا تو ہے۔ وکیل کا خط نہیں۔ اس میں خدا نہ کرے کہ کسی نگوڑی وصیت کا بھی تو تذکرہ ہے۔" بڑی اماں بولیں۔ اور کچھ کانپ سی گئیں۔ "میرا دل تو خدا ہی جانے کہ کبھی سے کبوتر کی طرح پھڑ پھڑائے جا رہا ہے کیا مصیبت آئی ہے۔ اس جوان جہان جان پر کہ وصیت تک تیار کر ڈالی ہے مگر میں بھی خدا لگتی ہی کہوں گی کہ میرا کسی پر کوئی حق ہی نہیں ہے۔ تو وصیت میں میرا نام اور حق کیسا لکھا گیا ہے؟ کیوں افضال میاں۔؟"

ان کے بڑے صاحبزادے افضال حسین جو ماشاءاللہ خود بھی کافی عمر تھے اور دادا نانا بن چکے تھے۔ سر ہلا کے بولے۔ "سچ تو یہ ہے اماں جان کہ یہ سارا معاملہ ہی میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔ ایک طویل مدت سے شاکر صاحب کے صاحبزادے آپ کو اور آپ انہیں مکمل طور سے فراموش کئے ہوئے تھے۔ اب کیا ہوا ہے۔ وہ وصیت میں آپ کو بھی شامل کر رہے ہیں۔۔۔!"

"ارے پہلے تو یہ کہیئے کہ آپ کو یہ تشویش نہیں ہے کہ وہ صاحبزادے بیمار کیا ہیں؟ انہیں اپنے ترکے کے بٹوارے کا خیال اس طرح آیا ہے!"
اقبال صاحب نے کہا۔

"اللہ جانے" بڑی اماں بولیں: "جب سے ہم علیحدہ ہوئے ہیں خدا بہتر واقف ہے کہ میں نے کبھی نہ تو شاکر میاں کا برا چیتا اور نہ ان کے لڑکے کا ــــ!"

"آپ کا گذارہ جو آپ کے سوتیلے صاحبزادے دیتے تھے۔ وہ کب سے بند ہے اماں جان ــــ؟" اقبال صاحب نے پوچھا۔

آرے میرا حق کیا تھا۔ مگر خدا جنت کی کلیاں بچھائے اس نیک بخت کی گور میں۔ اس نے مجھ نصیبوں جلی کا بھی برابر حق پہچانا ــــ"
بڑی اماں یکایک آبدیدہ ہو گئیں: "ہر ماہ پابندی سے تین سو پان ڈلی کے نام سے بھجاتا رہا تھا۔ اور یہ ــــ گذارہ شاید۔ برسوں ہو گئے کہ بند ہو گیا۔ میں نے الٹ کے پوچھا بھی نہیں۔ اللہ نے جو دیا ہے وہ بس ہے۔ کوئی مان کر کے دیدے تو اس کی مرضی۔ اور اگر نہ دے تو گلہ کاہے کا۔ شکایت کیسی!"

"ایک بات بتائیے اماں جان" اقبال صاحب نے پوچھا: "مجھے تھوڑا بہت تو یاد ہے کہ جب ہم بہت چھوٹے تھے۔ تب آپ کے پوتے تو غالباً آپ کے ساتھ رہتے تھے پھر کیا وجہ ہوئی کہ ــــ!"

"اب گڑے مردے کیا کرو گے اکھیڑ کے ــــ جو ہوا سو ہوا۔ یہ تو مجھ ہی پر خدا کی مار پڑی تھی کہ میں نے خواہ مخواہ کا بیر باندھ کے بہو اور پوتے کو الگ کروا دیا تھا۔"

"مگر جائداد کا جھگڑا تھا شاید ۔۔!" افضال صاحب نے کہا
"تم لوگ اتنے ننھے بچے بھی نہ تھے کہ یاد نہ ہو۔ اب بن ناحق کو مجھ
سے کہلواؤ نہیں۔ یونہی سفر کا خیال کر کے اور یہ سوچ کر کہ جانے اس
غریب لڑکے کا حال کیا ہے۔ میرا کلیجہ منھ کو آیا جا رہا ہے! میں کچھ دیر گھر
سیدھی کر دوں گی۔ اب تم لوگ سفر کی تیاری کر دو!" یہ کہہ کر بڑی اماں
کچھ جذباتی کیفیت گئیں اور گویا آنکھیں جھپک کے اپنے ماضی کی وسعتوں
میں لڑکھڑانے لگیں ۔۔۔!

دن ڈھل رہا تھا ۔۔!
لڑکیوں نے جلدی جلدی ٹفن درست کر دیا۔ ٹرنک مقفل کر کے
دالان میں لا رکھے۔ بڑے لوگ کچھ متفکر تھے۔ کچھ مذبذب سے۔ لیکن
لڑکیاں مسرور تھیں اور بمبئی کی سیر کا خیال انہیں آمادہ بہ تبسم کر رہا تھا۔
خدا خدا کر کے دن ڈھلا! اور بڑی اماں گھر کی پرانی نوکرانی حوا جی
کے حوالے اپنا گھر کر کے ٹرین میں بالآخر سوار ہو ہی گئیں ؟۔۔

"ابھی تک تو یہ سوال ایک معمہ اور چیستیاں بنا ہوا ان کے بوڑھے
ذہن میں کنکھجورے کی طرح رینگ رہا تھا کہ ایک طویل عرصہ بعد انہیں
اپنے پوتے کو دیکھنا ہے اور نجانے کس حال میں دیکھنا ہے۔ لیکن اصلی کا تمنا
تو وصیت کا تھا۔ کیسی وصیت۔ اور اس میں ان کا کیا کام ۔۔ ؟!

ٹرین دھاڑتی چنگھاڑتی اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھی۔ ان کے
بیٹے بہو تینوں آپس میں ہنس بول رہے تھے۔ ان کی دانست میں یہ
ایک تفریحی سفر تھا! بیگم جعفری کے لئے تبدیلئ آب و ہوا مقصود تھی لیکن
اپنی تمام گھماؤ رکھتے ہوئے بڑی اماں کے لئے یہ سفر ایک الجھن اور اضطراب

کا باعث بنا ہوا تھا۔۔۔!

وہ جب اسٹیشن پر آترے تو اچانک ایک مہذب اور خوش پوش آدمی اُن سے آٹکرایا۔

کسی نے اُسے پہچانا نہیں وہ کون تھا۔ اس کا نام کیا تھا۔ البتہ اُسی نے اقبال صاحب سے بڑے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

"معاف فرمایئے گا جناب عالی۔ آپ میں کوئی محترمہ بیگم بلقیس زمانی صاحبہ بھی ہیں۔ گستاخی معاف! جب سے ٹرین بمبئی کے اسٹیشن پر رُکی ہے اب تک بیسوں خواتین سے یہ غیر مہذب سوال کر چکا ہوں۔ جواب نفی میں ملا ہے۔"

اقبال صاحب نے مُڑ کر اپنی والدہ محترمہ کو دیکھا۔ بڑی اماں اپنے سفید ٹوپی دار برقعہ میں سر سے پاؤں تک ملفوف شکیل کا سہارا لئے کھڑی تھیں۔ انہوں نے اس اجنبی کا سوال نہیں سنا تھا۔۔۔!

اقبال صاحب ان کے پاس آئے اور جھک کر آہستہ سے بولے۔۔۔

"اماں جان۔۔۔ آپ کو لینے کے لئے اُن صاحب نے غالباً اپنے ملازم کو بھیجا ہے۔ وہ آپ کا نام لے کر ہم سے دریافت کر رہے ہیں کہ آیا ہم میں یہ خاتون موجود ہیں؟ میں ان سے کہہ دوں کہ آپ بمبئی تشریف لے آئے ہیں؟!"

"کہاں۔ کون۔ کدھر۔۔۔!" فرطِ اضطراب میں انہوں نے یہ سوچے بغیر کہ اسٹیشن پر سارا ایک جمِ غفیر کے درمیان کھڑی ہیں۔ برقعہ کا نقاب اُلٹ دیا۔

"ارے ارے!" افضال صاحب کے منہ سے نکلا۔

"کہہ دو کہ میں آ گئی ہوں۔ سوچتے کیا ہو صاحب۔ یہ موئی بمبئی کی گرمی کہ نیچے تلوے سُلگے جا رہے ہیں اور اوپر سے سورج پگھلا رہا ہے!" بڑی اماں بے تاب ہو کر بولیں "کہاں ہے وہ بے چارہ۔ اُن سے کہو۔ لے چلو مجھے!"

چنانچہ اقبال صاحب نے ان صاحب سے کہا۔" جی ہاں۔ جناب۔ وہ محترمہ آگئی ہیں۔ کیا آپ انہیں اپنے ساتھ لے جائیں گے؟ وہ میری والدہ ہیں!"

"اچھا اچھا۔" وہ خوش ہو گیا اور پھر ایک کھسیانی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "میں اس قدر احترام کا مستحق نہیں جناب۔ میں مالک کا خادم خاص ہوں۔ مجھے فیروز کہتے ہیں!"

پھر اس نے بڑے ادب سے باہر کی طرف دونوں ہاتھوں سے اشارہ کیا "تشریف لے چلئے۔ کار باہر موجود ہے!"

اب ان میں یہ سوال اٹھا کہ یکبارگی ان سب کا ناخواندہ مہمان بن کر کسی شریف آدمی کے گھر جا اترنا مناسب تھا کہ نہیں۔ انہیں یہ بات بڑی معیوب لگ رہی تھی! چنانچہ افضال صاحب نے اپنی والدہ سے کہا۔ "آپ ان کے ساتھ جائیے۔ آپ کے ساتھ ہم ساجد کو کئے دیتے ہیں۔ اور ہم فی الحال کسی ہوٹل میں ٹھہرے جاتے ہیں اگر مناسب معلوم ہوا تو پھر آپ ہمیں فیروز صاحب کے ذریعہ بلوا لیجئے گا!"

اقبال صاحب نے مسکرا کر فیروز سے پوچھا۔" آپ کے صاحب نے ہم سب کو لادلانے کے لئے تو کہا نہ ہوگا!"

فیروز بھی مسکرایا: "یہ میں نہیں جانتا جناب عالی، سرکار نے صرف یہ کہا تھا کہ محترمہ بیگم صاحبہ ـــــ!"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔" اقبال صاحب جلدی سے اس کی بات کاٹ کر بولے۔" آپ انہیں اپنے ساتھ لے جائیے۔ اور یہ ساجد ہے۔ ہمارا پرانا خدمت گار۔ یہ بھی ساتھ جائے گا۔ ہم فی الحال امپیریل ہوٹل میں ٹھہرے جاتے ہیں۔ آپ کے صاحب پر بوجھ بننا یوں بھی ہمیں گوارہ نہیں۔ دیر ہو رہی

ہے۔ آپ بیگم صاحبہ کو لے جائیے!"
اتنے میں بڑی امّاں بھی فیروز کے قریب آگئی تھیں۔ نقاب ان کا ابھی تک اُلٹا ہوا تھا۔ فیروز سے پوچھا۔
"شاکر کا بیٹا۔ کیا بیمار ہے۔ میاں! خدا نخواستہ!"
"جی ہاں! ان کی طبیعت کچھ ناساز ہے" فیروز نے کہا۔ "آپ وہیں چل رہی ہیں۔ خود ملاحظہ فرمالیں گی!" صاف ظاہر تھا کہ وہ تفصیل میں جانے سے کترا رہا تھا!
بہرحال دیر ہوئی جا رہی تھی۔ چنانچہ افضال صاحب اپنے قافلہ سمیت ٹیکسیوں کے اڈّے کی طرف بڑھ گئے اور فیروز، بیگم صاحبہ اور ساجد کو اپنے ساتھ لے کر چلا گیا!
راستے بھر ان میں پھر کوئی بات نہیں ہوئی! فیروز ڈرائیور کے پاس تھا۔ بڑی امّاں اور ہونق سا لڑکا ساجد پچھلی نشست پر! وہ تو کھڑکی سے سر نکالے بمبئی کی عالیشان عمارتوں، چوڑی چکلی شفاف سڑکوں اور چمکیلی گاڑیوں کی لمبی قطاروں کو آنکھیں پھاڑے گھور رہا تھا اور بڑی امّاں اتنی لمبی چوڑی بے آواز آرام دہ کار ہی میں بیٹھی بیٹھی حیران ہوئی جا رہی تھیں۔
اور پھر اُن کا ذہن اپنی طلبی کے اسرار میں اُلجھ گیا! وہ چونکیں تو اس وقت۔ جبکہ کار ایک عالیشان اور ترخ لبتہ سے پورٹیکو میں جاکر بڑی نرمی اور آہستگی سے رک گئی تھی! گویا شوفر کو خبر تھی۔ اس کی سواری کوئی بزرگ شخصیت تھی۔ جس کا آرام و ادب اُسے بھی ملحوظ رکھنا تھا!!
جھپٹ کر فیروز اترا اور پچھلا پٹ کھولا۔
"آئیے بیگم صاحبہ!" وہ کہہ رہا تھا، دفعتًا ایک ملازمہ لپک

بھاری بھرکم عورت جلدی سے پورٹیکو میں آئی اور بیگم صاحبہ کو ہاتھوں ہاتھ اپنے ساتھ لے گئی۔
بڑی اماں نے نہ اس سے کچھ پوچھا نہ اس نے کچھ کہا۔
وہ خاموش تھی اور یہ متحیر تھیں۔ اتنا شاندار محل کا محل مکان ہے۔ ہر طرف اتنی قیمتی اور خوبصورت چیزیں بکھری ہیں۔ آخر کتنی بے حساب دولت ہے اس مکان کے مکین کے پاس۔ ان کا اپنا گھر جسے وہ بہت بڑا خوبصورت اور بے مثال سمجھا کی تھیں۔ وہ اس محل کے سامنے گرد ہو کر رہ گیا!
عورت انہیں ایک صاف شفاف اور بے حد سجے ہوئے کمرے میں لائی اور بولی ۔۔۔۔
"آپ طویل سفر کرکے تشریف لائی ہیں۔ تھکی ہوئی ہوں گی۔ سرکار نے فرمایا ہے۔ آپ اگر پسند کریں تو غسل کرکے فی الحال آرام فرمائیں۔ میں آپ کے لئے خاصہ لاتی ہوں۔ پھر پانچ بجے۔ سرکار آپ سے ملاقات کرینگے!"
بڑی اماں کے حواس اور گم ہوگئے۔ ان کے یہاں کا دستور تو یہ تھا کہ جب کوئی مہمان ان کے ہاں بڑی دور سے آتا تھا تو اس کی پیشوائی کے لئے گھر کا گھر ڈیوڑھی میں امڈ آتا تھا۔ نہ کہ یہاں ان میزبان کا کوئی پتہ ہی نہ تھا
کچھ گھبرا کر انہوں نے برقعہ اتارتے ہوئے کہا: "بیوی۔ میں نہ نہاؤں گی نہ کچھ کھاؤں گی! ریل کی گھر گھر سے میرا سر چکرا رہا ہے۔ میں کچھ دیر سوؤں گی! اور ہاں سنو۔ تمہارے صاحب۔ جو نصیب دشمناں بیمار تھے۔ کیسے ہیں؟" بجا ستم تو یہ تھا کہ وہ اپنے سوتیلے بھتیجے کا مشکل سا نام ہی بھول گئی تھیں۔ گھر پہ انہوں نے دماغ کھپایا تھا۔ راستے بھر سوچتی آئی تھیں۔ پر وہ نام اس طرح ان کے ذہن کی گرفت سے باہر بھاگ گیا تھا کہ ہزار کوشش کرنے پر بھی پکڑائی

نہ دیا۔ وہ شرمندہ تھیں! ملازمہ سے نام پوچھنا بھی گوارہ نہ تھا۔

"جی۔ وہ اب کچھ ٹھیک ہیں۔" عورت نے کہا۔ "اس وقت ان کے پاس ڈاکٹر ہیں۔ ورنہ سرکار آپ سے ابھی ملتے! اچھا تو آپ آرام کیجئے۔۔۔!"

"اور سنو۔ وہ نگوڑا لڑکا ساجد جو ساتھ آیا تھا کہاں ہے۔۔۔؟"

"وہ نیچے آؤٹ ہاؤس میں ٹھہرایا گیا ہے۔ آپ اس کی فکر مت کیجئے۔ وہ بھی بہت آرام سے ہے۔"

عورت یہ کہہ کر چلی گئی!

بڑی اماں نے بوکھلا کر سوچا۔ خدا معلوم اس موئے بوکھل کو کہاں جھونکا ہے۔ کہیں گھبرا کر بھاگ نہ نکلے!

پھر وہ بے حد آرام دہ مسہری پر لیٹ گئیں۔ تھکی ہوئی اس قدر تھیں کہ ہزار نہ چاہنے پر بھی بے خبر سو ہی گئیں!

آنکھ کھلی تو پتہ چلا کہ مغرب کا وقت ہو گیا تھا۔ انہوں نے توبہ استغفار کرتے ہوئے تیمم کیا پھر نماز کے لئے حیران ہوئیں۔ جانے قبلہ کدھر ہے۔ مگر ایک طرف منہ کر کے نماز پڑھ ہی لی!

پھر وہی ملازمہ پردہ سرکا کر اندر آئی۔

"آپ جاگ گئیں بیگم صاحبہ؟۔ میں چائے لاؤں آپکے لئے؟"

"اچھا بیوی لے آؤ!"

"میرا نام سوسن ہے۔ بیگم صاحبہ!" وہ مسکرائی۔

"سوسن؟" بیگم صاحبہ بے ساختہ چونک پڑیں۔ "ارے۔ تم سوسن ہو۔ سچ کہو۔ جب تم اللہ بخشے سمیعہ کے ساتھ اس کے میکے سے آئی ہو تو۔۔۔ میں نے تو تمہیں پہچانا ہی نہیں۔۔۔!"

"جی ہاں۔ زمانہ بھی تو آگے بڑھ گیا ہے۔ بیگم۔ چالیس پچاس برس تو ہو ہی چکے اب میری عمر ساٹھ باسٹھ سے اوپر ہی ہے!" سوسن مسکرائی۔"آپ بھی سن سفید ہو رہی ہیں۔ مگر میں نے آپکو فوراً پہچان لیا تھا۔ مگر چپ تھی کہ دیکھوں آپ کو میں یاد آتی ہوں کہ نہیں!"

"سوسن! خدا کے لئے۔ مجھے لڑکے کے پاس لے چلو!" وہ بے تاب تھیں۔

"سرکار تو کئی مرتبہ آپ کو پوچھ چکے ہیں۔ پتہ چلا کہ آپ سو رہی ہیں تو کہا کہ آپ کو بیدار نہ کیا جائے۔ آپ چائے پی لیجئے۔ تو پھر۔ میں انھیں اطلاع دے دوں گی۔!"

یہ کہہ کر وہ چلی گئی۔

اور جب وہ پانچ ہی منٹ بعد واپس آئی ہے تو اکیلی نہیں آئی۔ اس کے ساتھ ایک بڑا بارعب، باوقار، قد آور اور خوبصورت جوان بھی تھا! بڑی اماں کی آنکھیں تارہ بن کر اس پر لگ گئیں۔

"شاکر۔!" ان کے لب ہلے! پھر وہ گڑبڑا گئیں۔"تم۔ مگر شاکر۔ کہاں۔!؟"

وہ ان کے سامنے جھکے۔ بڑے ادب سے سلام کیا۔ اور بے حد دلپذیر لہجے میں بولے۔

"جی۔ شاکر نہیں۔ خادم کو محمد عاطر کہتے ہیں۔" وہ مسکرائے۔"سب کا یہی خیال ہے کہ مجھ میں اور ڈیڈی میں بڑی مشابہت ہے۔!"

سوسن چائے بنانے لگی۔!

"بیٹے۔ میرے پاس بیٹھ جاؤ۔!" بڑی اماں کی بوڑھی آنکھوں میں

دھندلے دھندلے آنسوؤں کا ہجوم اکٹھا ہو گیا تھا۔ اور پھر وہ ہجوم اُن کے شکن در شکن گالوں پر بہہ نکلا ـــ! ان کو توقع نہیں تھی۔ وہ اپنے پھیلائے ہوئے پوتے کو اس عالم میں دیکھیں گی! اونچا پورا قد و قامت، چوڑی چکلی پیٹھ۔ شاندار سینہ، چہرہ اتنا پُر کشش کہ پہلی ہی نظر سینکڑوں بلائیں لے کے ہٹے ـــ! پیشانی سے علمیت و متانت ہویدا۔ خوشنما ناک، عنابی لب، جن پر گھنی مونچھیں۔ جو چہرے کے وقار میں اضافہ کر رہی تھیں!

سفید جھاگ ایسا لمبی آستینوں کا کُرتہ اور بڑے بڑے پائینچوں کا سفید پاجامہ ـــ! اس پر کروشیا کی ٹوپی منڈھی تھی! پیروں میں بالکل معمولی سی چپل ـــ لگتا ہی نہ تھا۔ اس شاندار کوٹھی اور اس قیمتی ساز و سامان کا مالک یہی آدمی تھا!

رونے دھونے اور مختصر سی طویل ملاقات اور تعارف کی [illegible] ادا ہو چکی تو بڑی اماں نے پوچھا۔

" میاں۔ اللہ کا لاکھوں بار احسان ہے کہ تمہیں تندرست اور صحت مند دیکھ رہی ہوں۔ پھر تم نے نصیب اعدا اپنی بیماری اور میرے منہ میں خاک وصیت نامہ کا خط لکھوا کے وکیل سے کیوں بھجوا دیا تھا۔ سچ جانو کہ میرے دل میں تو پنکھے لگ گئے تھے ـــ!"

"جی ہاں۔ بیمار ہو گیا تھا۔ اب آپ کی دعاؤں سے ٹھیک ہوں" وہ مسکرائے۔ مگر اس مسکراہٹ میں طنز کا شائبہ نہ تھا۔ انہوں نے اپنے زخمی ہو جانے کا حال ہی نہیں سُنایا۔

" بیٹے۔ مگر پندرہ بیس برس بعد یہ دادی کیوں یاد آ گئی۔ تمہیں میرا پتہ ہی کیا معلوم تھا؟" بڑی اماں نے پوچھا۔ دل ہی سے انہیں یہ کرید لگی تھی۔

وہ ان کے سامنے کرسی پر بیٹھے تھے۔ اپنی انگلیوں میں انگلیاں الجھائے ہوئے! نظریں فرش پر تھیں! اس سوال پر پلکیں اٹھائیں اور بے حد سنجیدہ لہجے میں جواب دیا۔

"جی بیگم صاحب۔ میں جب بیمار ہوا تو مجھے ڈر لگا تھا کہ کہیں ایسا تو نہیں ہوگا کہ میں حقداروں کو ان کا حق دیئے بغیر دنیا سے چل دوں۔ جب میں کسی قدر روبصحت ہوا تو خود میں نے ڈیڈی کے ذاتی کاغذات کی تلاشی لی تھی۔ ان میں مجھے بہت سے نام ملے۔ اور محترمہ۔ سب سے اوپر۔ مطلب یہ کہ سرفہرست ڈیڈی کی والدہ محترمہ بلقیس زمانی بیگم صاحبہ ـــ یعنی آپ کا نام نامی دکھائی دیا۔! مجھے پتہ چلا کہ درج فہرست افراد کو ڈیڈی کی موت کے بعد سے وظیفے یا امداد جاری نہیں ہوئی ہے۔ دراصل یہ میری غفلت تھی! میں نے اپنے مددگاروں سے سب کے موجودہ پتوں پر خط روانہ کئے! جو افراد حیات تھے ان کے جواب مجھے مل گئے۔ جن میں خدا کے فضل وکرم سے آپ کا جواب بھی تھا۔ یعنی میرے جوابی رجسٹری خط پر آپ کی دصولیابی کے دستخط تھے۔ میں بہت خوش ہوا۔ اور فوری آپ کو زحمت دی! معاف فرمایئے گا۔ مجھے خود حاضر خدمت ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن تب کام اتنا بسہولت نہ ہوتا۔! مجھے بے حد افسوس ہے کہ آپ کو ایک طویل سفر کرنا پڑا۔ لیکن خوشی بھی بے حد ہے کہ ابھی میرے سر پر آپ کا مہربان سایہ سلامت ہے!"

"کیا سعادت مندی ہے۔ کیا لیاقت ہے۔ بڑی اماں دل ہی دل میں ہزار ہزار بار عش عش کر رہی تھیں! بے اختیار ان کی بلائیں لے کر بولیں ـــ۔

"میاں۔ جیئو۔ سلامت رہو۔ زندگی کا سکھ چین دیکھو۔ تم سے ملی اور ساری کلفت دُور ہو گئی۔ !بیٹے۔ تم اکیلے رہتے ہو۔ اللہ رکھے تمہاری دلہن اور ماشاء اللہ بچے بالے۔ یہ سب کہاں ہیں ـــ ؟"

انہوں نے پھر سر جھکالیا۔ چہرے پر ایک سایہ سا محیط ہو گیا۔ چپکے سے بولے۔

"جی۔ بیگم صاحبہ۔ میں نے شادی نہیں کی !"

"ہئے ہئے ! تمہارا نصیب ـ" بڑی اماں بولیں۔ "آگے پیچھے کوئی ہوتا تو یہ ارمان بھی نکالتا۔ مگر بیٹے۔ یہ تم مجھے بار بار بیگم صاحبہ کیوں کہہ رہے ہو۔ مجھے دادی ہی کہا کرو بیٹے۔ جیسے سب بچے کہتے ہیں !"

"جی بہت اچھاـــ !" وہ اٹھنے لگے۔ "اب میں چلتا ہوں۔ آپ رات کے کھانے میں کیا لیں گی۔ میری ملازمہ کو بتا دیجئے۔ پھر آپ آرام کیجئے۔ صبح کو انشاء اللہ پھر بہت سی باتیں کریں گےـــ ! اب مجھے اجازت دیجئے۔" وہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

"میاں تم سے ملی۔ ایک دنیا سے مل لی۔ اب مجھے بھی اجازت دو۔" دادی اماں گڑگڑا کر بولیں۔ "میں بھی اللہ نے چاہا تو پھر صبح کو چلی آؤں گی۔"

"جیـــ ؟ آپ کہاں جا رہی ہیں۔ کیا یہاں آپ کو خدانخواستہ کوئی تکلیف ہے ؟" وہ تعجب سے بولے۔

"نہیں بیٹے۔ تمہارا گھر تو جنت ہے۔" دادی بولیں۔ "وہ بات یہ ہے کہ میں یہاں آ رہی تھی تو بمبئی دیکھنے کے لالچ میں اور یہاں کی سیر کرنے کے لئے میرے دونوں لڑکے، بہوئیں اور پوتے نواسیاں سب ہی ساتھ لگے چلے آئے ہیں۔"

"تو وہ سب کہاں ہیں۔ آپ نے انہیں کہاں چھوڑا؟" وہ حیران تھے۔
"تب بیٹے وہ سب امپیریل ہوٹل میں ہیں۔ کہہ رہے تھے کہ اچھا نہیں لگتا کہ سارا قافلہ تمہارے ہاں اتر پڑے! اس لئے ادھر ٹھہر گئے ہیں۔"
دادی ہنس کر بولیں۔
"امپیریل ہوٹل میں؟" انہوں نے پھر پوچھا۔
"ہاں۔ میاں!"
"اچھا۔ آپ رات بھر یہاں آرام فرمائیے۔ صبح ہی کو میں ان سب کو یہیں بلوائے لیتا ہوں۔ اچھا۔ دادی اماں محترمہ۔ شب بخیر!!"

نویرہ کو سوسن سے پتہ چلا کہ صاحب کی دادی محترمہ تشریف لائی ہیں۔ لیکن اسے کسی کی دادی نانی سے سروکار کیا تھا۔ وہ ان کے سامنے بھی نہیں آئی اور عاطر نے بھی اس تک یہ اطلاع نہیں پہونچائی۔ نویرہ اپنے کمرے سے باہر ہی کب نکلتی تھی۔ لیکن ہوا یہ کہ غیب سے اُسے دادی اماں کا جلوہ نظر آ گیا۔ صبح ناشتے کے بعد عاطر انہیں اپنا گھر دکھاتے پھر رہے تھے وہ دونوں اس کے کمرے کے سامنے سے گزر گئے۔ دادی اماں بے حد خوش نظر آ رہی تھیں۔ عاطر بھی خوش ہی تھے۔ دونوں ہنستے ہوئے راہداری کے موڑ پر نظروں سے اوجھل ہو گئے۔
اور نویرہ کو جان کنی کے عالم میں چھوڑ گئے!
وہ بے شدھ ہو کر فرش پر بیٹھ گئی اور اپنا قابو سے باہر ہوتا ہوا دل

تھام لیا اس کی سمجھ میں یہ نہیں آرہا تھا کہ یہ تو اس کی اپنی دادی تھیں۔ جاجلال جوہری مرحوم کی والدہ ماجدہ۔ پھر یہ عاطر کی دادی کیوں ہوگئیں!

"نویرہ۔۔!" دروازے پر عاطر کی آواز گونجی۔ وہ یوں لب بستہ تھا شبہ کھڑی ہوگئی جیسے فوراً بھاگ نکلنے کی پوز میں آگئی ہو۔

"یہ کیا۔۔ کیا بات ہے۔ تم اتنی دہشت زدہ کیوں ہو۔" عاطر نے پوچھا۔

"وہ۔ بڑی بی کون تھیں۔ آپ کے ساتھ؟" نویرہ ہکلائی۔ "انھیں میرے پاس نہ لائیے گا۔ آپ کو خدا کا واسطہ دیتی ہوں!"

"ہاں۔۔ وہ میری دادی ہی تھیں۔" وہ مسکرائے۔ "دادی کی بات کا سمجھو۔ میں تو سگے سوتیلے رشتوں کا قائل نہیں۔ کیوں۔ تم کیوں پریشان ہو؟ ان سے نہیں ملو گی۔۔"

"نہیں نہیں۔ مجھے ڈر لگتا ہے۔ کتنی سفید پلکیں ہیں ان کی۔" نویرہ بولی۔

"ڈرتی ہو تم۔۔؟ بہت اچھا۔ جیسی تمہاری مرضی۔ ان سے نہ ملنا! لیکن نویرہ سنو تو۔" عاطر نے کہا۔ "تم ان سے کب تک چھپی رہو گی۔ ان کا قیام تو شاید یہاں طویل ہو جائے۔۔!"

"کیوں!" عجیب سے بدحواس لہجے میں نویرہ نے پوچھا۔

"کچھ معاملہ بٹوارے وغیرہ کا ہے۔" عاطر نے جواب دیا۔ "وہ معاملہ بخیر و خوبی طے ہو جائے تو پھر۔ لیکن۔۔ وہ ہوا یہ ہے کہ۔۔ محترمہ دادی صاحبہ اپنے پورے کنبے سمیت بمبئی کی سیر کے لئے تشریف لے آئی ہیں۔ ان کے دوسرے اعزہ امپیریل ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ میں نے فیروز اور سوسن کو بھیجا ہے کہ انھیں بھی یہیں لے آئیں۔ آخر وہ سب کسی نہ کسی صورت سے میرے رشتے دار بھی تو ہوئے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میرے

چچا صاحبان وغیرہ اس غریب خانے کے ہوتے کسی ہوٹل میں ٹھہریں۔"
نویرہ کی آنکھیں یوں پھیلیں جیسے حلقوں سے نکل آئیں گی۔ پھر دفعتہً وہ لڑکھڑائی اور بے ہو کر فرش پر گر گئی۔
عاطر کے لئے اس کی یہ دہشت عجیب تھی! وہ ہوش میں آگئی مگر یوں لگ رہا تھا جیسے دفعتہً حواس ہی کھو بیٹھی ہو۔
اس نے بے قابو ہو کر عاطر کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں جکڑ لیا۔ اور سسکتی ہوئی گڑگڑائی۔
"جب تک آپ کے لوگ یہاں رہیں گے آپ میرا انتظام کہیں اور کر دیجئے۔" وہ بُری طرح گھگھیائی اور ان کے ہاتھ پر اپنی پیشانی ٹیک کر رو پڑی۔
میں تمہاری گھبراہٹ کی وجہ نہیں سمجھ سکا۔ نویرہ۔" عاطر بھی گھبرا گئے۔ کیا ہو گیا تھا اسے۔ ان کے درجنوں عزیز آتے۔ جب تک ان کا دل چاہتا رہتے۔ اس میں نویرہ کی بوکھلاہٹ کی کیا بات تھی؟۔
"وہ لوگ کیا کہیں گے۔" بالآخر نویرہ نے ایک کمزور سی تاویل پیش کی۔ آپ سے میرا کیا رشتہ ہے۔ میں کون سے حق سے آپ کے پاس رہ رہی ہوں۔ ان کی معنی خیز نظروں کا نشانہ بننے سے یہ بہتر ہے کہ میں۔۔۔!"
"نویرہ۔۔۔!" دفعتہً عاطر نے تیوری بدل لی اور سخت لہجے میں کہا۔ "میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ پچھلی ساری واہیات باتیں بھول جاؤ اور پھر کبھی ان کا تذکرہ زبان پر مت لاؤ۔ میں تمہیں ہرگز کہیں نہیں بھجواؤں گا۔ آنے دو ان سب کو۔ میں ان سے تمہارا تعارف کراؤں گا۔ کہوں گا۔ یہ نویرہ ہے۔ میری ماں ہے۔ میری بہن ہے۔ میری بیٹی ہے۔ اور پھر میں دیکھوں گا کس کی

معنی خیز نگاہ تم پہ پڑتی ہے۔ تم عاطر کو اب بھی موم نہ سمجھو۔ اس بدطینت کو اب بھی نیست و نابود کرنے کی طاقت رکھتا ہوں جو تم پر معنی خیز نظر ڈالے۔ سمجھیں ۔۔۔!"

وہ سانس روکے کھڑی رہ گئی۔ آگے کی راہ اس کے لئے مسدود ہو چکی تھی۔ عاطر اب بھی اتنے ہی سخت گیر تھے! وہ چلے گئے اور نوریرہ نے اُس اونچی الماری کے پاس پہونچ کر سر جھکا دیا۔ جس پر قرآن پاک رکھا ہوا تھا۔!

اس کے دماغ میں آج ایک مرتبہ پھر انجن چلنے لگے! وہ پھر ہوش کھونے لگی۔ اگر سبھی لوگ چلے آئے ہیں تو پھر ان میں۔ اس کی امی بھی ہوں گی۔ اگر ابھی تک وہ زندہ ہوئیں۔ اگر اس کی اندوہناک جُدائی نے انہیں ختم نہ کر دیا ہو جب وہ زیادہ پاگل ہونے لگی تب الٹا سیدھا وضو کیا اور کلام پاک لے کے بیٹھ گئی! لیکن اپنے اعصاب پر قابو نہ پا سکی۔ رہ رہ کر یوں اس کا نازک سا جسم تھر تھرا اُٹھتا جیسے تیز ہوا کا جھونکا جوہی کی ٹہنی پر چلے اور اُسے اوپر سے نیچے تک کپکپا کر رکھ دے۔

دن کے کوئی گیارہ بجے تھے تب اس نے عاطر کے ساتھ کئی اور مانوس آوازیں سنیں جو مدتوں سے وہ بھول چکی تھی۔ کلام پاک اس کے ہاتھوں سے پھسلنے لگا۔ بصد دقت اس نے اسے جزدان میں لپیٹا اور کانپتے ہاتھوں سے الماری پر رکھ دیا۔

صبح اس نے مارے وحشت کے ناشتہ بھی نہیں کیا تھا اور اب اس کا یہ حال تھا کہ جیسے رگ رگ سے جان نچڑ رہی تھی۔ آنکھوں کے سامنے رنگ برنگی ترمرے ناچ رہے تھے!

"اللہ تو مجھے جلد سے جلد اپنے پاس بُلا لے۔" اس نے آسمان کی طرف

دیکھا اور بڑی طاقت سے دعا مانگی! پھر اس نے صوفہ سے ٹیک لگالی اور آنکھیں بند کرلیں۔ اسے کچھ ہوش نہ رہا۔ وہاں کیا ہوا۔ کیا نہ ہوا۔ گہری غفلت اس پر طاری ہو چکی تھی!

عاطر تو بظاہر یوں لگ رہے تھے جیسے بھولے بسرے سہارے ہوں۔ انہوں نے بڑی گرمجوشی اور خندہ پیشانی سے اپنے عزیزوں کا استقبال کیا تھا۔ ملازموں کو کمرے درست کرنے کا حکم دیا تھا۔ خانساماں اور باورچی کو اعلیٰ پیمانے پر دعوت کا سامان تیار کرنے کا آرڈر ملا تھا!

وہ سب بڑے دیوان خانے میں بیٹھے گفتگو کر رہے تھے! اگر عاطر نے اپنے دادا دادی کے "رشتے داروں" کو پسند کیا تھا تو وہ سب بھی عاطر سے بے حد خوش معلوم ہو رہے تھے! ان کے مہمان بڑے مسرور اور متحیر سے کوٹھی کے در و دیوار اور ساز و سامان کو دیکھ رہے تھے!

بیگم جعفری جو ہنوز بیمار اور مضمحل معلوم ہو رہی تھیں۔ ایک آرام دہ دیوان پر لیٹ گئی تھیں!

عاطر الگ تھلگ دیوان پر بیٹھے پہلے تو سب کی باتیں سنا کئے پھر بولے "جناب میں چاہتا ہوں کہ آپ حضرات بمبئی کی سیر و تفریح بعد کو کریں۔ پہلے وہ معاملہ صاف ہو جائے جس کے لئے میں نے دادی اماں محترمہ کو یہاں تک آنے کی زحمت دی ہے۔۔۔!"

"بھائی عاطر صاحب! ہمیں آج تک یہی معلوم نہ ہو سکا کہ آپ ہمارے اپنے بھتیجے یعنے ہمارے اپنے ایک بھائی کے صاحبزادے بمبئی ہی میں موجود ہیں۔۔۔" افضال صاحب نے کہا۔ "نہ آپ کی دادی اماں ہی نے تذکرہ کیا اور نہ کبھی اس سے قبل آپ ہی نے کچھ لکھا۔ کیا آپ کبھی حیدرآباد نہیں گئے؟"

"کئی بار گیا ہوں جناب!" عاطر نے جواب دیا۔ انہیں دفعتہً منیر رباب کا خیال آیا اور ان کا چہرہ یکبارگی سرخ ہو گیا۔ پھر انہوں نے کہا: "ان رشتے ناطوں کے بارے میں آپ کو دادی اماں ہی بتا سکیں گی۔ مجھے تو صرف اپنے والد صاحب کے کاغذات سے پتہ چلا تھا کہ اُن کی ایک ــ معاف کیجئے گا۔ میری گستاخی اور صاف گوئی کو ــ ان کی ایک سوتیلی والدہ حیدرآباد میں موجود اور حیات ہیں۔ لہٰذا میں نے سوچا انہیں زحمت دینا اور ان کی قدمبوسی کرنا میرا فرض ہے۔ اسکے علاوہ والد صاحب کے اصول کے مطابق۔ دادی اماں کا کچھ تھوڑا بہت قرض مجھ پر واجب الادا ہے۔ جیسا کہ آپ بھی جانتے ہیں قرض کا جلد ادا کرنا بھی ایک فرض ہے۔ تو۔ آپ فرمائیے تو پہلے اسی مرحلے کو طے کر لیا جائے!"

"قرض؟" دادی اماں اچانک پر جوش ہو گئیں۔ "میں تیرے باپ کی ایک کانی کوڑی بھی نہیں لوں گی۔ قبر میں پیر لٹکائے بیٹھی ہوں اللہ مجھ سے پوچھے گا نہیں۔ تو نے اپنی ناکردہ کار بہو اور دس برس کے معصوم بچے پر ستم کے پہاڑ ڈھادئے۔ انہیں دربدر کر دیا اور اسی نیک پاک جان کی جوتیوں کا صدقہ کھانے چلا ہے۔ یہ شاکر میاں کی سعادت مندی اور حق شناسی تھی! جو اس نے میرا حق پہچانا اور ہمیشہ مانا۔ مگر اب میرا فرض ہے کہ وہ ساری رقم جو بھی نگوڑی بنتی ہو۔ اُسی کی روح کے نام پر مساکین میں بانٹ دوں! میں نہ لوں گی میاں ایک پیسہ بھی!"

"کیا قصہ تھا وہ اماں جان ــ؟" افضال صاحب نے پوچھا۔

"قصہ کا ہے کا" دادی اماں دفعتہً رو پڑیں۔ "مجھ نامراد نصیبوں جلی کی کمینگی۔ شقاوت اور سنگدلی کی کہانی ہے۔ سچ ہے۔ ناانصاف لوگوں کو یونہی چار کے درمیان ذلیل ہونا پڑتا ہے۔ اے بیٹے۔ قصہ یہ تھا کہ شاکر سات

آٹھ سال کا تھا تمہارا سوتیلا بڑا بھائی۔ جب اس کی ماں گزر رہی تھی تب اس کے باپ کی بیوی بن کر میں ناشاد گھر میں آئی۔ شاکر سے" انہوں" نے کہا۔ "بیٹے دیکھو۔ یہ ہیں تمہاری نئی امّاں"۔ لیکن بچہ تو بچہ۔ اپنی ماں کی شکل وہ بھولا تھوڑی تھا۔ اس نے مجھے ماں کے روپ میں قبول نہ کیا۔ میری صورت پر اس کی نظر پڑی ہی تھی کہ وہ چیخ اٹھا۔
"نہیں۔ یہ میری ماں نہیں ہیں۔ میں انہیں کبھی امّاں نہیں کہوں گا۔"
بس اس کا لہجہ میرے دل کے آر پار ہو گیا۔ میں نے بھی اسے اپنا بیٹا نہیں سمجھا۔ اس پر ظلم کئے اور ایک دن اسے گھر سے نکال دیا۔ افضال۔ تم پیدا ہو چکے تھے مجھے کسی اور کی اولاد کی ضرورت بھی کیا تھی۔ جو مجھے ماں نہ سمجھے شاکر روتا ہوا چلا گیا۔ پھر مجھے اس کا پتہ نہ چلا۔ میں نے اپنے شوہر کے استفسار پر جھوٹ کہدیا کہ وہ مجھ سے بگڑ کر چلا گیا ہے۔ مرحوم کو بہت صدمہ ہوا۔ اس کی تلاش میں بہت بے چین رہے تھے۔ لیکن وہ بمبئی کب پہنچا کب اللہ نے اسے روزگار سے لگایا۔ اس نے اپنی زندگی کس طرح گزاری۔ مجھے کچھ نہیں معلوم۔ پھر۔ میرے یہاں اپنے بچے ہوئے۔ زمانہ آگے بڑھتا گیا۔ تمہارے باپ ختم ہو گئے۔ ایک دن اچانک شاکر کا خط ملا کہ وہ یہاں ہے۔ اور اب اس کا بڑا کاروبار ہے اگر میں چاہوں تو اس کے پاس چلی آؤں۔ لیکن میں کیوں اس کا احسان لیتی۔ جسے میں نے خود در بدر کیا تھا۔ میں تو شرمندہ تھی۔ اس کی شرافت البتہ قابل تعریف تھی۔ اس نے مجھے ہمیشہ میرا حق دیا۔ لیکن اب اس کے بعد میرا کون سا منھ ہے جو اس کے بیٹے سے میں اپنا قرض لوں۔ وہ قرض ہے بھی کہاں ــــ؟"
یہ کہانیاں ہر گھر میں جنم لیتی ہیں۔ دادی امّاں۔" عاطر نے بڑے غیر اہم

لہجے میں جواب دیا: "جو قصہ آپ نے سنایا ہے۔ وہ ہم میں سے کسی کو معلوم نہ تھا۔ آپ نے ناحق معلوم کرایا۔ خیر۔ وقت گیا۔ لوگ گئے۔ اور بات گئی۔ والد صاحب مرحوم کے اور آپ کے کیا روابط تھے۔ یہ آپ ہی جانیں۔ میں تو ان کی روح کے بوجھ کو ہلکا کرنا چاہتا ہوں۔ جن افراد کا کچھ بقایا تھا وہ میں نے جیسے ادا کیا ہے اسی طرح آپ کا بھی ادا کر دوں گا۔ آپ اس کا کیا مصرف کیجئے گا یہ آپ جانیئے۔ پندرہ سال اور سات ماہ کا بقایا آپ کا کم و بیش بیاسی ہزار روپیہ میرے پاس ہے۔ آپ جس طرح منظور کریں۔ میں آپ کی خدمت میں پیش کر دوں۔ چیک یا زرِ نقد!!"

"بَب۔ بیاسی ہزار ——" آواز دادی اماں کے حلق میں اٹک گئی۔

"عاطر میاں۔ کچھ مجھے بھی بولنے دو!" افضال صاحب نے کہا۔ بے حد شرمندگی محسوس کر رہے تھے!

"فرمایئے۔ جناب عالی!" عاطر مسکرائے۔

"اس قسم کا تذکرہ خدارا مت کرو۔ ہم تمہارے پاس سبک اور خفیف ہونے نہیں آئے —!" افضال صاحب نے کہا۔

"بخدا۔ میری یہ مجال نہیں۔ میں تو —" عاطر کچھ بولنے چلے تھے کہ دادی اماں نے بات کاٹ دی۔

"اچھا۔ میں نے وہ رقم لے لی۔ اور اب تم کو واپس کرتی ہوں۔ میرے سفید بالوں کا تم کو واسطہ۔ پھر کبھی اس طرح کا حساب کتاب نہ کرنا!"

عاطر چپ ہو گئے!

دو لمحوں کی اعصاب شکن خاموشی کے بعد اقبال صاحب نے کہا "اچھا تو اب ہمیں اجازت دو۔ ہمارا مقصد دراصل یہاں کی تفریح تھی اور کچھ

ان کی بحالیٔ صحت کے لئے آب و ہوا کی تبدیلی" انہوں نے بیگم جعفری کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

"میں دریافت کرنا بھول گیا" عاطر نے کہا۔ "آپ کو کیا تکلیف ہے؟"

وہ کیا بتاتیں۔ کیا تکلیف ہے۔ چپکے سے بولیں۔

"اختلاج بڑھ گیا ہے۔"

ملازم نے اطلاع دی کہ امپیریل ہوٹل سے باقیماندہ اصحاب بھی آگئے ہیں۔ عاطر نے انہیں بھی بلوالیا۔ ثاقب، شکیل، عمر، عرفان، ناہید اور عامرہ وغیرہ تھے۔ سب بے حد گرم جوشی اور رکھ رکھاؤ سے ملے!

ان کا تعارف کرایا گیا۔

اور ثاقب سے مصافحہ کرتے وقت عاطر بے ساختہ چونک پڑے۔

ثاقب۔ ثاقب۔ کون سے ثاقب۔! ان کی ہتھیلیاں یکبارگی بھیگنے لگیں۔

اور کانوں میں سائیں سائیں گونجنے لگی۔

نویرہ ان کے ذہن کی گہرائی میں بھیگی سسک رہی تھی۔

"میرا ددیہالی خاندان بہت بڑا ہے۔ میری دادی۔ چچا۔ پھوپھیاں بہت سے لوگ ہیں میرے کنبہ میں۔

"جس رات میری تقدیر پھوٹی ہے اس کے دوسرے ہی روز میری منگنی میرے پھوپھی زاد بھائی ثاقب سے ہونے والی تھی۔"

"تو کیا۔" وہ پاتال میں اترنے لگے!

یہ ثاقب، نویرہ کے منگیتر ہی تو نہیں ہیں۔ اتنا کنبہ کتنا بڑا ہے۔

اور یہ میری دادی اماں ـــــ!

ان کے ذہن میں بجلی کے جھماکے ہونے لگے!

اسی لئے نویرہ اس قدر بدحواس ہو گئی ہے۔ اس نے دادی امّاں کو دیکھا ہے! تو کیا یہی اس کی بھی دادی ہیں؟

میرے خدا۔ کیا وہ میرے سوتیلے چچا کی لڑکی ہے ؟

ان کا سارا جسم ٹھنڈے پسینے میں تر ہو گیا! اور دل اچانک زور زور سے دھڑکنے لگا۔!

اگر ان کا خیال صحیح نکلا۔ اگر ان لوگوں نے نویرہ کو یہاں دیکھ لیا۔ اگر انہیں پتہ چل گیا کہ نویرہ کے اغوا میں ان کا ہاتھ ہے۔ تو پھر۔ کیا خودکشی ہی مقدر ہو کے نہیں رہ جائے گی!؟۔

لیکن وہ بڑے مضبوط اعصاب کے مالک تھے کسی دشوار ترین معاملہ پر فوری قابو حاصل کر لینا ان کے لئے دشوار نہ تھا۔ لہٰذا انہوں نے براہ راست ثاقب سے پوچھا۔

"میں نے کسی سے سُنا تھا کہ آپ کی منگنی ہو چکی ہے۔ پھر بمبئی کی سیر کرانے کے لئے آپ اپنی منگیتر کو نہیں لائے۔ ثاقب صاحب؟"

ثاقب کا چہرہ دھواں ہو گیا۔

سب چپ ہو گئے۔

بیگم جعفری نے آہ بھری!

اب ان کا شبہ یقین کے درجے تک کیوں نہ پہونچتا۔ بے پناہ صدمہ اور دُکھ کے ساتھ ساتھ عاطر کو بے حد خوشی بھی تھی۔ وہ ان سب کو ایک لازوال مسرّت بخش دیں گے!

"کیوں۔ آپ سب یکبارگی چپ کیوں ہو گئے؟" عاطر نے پوچھا "معاف کیجئے گا۔ اگر میں نے کوئی غلط بات کہدی ہو!"

"جی نہیں۔ جی ہاں۔ وہ" ثاقب ہکلانے لگے۔
"مرگئی اس کی منگیتر ــــ اسی رات کو مرگئی بدنصیب۔ جس کی صبح کو اس کی منگنی تھی" اچانک بیگم جعفری بول پڑیں۔ اور ساتھ ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے بھی لگیں ــــ ؟
ایک سناٹا سا سب پر چھا گیا!
عاطر ان کی طرف گھومے۔ اور ان کے سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ وہی نویرہ کی ماں تھیں! ان کی اپنی سوتیلی چچی ــــ! تقدیر کی اس انوکھی کارستانی پر وہ متحیر بھی تھے اور مسرور بھی!
دفعتہً وہاں سوسن آگئی ــــ! بڑی بوکھلائی ہوئی لگ رہی تھی اس نے کسی تمہید کے بغیر عاطر سے کہا۔
"سرکار! ذرا جلدی چلئے۔ پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے۔ نویرہ بی بی بالکل ٹھنڈی ہو گئی ہیں!" اور اتنا کہہ کر پچھلے پیروں بھاگ گئی۔
"نویرہ بی بی؟" نجانے کتنی زبانوں سے ایک ساتھ بے ساختہ نکلا!
"نویرہ ــــ؟" بیگم جعفری بھی اچانک ٹھنڈی ہو گئیں۔
عاطر کمرے سے بگولے کی طرح نکلے اور راہداری میں بھاگتے ہوئے چلے گئے۔
اس کمرے میں ایک شور قیامت سا مچا ہوا تھا!
زبانیں کئی ــ باتیں کئی۔
"یہ کون سی نویرہ ہے۔ کیا یہاں بھی اسی نام کی کوئی بچی ہے۔ کیا وہ عاطر کی بہن ہے۔ بیٹی ہے۔ بیوی ہے۔ کون ہے؟ میرے اللہ رحم کرنا۔ اب نام کے سننے کا دلوں میں بوتہ نہیں۔
ان سب کو اپنے آپ پر قابو پانا ناممکن لگ رہا تھا۔ یہ نویرہ کون تھی۔

جس کی ایک جھلک دیکھنے اور اپنا اطمینان کرنے کے لئے یہ سب کے سب بیقرار ہو رہے تھے۔ بیگم جعفری صوفہ پر بیٹھی لرز رہی تھیں اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے جن میں امید و بیم کے ٹمٹماتے دیئے جل رہے تھے۔ ایک ایک کو تک رہی تھیں۔

عاطر نے دیکھا کہ نویرہ فرش پر پڑی تھی۔ اس کا چہرہ کاغذ سا سفید ہو رہا تھا اور پورا جسم برف سا سرد!

وہ سمجھ گئے کہ یہ اس کے بے پناہ خوف اور دہشت کا ردِ عمل ہے۔ سوسن نے گلوگیر لہجے میں بتایا۔

"ناشتہ تک نہیں کیا صاحبزادی نے سرکار۔ رات ہی سے ان کی حالت پاگلوں کی سی ہو رہی ہے ۔۔۔!"

"فوری گرم دودھ اور لیٹین ملا کے لے آؤ سوسن!" عاطر نے فرش ہی پر بیٹھ کر اس کا سر اپنی آغوش میں رکھ لیا۔ اور پھر جب اس کی معصوم مظلوم شکل پر ان کی نظر پڑی تب بے ساختہ وہ رو پڑے۔

دودھ اسے بڑی مشکل سے پلایا گیا۔ لیکن اس سے اتنا تو ہوا کہ وہ ہوش میں آگئی ۔۔۔!

"نویرہ!" عاطر نے بے حد پیار سے کہا۔ اور جلدی سے اپنے آنسو پونچھ لئے۔ وہ اب مسکرا رہے تھے!

وہ اپنی کالی کالی ناتواں آنکھوں میں آنسو بھرے انہیں دیکھنے لگی۔ اس میں اٹھ کر بیٹھنے کی بھی سکت نہ تھی!

"نویرہ!" عاطر نے پھر کہا اور اپنے ہاتھوں کے ہالے میں اس کا چاند سا چہرہ تھام لیا۔

"جی ۔۔۔!" بمشکل اس نے آواز ابھاری۔

"میرے کمرے میں چلو۔ یہ تم کو کیا ہو گیا ہے۔ ڈرتی کیوں ہو تم نے ناشتہ کیوں نہیں کیا ___ ؟"

سوسن پیار سے اسے دیکھنے لگی! "بٹیا۔ چائے بسکٹ لاؤں؟"

"میرے کمرے میں لاؤ۔ اچھا۔ ہم ساتھ پئیں گے۔ اٹھو نویرہ۔ اٹھو۔ میرے ساتھ چلو ___!" عاطر نے سہارا دے کر اُسے اٹھایا۔ ان کے لہجے سے شہد ٹپک رہا تھا! "چلو۔ میری رہبر و رہنما۔ میری ہادی۔ چلو۔ کس کی مجال ہے کہ کوئی تمہیں ٹیڑھی آنکھ سے دیکھ تو سکے! تم میرے سینے سے لگی رہو۔ میں پہاڑوں سے ٹکر لیتا رہوں گا؟ آؤ۔ چلیں!"

انہوں نے اُسے اُٹھایا اور سہارا دے کر لے چلے!

"وہ ۔ وہ سب کہاں ہیں؟ چلے گئے!" ڈرتے ڈرتے نویرہ نے پوچھا

"کون۔ سب؟" جان بوجھ کر عاطر نے پوچھا۔

"آپ کے مہمان!" نویرہ نے کہا۔

"کیا وہ تمہارے کوئی نہیں۔ نویرہ؟" عاطر نے بے حد پیار سے پوچھا

"جی؟" دم بخود اور دہشت زدہ ہو کر نویرہ بولی۔

"ہم سب ایک ہی درخت کے برگ و بار ہیں۔ نویرہ" عاطر نے کہا۔

"یہ تو مجھے ابھی ابھی پتہ چلا۔ تم میری چچازاد بہن ہو۔ ہاں۔ چونکو نہیں۔ تمہاری امی۔ میری چچی ہیں۔ چونکہ ہم لوگ سالہا سال سے آپس میں ملے نہیں تھے۔ اسی لئے تو یہ ساری گڑبڑ ہو گئی ___! لیکن اب سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"

"امی بھی ہیں۔" سب کچھ بھول بھال کر اور اتنی بے تابی سے اس قدر تڑپ کر نویرہ نے پوچھا کہ عاطر جواب نہ دے سکے۔ انہوں نے ان کی

زبان بند کر دی۔
جیسے ہی دروازے پر قدموں کی آہٹ سُنائی دی وہ سب اُدھر دیکھنے لگے۔ بیگم جعفری کے سامنے ان کی بچھڑی بیٹی نویرہ کھڑی تھی! ایک کرب آمیز مسرّت کی چیخ ان کے منھ سے نکلی۔

"نویرہ ــــ!"

"امّی ــــ!"

اور ماں بیٹی ایک دوسرے سے لپٹ گئیں! وہ اس کا منھ چوم رہی تھیں اس کے چہرے کو اپنے آنسوؤں سے دھو رہی تھیں۔ دوسرے لوگ تحیّر و تعجب کے سنگم پر دم بخود تھے! ماں بیٹی کا ملاپ عجیب تاثر انگیز تھا! جب ذرا سکون ہوا اور سب لوگ نویرہ سے مل ملا کر اطمینان سے بیٹھے تو عاطر کے اندیشے کے مطابق افضال صاحب نے سوال کیا۔

"نویرہ ان کے پاس کیونکر پہونچی تھی؟"

اور جواب میں عاطر نے پوری تفصیل اور ایمانداری کے ساتھ سب کچھ سچ سچ کہدیا۔ کوئی بات بھی نہیں چھپائی! انہوں نے اخیر میں یہ بھی کہا کہ وہ نویرہ ہی کی ذات ہے جس نے انھیں برائیوں کی راہ سے ہٹا کر نیکیوں کی راہ پر گامزن کر دیا ہے۔ پھر اچانک عاطر اٹھے اور اونچے کانس پر رحل پر رکھا ہوا کلام پاک اٹھایا اور اسے درمیان سے کھول کر سب کے سامنے اس پر اپنے دونوں ہاتھ رکھدیئے! اور بے حد سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"اگر اللہ کی اس کتاب پر آپ کا ایمان ہے تو یقین کیجئے کہ نویرہ کی زندگی بھی آیۂ تطہیر کی تفسیر ہے ــــ!"

ان سب کے چہرے جو شک و شبہ اور بدگمانیوں کے غبار سے دھندلے

ہو رہے تھے۔ یکبارگی چمک اٹھے! نویرہ کا چہرہ ماہ تاباں کو شرما رہا تھا!
بیگم جعفری از سر نو جی اٹھیں! نویرہ کی بہنیں اس سے لپٹ گئیں۔
افضال صاحب اور اقبال صاحب نے دنگ ہو کر پوچھا "اچھا تو اب اس
بدمعاش عورت مسز رباب کے لئے کیا کرو نگے۔ وہ تو ہر گھر کے لئے مستقل خطرہ
بنی رہے گی —!"
عاطر چپکے سے زیر لب بولے "جب تک میرے زخم دکھتے رہیں گے۔
مسز رباب، اختر اور رافعہ سے سخت ترین انتقام کا خیال مجھے سکون سے
جینے نہ دے گا۔ ان کی جڑیں کاٹنی ہی پڑیں گی!"
نویرہ خوش تھی۔ بے حد خوش!
عرصے تک وہ اپنی ماں اور بہن بھائیوں کے ساتھ اِدھر اُدھر گھومتی
پھری۔ لیکن ان میں عاطر شامل نہیں ہوتے تھے!
جب وہ سب رخصت ہونے لگے تو ان کا دل کسی نے برف کے بُرادے
میں دفن کر دیا! نویرہ چلی جائے گی۔ اس کا بیاہ ثاقب کے ساتھ ہو جائے
گا! یہ دکھ عاطر کا جگر کھرچ رہا تھا!
اس روز نویرہ بھی اداس لگ رہی تھی۔ جب ان کا رخت سفر واپسی کے
لئے تیار ہو رہا تھا۔ !عاطر نے نجانے کتنے قیمتی تحائف اور زر نقد نویرہ
کو دیا تھا—
عاطر اپنے کمرے میں بے چینی سے ٹہل رہے تھے۔ تبھی اپنے پسندیدہ سفید
لباس میں ملبوس سر پر آنچل اوڑھے وہ ان کے سامنے آ گئی!
"جا رہی ہو۔ نویرہ!" عاطر کے لہجے میں آنسو گھلے ملے تھے۔
"نہیں!" اچانک وہ ایک سسکی لے کر ان کے سینے سے آ لگی۔ "میں آپ کو

چھوڑ کر نہیں جاؤنگی۔ وہاں میرا دل نہیں لگے گا۔ جہاں سب ہوں گے مگر آپ نہ ہونگے
مجھے امّی سے مانگ لیجئے۔ آپ مجھے بہت اچھے لگتے ہیں۔ میں آپکے پاس رہوں گی۔
مجھے اپنی کنیز، اپنی خادمہ بنا کے رکھ لیجئے! انکار نہ کیجئے۔ میں چلی جاؤں گی تو پھر
آپ کو وقت وقت سے ناشتہ کھانا کون دے گا۔ آپ دوستوں میں اُٹھنے بیٹھنے لگیں
گے۔ آپکے زخم ابھی اچھے نہیں ہوئے۔ جبتک آپ اچھے نہیں ہوجاتے۔ مجھے خود سے
جُدا نہ کیجئے ـــــ!"

"نہیں، نویرہ نہیں" انہوں نے اس کا چہرہ تھام کر اسکی چمکتی ہوئی پیشانی
پر پیار بھرا بوسہ دیا اور آنسو بھری مسکراہٹ سے بولے "تم اپنی امّی کے ساتھ جاؤ۔
وہ بھی تو تمہیں دیکھ کر جیتی ہیں۔ میں بہت جلد تمہارے پاس آؤں گا! اپنی پیاری
نویرہ کو دُلہن بنانے کے لئے!!۔

مگر وہ شرمانے کے بجائے رونے لگی۔ بے زبان رُوح اپنے جذبات کا اظہار
اور کس طرح کرتی ـــ!؟ وہ اسے تسلّیاں دیتے رہے۔ اب وہ اچھے ہیں مزید "اچھے"
بن جائیں گے۔

عاطر کو اس سے کتنی بے پناہ محبت تھی۔ یہ تو وہی جانتے تھے۔ اس کی جُدائی
اُن کے لئے بھی ناقابل برداشت تھی! لیکن وہ سوچ رہے تھے۔ محبت کا جو دیا نویرہ
انکے دل میں جلا کر جا رہی ہے اسکی روشنی انکی زندگی کی راہوں کو ہمیشہ جگمگاتی رہیگی!
زندگی کا سفر آسان ہوجائے گا۔

مگر۔ زندگی ـــ!

جو نویرہ کے جانے کے بعد مستقل گریہ تھی!!!

ختم شد

خواتین کے لئے پچاس سال میں سب سے زیادہ مقبول ناول
نسیم بک ڈپو نے ہی پیش کئے ہیں
چند منتخب ناول آپ بھی پڑھ کر دیکھیں

عفت موہانی — بے زبان

تشنہ کام ۔ گنہگار ۔ راز

ہار جیت ۔ نقاب ۔ مداوا

بھنور ۔ صہبا ۔ وفا کا دکھ

سویرے ۔ شام تمنا ۔ شرارت

خواب و سراب ۔ تقدیر ۔ ہمسفر

عطیہ پروین — آنکھوں کے دیئے

خوشنما ۔ چندا ۔ مہ لقا

ڈھل گئی شام غم ۔ راحتیں اور بھی ہیں

شہلا ۔ رابو آپا ۔ ناظمہ

ہم اور جیتے رہتے ۔ کسی کے ہوگئے جب تم

مسرور جہاں

گردشیں ۔ نئی صبح ۔ ہم نشیں

پیار کی خوشبو ۔ ظاہرہ ۔ شہوار

نجم اعزاز

تلخ و شیریں ۔ سوز و ساز

[illegible] جسم

شہناز کنول

بادل کا سایہ ۔ شہابی

رفیعہ منظور الامین

سارے جہاں کا درد

سلمیٰ کنول ۔ عندلیب

اکیلی ۔ سہاگن ۔ لالہ

رضیہ بٹ

ایلا ۔ نائلہ ۔ روپ ۔ نجمہ

اے آر خاتون

افشاں ۔ چشمہ

صالحہ عابد حسین

آتش خاموش ۔ قطرہ سے گہر ہونے تک

وسیم بانو قدوائی

نفرت کی آندھی ۔ غبار کے پیچھے

ہاجرہ نازلی

ببول کے سائے ۔ انتظار سحر

نمود سحر